خطبات
اپنے اکابر کے

مولانا مفتی محمد شفیعؒ

مولانا قاری محمد طیبؒ

مولانا سید حسین احمد مدنیؒ

مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ

مولانا محمد عمر پالن پوریؒ

مولانا مفتی محمد عاشق الٰہیؒ

مولانا مفتی محمودؒ

مفتی نظام الدین شامزئیؒ

مولانا حسن جان مدنیؒ

مولانا عزیز الرحمن ہزارویؒ

مولانا فضل الرحمن صاحب

مرتب

عزیز الرحمن عزیزی

فاضل جامعہ بنوری ٹاؤن کراچی

جامعہ تعلیم القرآن باجکٹہ (بونیر)

ادارۂ اسلامیات

پبلشرز، بک سیلرز، ایکسپورٹرز

خطبات

اپنے اکابر کے

علمی، اصلاحی، تبلیغی اور سیاسی مضامین پر مشتمل خطبات

مولانا مفتی محمد شفیع
مولانا قاری محمد طیب
مولانا سید حسین احمد مدنی
مولانا محمد یوسف کاندھلوی
مولانا محمد عمر پالن پوری
مولانا مفتی محمد عاشق الٰہی
مولانا مفتی محمود
مفتی نظام الدین شامزئی
مولانا حسن جان مدنی
مولانا عزیز الرحمن ھزاروی
مولانا فضل الرحمن صاحب

مرتب

عزیز الرحمن عزیزی

فاضل جامعہ بنوری ٹاؤن کراچی

جامعہ تعلیم القرآن باجکٹہ (بونیر)

نام کتاب .... خطبات اپنے اکابر کے

صفحات 256

مرتب .... عزیز الرحمن عزیزی

اشاعت اول .... مئی 2010

قیمت .... 130/- روپے

ملنے کے پتے

- ☆ مکتبہ صدیقیہ رائیونڈ لاہور
- ☆ ضیاء القرآن کتب خانہ محلہ جنگی پشاور شہر
- ☆ مکتبہ رحمانیہ محلہ جنگی پشاور شہر
- ☆ مکتبہ حبیبیہ سواڑی بازار بونیر

اِدارہ اِسلامیات

پبلشرز، بک سیلرز، ایکسپورٹرز

★ دینا ناتھ مینشن، مال روڈ، لاہور — فون ۳۷۳۲۴۴۱۲-۳۷۲۲۴۸۵ فیکس ۹۲-۴۲-۳۷۳۲۴۴۱۲

★ ۱۹۰، انارکلی، لاہور، پاکستان — فون ۳۷۳۵۳۲۵۵-۳۷۲۲۲۹۹۱

★ موہن روڈ، چوک اردو بازار، کراچی فون ۳۲۷۲۲۴۰۱

Web: www.idaraeislamiat.com Email: idara.e.islamiat@gmail.com

اجمالی فہرست

فہرست مضامین

اخلاص اور اس کے ثمرات

اسلام میں عورتوں کے حقوق

بیعت کی شرعی حیثیت

علمِ انسانی اور علمِ الٰہی

پاکستان کا قاتل کون؟

طلبہ سے چند ضروری باتیں

یہودیوں کے مکروہ عزائم اور مسلمانوں کی ذمہ داریاں

علماء اور سیاست

پاکیزہ زندگی پاکیزہ ماحول سے بنتی ہے

توبہ کی ضرورت اور اہمیت

دینی مدارس اسلام کے مستحکم قلعے ہیں

دینی مدارس تعمیر انسانیت کے تربیت گاہیں ہیں

سانحہ لال مسجد اور حالات کے تقاضے

مسلمانوں کے محبوب اعمال

تقریر...... حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ
بمقام جامع مسجد سکھر...... وقت خطاب جمعہ
بتاریخ ۴ رمضان المبارک ۱۳۸۵ھ

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم ...... امابعد

اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم ۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم۔

فقال اللہ تبارک وتعالیٰ ...... وجاھدوا فی اللہ حق جہادہ ...... الآیۃ

اللہ تعالیٰ کے انعامات

آج میرے لئے چند خوشیاں جمع ہو گئی ہیں۔ اوّل یہ کہ تقریباً ۱۲ سال قبل اس جامع مسجد کا سنگِ بنیاد رکھا گیا تھا اور اب میں اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے بڑی شاندار مسجد کو دیکھ رہا ہوں اور پوری مسجد الحمدللہ نمازیوں سے بھری ہوئی ہے۔ اور دراصل مسجد کی آبادی نمازیوں ہی سے ہوتی ہے مسجد بھی ہو اور نمازی بھی ہوں اصل تعمیر یہی ہے۔ دوسری نعمت یہ ہے کہ جناب رسولِ کریم ﷺ کے نقشِ قدم اور سنتِ مبارکہ کی جھلک اللہ جل شانہٗ نے عنایت فرمائی۔ جب رسول کریم ﷺ مکہ معظمہ سے ہجرت فرما کر مدینہ طیبہ تشریف لائے ہیں تو سب سے پہلا انتظام آپ ﷺ نے مسجد ہی کا فرمایا۔ مسجد تعمیر فرمائی اور دوسرے سال رمضان المبارک کے مہینے میں جہاد کا آغاز فرمایا۔ جسے جنگ بدر کہا جاتا ہے۔ تو پہلے تعمیر مسجد ہوئی اسکے بعد دفاعی جہاد۔ یہی حسن ترتیب اللہ تعالیٰ نے اس مسجد کو بھی بخشی کہ پہلے یہ مسجد تعمیر ہوئی اسکے بعد مسجد بنانے والوں کو جہاد کی توفیق ہوئی جو ۶ ستمبر ۱۹۶۵ء کو بھارت کے جواب میں ہوا۔

مسجد تعمیر کرنے کی اہمیت

تاریخ اسلام ایسی واقعات سے لبریز ہے کہ جہاں بھی مسلمانوں نے فتوحات کی ہیں فتح پالینے کے بعد سب سے پہلا کام یہ کیا کہ جماعت کا انتظام کرنے کیلئے مساجد تعمیر کرائیں۔ اقامتِ صلوٰۃ اسلام کی اساس اور بڑا ستون ہے۔ جس طرح کوئی تعمیر ستونوں پر قائم ہوتی ہے اسی طرح دینِ اسلام کا نماز بڑا عظیم الشان ستون ہے۔

حضرت عمرو بن العاصؓ اور محمد بن قاسمؒ کا واقعہ

حضرت عمرو بن العاصؓ نے جب مصر فتح کیا تو انکی مسجد آج تک وہاں موجود ہے۔ اسی طرح ملک شام فتح ہوا تو وہاں جو فتح کے بعد مسجد تعمیر ہوئی وہ آج بھی موجود ہے۔ غرض جس جگہ لشکر گیا شہر ہو، گاؤں ہو، حتیٰ کہ جنگل میں اگر قیام کرنا پڑا تو وہاں بھی مسجد تعمیر کی۔

محمد بن قاسمؒ نے سب سے پہلا بڑا حملہ سندھ میں دیبل پر کیا۔ عربی مورخین اسکو دیبل ہی لکھتے ہیں لیکن اسکی تعین میں اختلاف ہے کہ اب وہ کونسی جگہ ہے۔ کسی نے کہا منوہڑہ کا مقام کسی نے ٹھٹھہ کو کہا لیکن جدید محکمہ آثار سے معلوم ہوا کہ وہ کراچی سے دور جگہ ہے وہ جگہ دیبل ہے وہاں راجہ داہر کا ایک دبا ہوا قلعہ بھی نکلا ہے اور جامع مسجد کے آثار بھی نکل رہے ہیں اس دیبل کا حضرت محمد بن قاسمؒ نے محاصرہ کیا ہوا تھا۔ محاصرے کے بعد بڑی بہادری سے تین دن کی لڑائی کے بعد وہاں امن قائم ہوگیا تو سب سے پہلا کام یہ کیا گیا کہ ایک جامع مسجد کی بنیاد رکھی گئی اور چار ہزار گھر مسلمانوں کے یہاں آباد ہوئے (بلاذری صفحہ ۴۳۷)

محمد بن قاسم بارہ ہزار کا لشکر لیکر یہاں آئے جس میں چھ ہزار عراقی تھے اور چھ ہزار دیگر مجاہدین تھے۔ محاصرے کے بعد قبیلہ مراد کا ایک سپاہی جو کوفہ کا رہنے والا تھا سب سے پہلے فصیل پر چڑھ کر اس نے اسلامی جھنڈا نصب کردیا۔ اور اللہ اکبر کی پُر رعب آواز سے مسلمانوں کو اپنی کامیابی کا خیال دلایا پھر تو مسلمان ہر طرف سے پہنچ گئے اور شہر میں داخل ہوگئے۔ یہ اللہ کا نام

ایسا ہے کہ جب مسلمان اسکا نام لیکر اللہ تعالیٰ کے نام کو اونچا کرنے کیلئے آگے بڑھتا ہے تو کامیابی اسکی قدم چوم لیتی ہے...... اس سے آگے بڑھکر برہمن آباد کے شہر پر حملہ کیا برہمن آباد دوسری صدی میں آکر مٹ گیا اسکا جائے وقوع اب معلوم نہیں البتہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ روہڑی اور حیدرآباد کے درمیان میں کسی جگہ تھا بہر حال یہ بھی فتح ہوگیا اور مجاہدین کی تعداد تیس ہزار ہوگئی۔ سوچنا یہ ہے کہ شروع میں بارہ ہزار فوج تھی اب یہ اٹھارہ ہزار اور کہاں سے بڑھ گئے کوئی خاص کمک نہیں ہوئی ظاہر ہے کہ یہ اسلام کی حقانیت کی دلیل تھی کہ اس قلیل عرصے میں اٹھارہ ہزار مسلمان بلکہ غازی بن گئے۔

حدیث شریف میں ہے کہ:- لن یغلب اثنا عشر الفً من قلة -
''مسلمانوں کا لشکر اگر بارہ ہزار ہو تو وہ قلت کی بنا پر کبھی مغلوب نہ ہوگا۔

مسلمانوں کا اصل ہتھیار تقویٰ وللٰہیت ہے

اصل ہتھیار صلاح وتقویٰ وللٰہیت کا ہے جب افواج میں صلاح وتقویٰ ہوگا تو وہ اتنی ہی کامیاب ہوں گے۔ پہلے افواج میں یہی تبلیغ ہوتی تھی اور ان کو صلاح وتقویٰ کا درس دیا جاتا تھا۔

سلطان شہاب الدین غوریؒ کا واقعہ

سلطان شہاب الدین غوریؒ کے بارہ ہزار لشکر میں حضرت امام رازی صاحبؒ تھے۔ فوجیوں کی روحانی غذا اور ان کی تربیت کیلئے انتخاب کیا گیا کہ حضرت امام فخر الدین رازیؒ کو رکھا جائے چنانچہ آپ قرآن شریف کا درس دیتے تھے تو یہ بارہ ہزار کا لشکر جیسے فوجی مشق کرتا ہوگا اسی طرح وہ روحانی عشق بھی کرتا ہوگا۔ جب ایسا لشکر ہو تو اللہ تعالیٰ کی تائید غیبی اسکے ساتھ ہوتی ہے وہاں فلم یا ناچ گانا نہیں ہوتا تھا یہ تو غضب الٰہی کو دعوت دینے والی چیزیں ہیں۔

اس تقویٰ وصلاح کی بات تھی کہ جب مسلمان اس زیور سے مزین تھے تو ان پر غیر مسلم بھی پورا اعتماد کرتے تھے جس وقت برہمن آباد فتح ہوا تو شہر والوں نے دروازے بند کر لئے

تھے آخر محاصرہ سے تنگ آ کر انہوں نے محمد بن قاسم کو ایک خط لکھا کہ ہم لوگ امن چاہتے ہیں۔ ہم آپ سے نہیں لڑیں گے۔ باقی آپ جانیں، راجہ داہر جانے۔ چنانچہ اس امن کو منظور کرلیا تو صرف خط پر منظوری دیدی۔ پھر ان کافروں کو اتنا اعتبار تھا کہ انہوں نے شہر کے دروازے کھول دئے۔ اور خود اسی طرح کاروبار میں مشغول تھے فوج شہر کے اندر داخل ہو رہی ہے اور دکان دار اپنی دکان پر بیٹھا ہوا ہے مزدور اپنی مزدوری کر رہا ہے نہ خوف ہے نہ حراس کیونکہ مسلمان کی زبان کا اعتبار تھا۔ ایسی نظیر کوئی دوسری قوم میں دکھا سکتا ہے۔ محمد بن قاسم نے بھی اسی جگہ آ کر پہلے مسجد تعمیر کی۔

مومن کو اللہ تعالیٰ پر اعتماد اور بھروسہ ہونا چاہیئے۔ مومن کے پاس یہ بڑی عظیم الشان طاقت ہے اتفاق واتحاد اور خدا پر بھروسہ۔ اگر روحانی طاقت پیدا ہو جائے تو سلامتی کونسل بھی ایک طرف رہے مرد مومن کو کوئی نہیں روک سکتا۔

مومن کی جنگ کی اغراض دنیاوی نہیں ہوتی

میں نے یہ آیت تلاوت کی تھی " وجاهدوا في الله حق جهاده " اللہ تعالیٰ کی راہ میں پورا پورا جہاد کرو۔ فی اللہ کی قید بتلا رہی ہے کہ مسلمان کی جنگ اللہ کے واسطے ہوتی ہے دنیاوی اغراض سے مومن کی جنگ بالا ہوتی ہے۔ مومن ملک گیری، دولت وحشمت یا وطن کیلئے نہیں لڑتا۔ اسکی تو صرف اللہ کے واسطے لڑائی ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا کلمہ بلند ہو۔ اللہ تعالیٰ کے قوانین جاری ہوں۔ اسلام فروغ پائے جہاں اسلام کا جھنڈا سر بلند ہو وہی ہمارا وطن ہے۔ دنیا دار وطن کے لئے لڑتے ہیں ہم مادر وطن کی پجاری نہیں۔ جہاد وہی ہے جو اللہ کیلئے ہو اس کی رضا مقصود ہو۔ ورنہ اس لڑائی کا نام فساد اور خون ریزی ہے جب اعلاء کلمۃ اللہ ہماری نظر سے اوجھل ہو جائے تو وہ جہاد کے برکتیں بھی نہیں ہوتیں۔

مسلمانوں کو جہاد میں نیت خالص کرنی چاہئے

حضرت عمر فاروقؓ نے اسکندریہ جو ایک نہایت خوبصورت اور تجارتی شہر تھا اس کے فتح کرنے کیلئے حضرت عمر بن العاصؓ کو امیر بنا کر بھیجا۔ انہوں نے اسکندریہ کا محاصرہ کیا برابر ایک ڈیڑھ ماہ تک محاصرہ رہا۔ لیکن فتح کی کوئی صورت نہ ہوئی۔ حضرت عمر فاروقؓ ناراض ہوئے کہ کیا وجہ ہے کہ اب تک فتح کی خبر نہیں آئی۔ اللہ کیلئے جہاد ہو۔ اور دیر ہو جائے یہ کیسے ہوا؟ کوئی نہ کوئی اسکا سبب ضرور پیدا ہوا ہے۔ دنیاوی جنگوں کو برسوں لگ جاتے ہیں لیکن اس لئے کوئی نہ کوئی خامی ایسی ہے کہ دیر ہوگئی ہے ان حضرات کو اللہ تعالیٰ کی نصرت پر اتنا یقین ہوتا تھا کہ مومن کامل اور فرمان بردار و مطیع ہو تو اتنی دیر نصرت الٰہی میں نہیں ہو سکتی۔ اسکا سچا وعدہ ہے۔ اسلئے حضرت فاروقِ اعظمؓ نے ایک خط لکھا کہ فتح میں دیر ہونے سے میں نے اندازہ لگایا ہے کہ تم لوگوں کو شاید وہاں کی دولت و حشمت اور وہاں کے محلات تمہاری نظروں میں آگئے ہیں اور لالچ تمہارے دلوں میں پیدا ہو گیا ہے اس نے تمہارے دلوں میں وہن اور سستی پیدا کر دی ہے۔ اسی وجہ سے معلوم ہوتا ہے کہ فتح میں دیر ہوگئی ہے لہٰذا اب جو جمعہ آرہا ہے اس میں تم سب ملکر اپنی نیتوں اور خیالات کی تجدید کرو۔ اور محض رضائے الٰہی کیلئے جہاد کی نیت خالص کرو اور چند بڑے درجے کے صحابہ کرامؓ کو لشکر میں آگے کرو اور یک بارگی حملہ کرو۔ چنانچہ حضرت عمرو بن العاصؓ نے وہ خط سب کو سنایا اور پھر سب نے نیتوں کی تجدید کی۔ توبہ کی اور اللہ کا نام لیکر آگے بڑھے تو اسی دن غروب آفتاب نہ ہونے پایا تھا۔ کہ اللہ نے اسکندریہ کو فتح کرا دیا۔

اصل طاقت مومن میں صلاح و تقویٰ کی ہے اگر اس ہتھیار سے مومن پیراستہ ہو تو اللہ تعالیٰ کی تائید ہوتی ہے اسلئے قرآن کریم میں فرمایا فی اللہ۔ اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کیلئے تیار رکھو۔ اسکے بعد فرمایا ''حق جہادہ'' پوری طرح جہاد کرو۔ جتنی تم میں کسی قسم کی طاقت ہے خرچ کر ڈالو اللہ کے راستے میں ہمت نہ ہارو۔ جہاد کا حق ادا کرو۔

پاکستان سے بھارت کا رویہ

اسکے بعد بعض افکار ہمارے اندر ایسے پھیلائے گئے ہیں جو دراصل بھارت کی طرف سے آئے ہیں اور بھارت ریڈیو سے نشر بھی کئے گئے ہیں۔ خود بھارت کا یہ رویہ رہا کہ پاکستان ریڈیو سننے تک ممانعت ہی نہیں بلکہ سننے والے پر چھ ماہ قید کی سزا بھی لگادی۔ وہ یہ جانتا تھا کہ پاکستان میں ہندوؤں کی بات کون سنے گا۔ اس لئے اس نے علماء کے نام لے کر بیانات شائع کئے۔ سواوّل تو ان علماء کو جن کے نام لئے گئے یہاں کون جانتا ہے۔ انہوں کا یہ کہنا کہ پاکستان کے علماء کا نعرۂ صحیح نہیں جبکہ چھ کروڑ مسلمان بھارت میں آباد ہیں یہاں لال قلعہ ہے شاجہان کی جامع مسجد ہے۔ کافروں پر جہاد ہوا کرتا ہے۔ صرف دو کروڑ کا فرق بھارت میں چھ کروڑ مسلمان ہیں اور پاکستان میں اٹھ کروڑ ہیں۔ پھر نائب صدر یہاں مسلمان ہے اس قسم کے بیانات سب فریب ہیں۔

دارالاسلام اور دارالکفر کا حکم

خوب یاد رکھئے دارالاسلام پر حملہ کرنا حرام ہے خواہ وہاں کافر بھی بستے ہوں اور دارالکفر پر حملہ کرنا واجب ہے خواہ وہاں مسلمان ہی کیوں نہ بستے ہوں۔

دارالاسلام کی تعریف یہ ہے کہ جہاں مسلمان برسرِ اقتدار ہوں اور اسلام پر عمل کرنے میں آزاد ہوں۔ کوئی رکاوٹ ان کو نہ ہوں۔ وہاں خلافت راشدہ کے احکام جاری کر سکے۔ لیکن اگر بدبختی کی وجہ سے دیر ہو جائے۔ لیکن تمام مسلمان ملکر اگر چاہیں تو جاری کر سکے تو وہ دارالاسلام ہی رہے گا۔ یہ مسلمانوں کی بدبختی کہی جا سکتی ہے کہ مسلمان اپنے اسلام کے قوانین کو ٹالتے رہے جس طرح مسجد وہ تو ہمیشہ مسجد ہی رہے گی اگر وہاں کوئی نماز نہ پڑھے تو مسلمانوں کے اکیس نماز نہ پڑھنے سے مسجد کے حکم سے وہ نہیں نکل سکتی یوں کہیں گے کہ مسلمانوں کی بدبختی ہے کہ مسجد میں عبادت نہیں کرتے۔

دار کا تعلق مسلمان یا ہندو کی بسنے پر نہیں بلکہ اقتدار پر ہے

بھارت میں مسلمان اگر چہ چھ کروڑ ہیں مگر مغلوب ہیں اپنے مال وابرو و جان کی حفاظت نہیں کر سکتے آئے دن ہندو حملہ کر دیتے ہیں۔ بھارت کو دارالاسلام کیسے کہا جا سکتا ہے بھارت جھوٹ بولتا ہے۔ جو اہلِ علم سے پوشیدہ نہیں ہے اور اگر ان کی یہ منطق مان بھی لی جائے کہ جہاں چھ کروڑ مسلمان آباد ہوں وہ بھی دارالکفر نہیں ہو سکتا۔ دیکھئے جب محمد بن قاسم نے سندھ کو فتح کیا اور اسلام کے قوانین جاری کئے تو اس حصے کو دارالاسلام کہیں گے حالانکہ ہندوں کی آبادی زیادہ تھی لیکن اقتدار مسلمانو کے پاس تھا جہاں تک اقتدار مسلمانوں کا تھا وہ دارالاسلام تھا باقی تمام ہندوستان دارالکفر ہی رہا۔ تو دار کا تعلق مسلمان یا ہندوں کے بسنے پر نہیں ہے بلکہ اقتدار پر ہے۔

مکہ معظمہ میں بھی ابتداء میں مسلمان آباد تھے۔ لیکن اسوقت وہ دارالاسلام نہیں تھا ورنہ ہجرت کیوں کرتے اور پھر جہاد کیسے کیا جا سکتا تھا۔ اسی طرح حبشہ میں اگر کچھ مسلمان جا کر بس گئے تھے تو کیا وہ دارالاسلام ہو گیا تھا؟ حالانکہ مکہ معظمہ میں بیت اللہ بھی تھا۔ لیکن پھر بھی فتح مکہ اور جہاد کیا گیا۔ خداوند تعالیٰ ان بھارت کے مسلمانوں کی جان مال آبرو کی حفاظت فرمائے میں ان کے لئے دعا کرتا ہوں لیکن وہ ہے دارالکفر ہی۔ مسلمانوں کے بسے رہنے سے دارالاسلام نہیں ہو سکتا۔

جہاد کے اغراض

جہاد اسلئے ہوتا ہے کہ ہم اللہ کا علم بلند کریں عدل قائم کریں۔ ظلم کو مٹائیں۔ اور جور کا وٹیں اس درمیان میں حائل ہوں ان کو دور کریں۔ اور جب کسی جگہ بھی ہمارے مسلمان بھائیوں پر ظلم ہوتا ہو تو ہمارا فرض ہے کہ ہم انکی امداد کریں۔

جہاد کب فرض ہو جاتا ہے؟

جب کافروں کا کوئی سا لشکر ہمارے ملک پر حملہ کر دے تو سب پر جہاد فرضِ عین ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ نعمت جہاد عطا فرمائی ہے۔ مسئلہ کشمیر اُنہوں نے چھیڑا تھا۔ لہٰذا انکی امداد کرنا ہمارا فرض ہے۔ "یقولون ربنا اخرجنا من ھٰذہ القریۃ الظالم اھلھا" کا مضمون سامنے ہے لہٰذا ان ظالموں سے بچانا فرض ہے۔ لہٰذا مسلمانوں کی امداد کرنا اور دارالاسلام کی حفاظت کے لئے اور کشمیری مظلوموں کو ظلم سے چھڑانا یہ تین باتیں ہیں جن کی بناء پر ہم پر جہاد فرض ہو جاتا ہے۔

پاکستان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا عجیب معاملہ

پاکستان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا عجیب معاملہ ہے۔ اوّل تو اسکا بننا ہی عجیب بات ہے پھر اسکا باقی رہنا بھی معجزہ ہی ہے۔ پہلے اس پاکستان بنانے کیلئے گلی گلی، کوچے کوچے چیختے پھرتے تھے کہ پاکستان لیں گے وہاں قرآن واسلام کا قانون ہوگا۔ "لا الہ الا اللہ" پڑھکر اللہ کا نام لیکر اعلان کرتے تھے جب اللہ کا نام اور "لا الہ الا اللہ" پڑھکر بڑھے اللہ پاک نے پاکستان بنا دیا۔ جب بن گیا تو اس کے باقی رہنے کا احتمال نہ تھا۔ دفتروں میں کاغذ پنسل تک نہ تھیں۔ فوجیں سب ملک سے باھر تھیں۔ نہ خزانہ تھا نہ تنخواہ دینے کی طاقت تھی اور حوادثات ایسے پیش آئے کہ آنے والا یہی کہتا تھا کہ صرف ایمان اور جان بچ جائے۔ اور پاکستان آتے تھے تو اسطرح کہ کافر سب کچھ چھین لیتے تھے مال لانے نہ دیتے تھے سکھوں نے قتل عام کر رکھا تھا۔ مشرقی پاکستان پر حملہ ہو جاتا وہ بھی اس وقت اسکی ٹھکر کا نہ تھا لیکن یہ اللہ پاک کی کریمی ہے کہ اس نے اسی پاکستان کو ایک مضبوط قلعہ بنا دیا۔ سو پاکستان اللہ کا نام لیکر بنا ہے۔ "لا الہ الا اللہ" کہہ کر اور دارالاسلام کہہ کر بنا ہے۔ اور یہی کہہ کر اسکو لیا گیا ہے۔

ہم نے پاکستان جیسی نعمت کا شکر ادا نہ کیا

لیکن ہم نے اس نعمت کا شکر ادا نہ کیا۔ یہاں آ کر اس اللہ اور ''لا الہ الا اللہ'' کو بھول گئے ایسی ظلمتوں میں پھنس گئے۔ اگر ہم اندازہ کریں جو معاصی قوم عاد و ثمود اور معذب قوموں کے تھے ان سے کم نہیں رہیں گے۔ ان پر ان ہی کرتوتوں سے عذاب ہی آیا۔ کسی پر پتھر برسائے گئے کسی پر آگ برسی اور کسی قوم پر آندھی کا عذاب بھیجا گیا۔ اپنے کرتوتوں پر نظر کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ہم مستحق عذاب ہو چکے تھے لیکن عذاب رکنے کی وجہ سرور کائنات ﷺ کا وجود اطہر ہے۔ جسکی وجہ سے عذاب نہیں آیا خدائے پاک نے فرمایا ''وما کان اللہ لیعذبھم وانت فیھم'' آپکا وجود مسعود کہ آپ (مدینہ منورہ) دنیا ہی میں تشریف فرما ہیں آپ ہی کے طفیل سے ہم بچے ہوئے ہیں یہ اللہ کا بڑا کرم ہے ہم نے ناشکری کی اور بندہ جب ناشکری کرتا ہے اللہ پاک اسکو عذاب دیتے ہیں لیکن اسکا کتنا کرم ہے کہ ہم کو کسطرح محفوظ رکھا۔

اللہ تعالیٰ کے مزید انعامات

دشمن کے جو منصوبے تھے وہ دراصل شکلِ عذاب کی تھی اللہ پاک نے اس کو ٹال دیا۔
یہ اس کی عنایت و مہربانی ہے مزید اللہ کا یہ انعام ہوا کہ ہم میں بیداری پیدا کر دی۔ آنکھیں کھل گئیں۔ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے آنکھوں سے دیکھ لیا۔ سارے پاکستان کے مسلمانوں کے دلوں میں اُلفت ڈال دی۔ سب کا رُخ ایک ہی طرف پھیر دیا۔ جو پاکستان کے خلاف بھی حزب مخالف تھے وہ بھی باہم مل گئے۔ دلوں کا پھیرنا کسی قانون کا کام نہیں ہے صرف اللہ پاک کا کام ہے۔ گلی کوچوں میں دعائیں ہو رہی ہیں۔ بچوں تک میں جوش جہاد ہے۔ عورتیں دعائیں کر رہی ہیں۔ یہ کسی تلوار کا کسی سیاست کا کام نہیں ہے۔ ایک سیاسی دلدلوں میں پھنسی ہوئی قوم ساری ایک دھاگے میں بندھ جائے یہ صرف اللہ کی تائید غیبی ہے۔ اور جہاد کی بدولت ہے۔ اعمال درست کر لئے، معاصی راگ باجے بند کر دئے، نمازی بڑھ گئے مساجد نمازیوں سے پر ہو گئیں

خوف وہراس بالکل نہ رہا۔ مہنگائی نہ ہوئی۔

ہمارے فرائض

ہر شخص اپنی زندگی کو درست کرنے کی فکر میں ہے یہ اللہ کا بڑا انعام ہے اس کو اب جانے نہ دینا چاہیئے۔ ہر شخص کو نماز پڑھنی چاہیئے بداعمالیاں چھوڑ دینی چاہیئیں۔اور کبھی اپنی اصلاح سے غافل نہ رہنا چاہیئے۔مغربیت کی لعنت کو اتار پھینکنا چاہیئے اگر مسلمان بن کر زندہ رہنا ہے تو اسلام کی پوری تابعداری کرے ممکن ہے اور کوئی اس قسم کا جھٹکا باقی ،ہو تو اللہ پاک ہم پر کرم فرمائے۔ہمیں صرف اللہ پاک پر بھروسہ رکھنا چاہیئے۔تقویٰ اختیار کرنے کا وقت ہے۔حکومت کو بھی رعایا کو بھی سب کو اس کوشش میں لگ جانا چاہیئے کہ دین پر قائم ہو جائیں۔اور ہم نے کیا کیا سب اللہ پاک کا ہی کام ہے۔دشمن چھڑ آیا۔ جہاد ہم پر مسلط ہوا۔توجہ الی اللہ ہوگئی۔ پھر اتحاد والفت پیدا کی پھر فرشتوں کی امداد فرمائی۔اب انہی چیزوں کو ساتھ لیکر آگے بڑھو "واعلموا ان اللہ مع المتقین" اللہ کا وعدہ ہے اور اللہ کا وعدہ صرف رجسٹری مسلمان ہونے پر نہیں حقیقی مسلمان ہونا چاہیئے۔

بداعمالیوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی نصرت ختم ہو جاتی ہے

ہمارے سامنے سلطنت مغلیہ کی تاریخ دور نہیں ہے جب وہ عیش وعشرت میں آگئے تو کس طرح برباد ہو گئے حالانکہ وہ مسلمان تھے لیکن وہ تاریخ بہت دور نہیں کہ شہزادوں کا سر باپ کے سامنے دسترخوان پر کھانے کیلئے پیش کیا گیا جب اعمال غلط ہو گئے تو تائید نہیں آتی۔لہٰذا خداتعالیٰ سے ڈرنا چاہیئے۔اپنی اصلاح کی فکر کریں۔ بے حیائی،عریانی ، بے پردگی،فحش لیٹریچر، مغربی فیشن سے دور رہنا چاہیئے۔ان کو مٹانے کی ہر ممکن کوشش کریں۔اور اللہ پاک سے بہت ڈرتے رہنا چاہیئے۔

(وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین)

(از البلاغ)

اخلاص اور اُس کے ثمرات

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ کی ایک بصیرت افروز تقریر جو انہوں نے جامعہ تعلیمات اسلامیہ لائل پور کے اجتماع میں فرمائی تھی۔ مولانا محمد ذکی کیفی مرحوم نے یہ تقریر مرتب کی تھی۔

خطبہ مسنونہ کے بعد فرمایا:

ہماری حالت

واقعہ یہ ہے کہ اس موضوع پر کچھ معروضات پیش کرنا بڑا ہمت طلب مسئلہ ہے، کیونکہ اس دور میں اخلاص کا ہی فقدان ہے۔ ہماری روزمرہ کی مصروفیات جو بظاہر عبادت نظر آتی ہے اُن کا اگر جائزہ لیا جائے تو اُن میں اکثر کاموں میں مقصود نظر یہ جلب منفعت ہے یا شہرت اور ناموری اور نام ونمود کی خواہش اپنے علم وفضل کا اظہار اور دوسرے لوگوں سے اپنی برتری کا لوہا منوانا۔

اگر میں اپنا جائزہ لیکر دیکھوں کہ مجھ میں کس قدر اخلاص ہے تو بولنے کی ہمت نہ ہو۔ لیکن قرآن حکیم نے جو "لِمَ تقولون ما لا تفعلون" فرمایا ہے اس کے نتیجے میں بعض حضرات یہ سمجھتے ہیں کہ اگر ہم کوئی نیک عمل نہیں کرتے تو اس نیک عمل کی ترغیب کسی دوسرے کو بھی دینا صحیح نہ ہوگا اس شبہ کو دور کرنے کیلئے اسکا صحیح مفہوم بیان کرنا چاہتا ہوں میرے شیخ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے اس آیت کی تفسیر میں ایک جامع جملہ ارشاد فرمایا تھا۔ کہ یہ آیت دعویٰ کے متعلق ہے۔ دعوت کے متعلق نہیں۔ مثلاً ہم صحیح نماز نہیں پڑھتے اور دعویٰ کرتے ہیں کہ نماز بالکل صحیح پڑھتے ہیں۔ روزہ، نماز، زکوٰۃ وغیرہ کو انکے آداب کے متعلق ادا نہ کریں اور دعویٰ یہ کریں کہ ان کو پورے طور پر صحیح ادا کرتے ہیں، اس قسم کے کام کی اس آیت میں ممانعت

فرمائی گئی ہے۔

دعوت کا خاصہ

لیکن اگر ہم کوئی نیک عمل اپنے کسل یا غفلت اور کمزوری کی باعث نہیں کر سکے تو یہ بات اس عمل کی دعوت دوسرے لوگوں کو دینے میں رکاوٹ نہیں ہونی چاہیئے۔ دعوت دیتے وقت اپنے نفس کو بھی مخاطب کرنا چاہیئے۔ اور دوسرے لوگوں کو بھی۔ کیونکہ دعوت کا خاصہ یہ ہے کہ وہ داعی پر بھی اثر انداز ہوتی ہے۔ اگر کوئی شخص نماز باجماعت کے معاملے میں خود کوتاہ ہے اور نماز باجماعت کے فضائل و اہمیت پر وعظ کہتا ہے تو قدرتی طور پر اسکا نفس بھی خود ندامت محسو کرے گا اور بالآخر انشاءاللہ اس کو بھی پابند بنادے گا۔

حضرت تھانویؒ جس رذیلہ کا اپنی ذات میں احساس کرتے تھے تو اس پر وعظ کہتے تھے اور اس طرح اپنے نفس کا علاج کر لیتے تھے۔ چونکہ بحمد اللہ اس مجلس میں دعویٰ کی کوئی بات نہیں ہے صرف دعوت ہی کیلئے منعقد کی گئی ہے۔ اسلئے اخلاص پر چند باتیں کہنے کی ہمت کر رہا ہوں۔

قرآن حکیم نے ارشاد فرمایا:۔ **وما امروا الاّ لیعبدوا اللہ مخلصین لہ الدین**

یعنی ہم جو عبادت بھی کریں اسمیں ہمارا تمام مقصود و مطلوب اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنا ہو اسکے علاوہ اور کسی قسم کا داعیہ نام و نمود یا مالی منفعت، عزت و شہرت وغیرہ نہ ہو۔ اگر ان میں سے کوئی چیز بھی دل میں پیدا ہوگئی تو دعوت خالص نہیں رہے گی۔ "**الا للہ الدین الخالص**"

ایک حدیث میں سرور دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ "جب بندہ کسی عمل میں دو نیتیں کر لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جب تم نے اس عمل میں میرے ساتھ غیر کو شریک کر لیا تو میں یہ غیر کو ہی دے دیتا ہوں"۔

اور منطق کا مشہور مقولہ ہے کہ...... نتیجہ ہمیشہ ارذل کے تابع ہوتا ہے۔

ہر عمل کا ڈھانچہ اور ایک روح ہوتی ہے

یاد رکھئے ہر عمل کا ایک ڈھانچہ ہوتا ہے اور ایک اس کی روح ہوتی ہے۔ قرآن حکیم نے انسانی تخلیق کے متعلق پہلے تو تدریجی تخلیق کا ذکر کیا کہ: ہم نے نطفہ کو مضغہ بنا دیا۔ پھر مضغہ سے ہڈیاں پیدا کیں۔ پھر ان ہڈیوں پر گوشت چڑھایا۔ تدریجی تخلیق کا بیان فرما کر ارشاد ہوا۔

"ثم انشاناه خلقاً اخر" اور وہ روح کی تخلیق ہے۔ روح تمام افعال کا صدور کرانے والی ہے اور جسم اسکے کہنے کے مطابق کام کرتا ہے۔ انسانی روح تو پہلے سے موجود تھی لیکن جسم میں آنے سے پہلے نہ تو مومن تھی نہ کافر اور نہ اسکا کوئی عمل تھا۔ جب اسکا تعلق بدن کے ساتھ قائم کر دیا گیا تو کام شروع ہوا۔ نہ صرف روح سے کام چل سکتا ہے اور نہ صرف جسم سے تمام دنیا کے کارخانوں کا دارومدار اسی پر ہے۔

بجلی حاصل کرنے کیلئے پہلے بجلی کے تاروں کی فٹنگ وغیرہ کی جاتی ہے اسکے بعد بلب لگایا جاتا ہے۔ یہاں تک تو بجلی کا ڈھانچہ تھا اب اسکے بعد پاور ہاؤس سے کرنٹ آتا ہے جو بجلی کی روح ہے تب روشنی حاصل ہوتی ہے...... اسی طرح ہر عمل کا ایک ڈھانچہ ہوتا ہے اور ایک اس کی روح ہوتی ہے۔ نماز میں ہاتھ اٹھا کر تکبیر کہنا، قیام وقعود اور رکوع وسجود وغیرہ یہ سب نماز کا ڈھانچہ ہے اور اس کی روح اخلاص ہے کہ دورانِ نماز غیر اللہ کا خیال نہ آنے پائے۔ اللہ اکبر کہہ کر ہاتھ باندھنے کا عمل ایک دعویٰ ہے کہ ہم نے ماسوی اللہ سے ہاتھ اُٹھا لیا ہے اسی کو احسان کہا جاتا ہے۔

تمام اعمال صالحہ کی روح اخلاص ہے اسلئے ہمیں ہر عمل کے وقت اسکا خیال رکھنا ہوگا کہ اس عمل کا ڈھانچہ بھی درست ہو اور اسمیں روح بھی موجود ہو۔ اللہ تعالیٰ کے یہاں اعمال کے اعداد کا شمار نہیں ہوتا کہ کتنی نمازیں پڑھیں کس قدر روزے رکھے، کتنے حج کئے، بلکہ وہاں بندوں کے اعمال کا وزن کیا جائے گا تعداد نہیں گنی جائیگی۔ قرآن وحدیث میں آپ نے کہیں نہیں پڑھا ہوگا، کہ یوم حساب میں اعمال کی گنتی کی جائے گی۔

اخلاص کے ساتھ عمل کی جزاء بہت بڑی ہوگی

قرآنِ کریم میں احسن عملاً فرمایا گیا ہے اکثر عملاً نہیں فرمایا۔ ہر عمل میں حسن عمل کو دیکھا جائے گا، کثرت عمل کو نہیں دیکھا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ کے یہاں عمل کے وزن کے اعتبار سے جزاء ملے گی اعمال میں جس قدر اخلاص ہوگا اسی قدر وہ وزنی ہوں گے۔ کسی کا عمل دیکھنے میں معمولی ہوگا۔ لیکن اخلاص کی بدولت اس کی جزاء بہت بڑی ہوگی اور کسی کے اعمال دیکھنے میں بہت عظیم ہوں گے لیکن اخلاص نہ ہونے کی وجہ سے اُن کی جزاء بہت معمولی ہوگی۔

احادیث میں ارشاد فرمایا گیا ہے:۔

''کسی صحابی کا ایک مُد مال خرچ کرنا (جو ہمارے ایک سیر کے قریب ہوتا ہے) غیر صحابی کے جَبلِ اُحد کے برابر خرچ سے بھی زیادہ باعث اجر ہوگا''۔

آخر اس کا سبب کیا ہے؟ بظاہر تو یہ بے انصافی معلوم ہوتی ہے کہ ایک شخص اُحد کے برابر اجر حاصل نہ کر سکے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ صحابی کو رسولِ اکرم ﷺ کے شرفِ صحبت سے جو اخلاص عمل حاصل ہو گیا وہ غیرِ صحابی کو حاصل ہو ہی نہیں سکتا۔ اسی لئے اخلاص عمل کی وجہ سے صحابی کے معمولی اعمال کا وزن بڑھا ہوا ہے اور غیرِ صحابی میں اخلاص عمل کی کمی کیوجہ سے اسکے عمل کا درجہ گھٹا ہوا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب حضرت عبداللہ بن مبارکؒ سے کسی نے سوال کیا کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ (جو عمرِ ثانی کہلاتے ہیں) اور حضرت امیرِ معاویہؓ میں سے کون افضل ہے؟ تو عبداللہ بن مبارکؒ نے فرمایا کہ:۔ میں بہ قسم کہتا ہوں حضرت امیر معاویہؓ کا مقام تو بہت بلند ہے۔ حضرت معاویہؓ کے گھوڑے کی ناک کا وہ غبار جو رسول اللہ ﷺ کی معیت میں جہاد کے وقت اسکی ناک میں پہنچا سینکڑوں عمر بن عبدالعزیز سے بہتر ہے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے فضائل وکمالات اپنی جگہ سب مسلّم ہیں۔ لیکن وہ حضورِ اکرم ﷺ کی معیت کی دولت کہاں سے لاسکیں گے؟

اخلاص کے دو اثر ہوتے ہیں

اخلاص کے دو اثر ہوتے ہیں ایک آخرت میں وزن بڑھنے کا، دوسرے نقد ثمرہ دنیا میں مخاطب پر اثر انداز ہونے کا، تجربہ شاہد ہے کہ اخلاص کے ساتھ جو بات کہی جاتی ہے وہ مؤثر و مفید ہوتی ہے اور تلخ بھی ہوتی ہے تو ناگوار نہیں ہوتی۔ اختلاف کی صورت میں جنگ وجدال اور معرکہ آرائیوں کا بڑا سبب اخلاص کی کمی یا اسکا فقدان ہے۔

اخلاص نہ ہونے کا نتیجہ

اگر بات اخلاص کے ساتھ کہی جاتی ہے تو اسکا انداز محبت، ہمدردی اور دل سوزی کا ہوتا ہے اور اخلاص نہ ہو تو بات وہی ہوتی ہے لیکن انداز توہین آمیز ہو جاتا ہے جس کا نتیجہ افتراق وانتشار اور جنگ وجدل کے سوا کچھ نہیں نکلتا۔

مؤطا امام مالکؒ میں حضرت عیسیٰؑ کا ایک قول مذکور ہے:

الناس مبتلی و معافی فارحموا مبتلی و سئلوا الله العافیه۔

”کچھ لوگ بیمار ہیں اور کچھ عافیت میں ہیں، پس بیمار پر رحم کھاؤ اور اللہ تعالیٰ سے عافیت طلب کرو۔“ یہ حکیمانہ ہدایت نامہ ہے کہ اگر کسی کو بیمار دیکھو برے اعمال میں مبتلاء پاؤ تو اسکو اس بیماری اور اعمال بد سے بچانے کی کوشش پورے ہمدردی دل سوزی اور لگن کے ساتھ کرو اور ایسے ایسے طریقے سے کرو کہ مریض تنگدل پریشان اور بیزار نہ ہو۔ اس کو بیمار اور خود کو صحت مند دیکھکر اپنے آپ کو افضل نہ سمجھو، اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو کہ اُس نے محض اپنے فضل سے تمہیں اُس بری عادت میں مبتلاء نہیں کیا۔

حق بات کس صورت میں مؤثر ہوتی ہے

خلاصہ یہ ہے کہ اگر دعوت میں اخلاص ہوگا تو خود بخود داعی غور وفکر کر کے اپنی بات ایسے انداز میں پہنچانے کی سعی کرلے گا جو مخاطب کے قلب پر اثر انداز ہو۔ انبیائے مرسلین کا

طریق اخلاص اور ہمدردی کے ساتھ اصلاح کرنا ہے اور اصلاح اس طریق کے سوا ممکن ہی نہیں ہے۔

حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ میرے استاد اور میرے پھوپی زاد بھائی تھے وہ فرمایا کرتے تھے کہ حق بات، حق نیت سے، حق طریق سے کہی جائے تو ضرور مؤثر ہوتی ہے۔ جہاں بات مؤثر نہیں ہوتی وہاں ان تین باتوں میں سے کسی بات کی کمی ہوتی ہے۔ اگر ان رعایتوں کے ساتھ اصلاح کی کوشش کی جائے گی تو انشاء اللہ مؤثر ہوگی۔ مخاطب اثر قبول کر کے صحیح عمل کرے گا اور اگر مخاطب عمل نہ بھی کر سکا تو کم از کم یہ فائدہ لازمی ہے کہ اسکو صحیح علم ہو جاتا ہے۔

بڑے بڑے مقررین اور جادو بیان خطیب تقریریں کرتے ہیں۔ وقتی طور پر بڑے بڑے اجتماع ان کے تقریروں کو سنتے بھی ہیں۔ لیکن اکثر تقریریں ختم ہونے کے ساتھ ہی فضا میں تحلیل ہو جاتی ہے اور بعض اللہ کے نیک بندے نہ تقریر کرنا جانتے ہیں نہ ان کو خطابت کے انداز آتے ہیں۔ سیدھی سادھی مختصر بات کہتے ہیں اور وہ دلوں میں اتر کر ہزاروں انسانوں کی زندگی میں انقلاب پیدا کر دیتی ہے۔ اخلاص عمل کے راستہ میں نام ونمود، جذبہ شہرت، اظہار علم، مالی منفعت وغیرہ رکاوٹ بنتے ہیں لیکن اگر انسان ان چیزوں کو اللہ تعالیٰ کی رضا کیلئے نظر انداز کر دے تو یہ فوائد مع زوائد کے اللہ تعالیٰ خود بخود حاصل کرا دیتے ہیں۔ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کیلئے دنیا کو ٹھوکر مار دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ دنیا کو اُنکے قدموں میں تابع بنا کر ڈال دیتے ہیں۔ بس اسی پر ختم کرتا ہوں۔ دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اخلاص کی دولت عطا فرمائے اور ہم سے اپنے دین کی خدمت اخلاص کے ساتھ لے ...... آمین

(از البلاغ)

☆☆☆

اسلام میں عورت کے حقوق

شیخ الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ
مہتمم دارالعلوم دیوبند

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم ...... اما بعد

دنیا کی اقوام نے عورت کی تذلیل کی اور اسلام نے اسے مقام بخشا

عورت بہت زیادہ کمزور ہے اور مرد کو اللہ پاک نے قوت بخشی ہے، عورت میں وہ قوت نہیں ہے، نہ معنوی قوت اتنی ہے، نہ ظاہری۔ بدن کے اعتبار سے بھی عورت بنسبت مرد کے کمزور ہے اور اندرونی قوتوں عقل وفراست دونوں کے لحاظ سے بھی مرد سے کمزور ہے۔ تو یہ ایک ناتواں اور ضعیف صنف ہے۔ اسلام نے اس کو اتنا ابھارا، اتنا سہارا دیا کہ اسے احساس پیدا نہ ہوں کہ میں کمزور ہوں۔ شروع سے ابھارنا شروع کیا۔

عورت پر تین ہی حالتیں گزرتی ہیں، ایک اس کا بچپن ہے جب وہ اولاد کے درجے میں ہوتی ہے، ماں باپ سرپرست ہوتے ہیں۔ دوسرا درجہ جوانی کا ہے جب اس کا نکاح ہوجاتا ہے تو خاوند کے ماتحت آجاتی ہے اور تیسری حالت یہ ہے کہ اسکی اپنی اولاد سامنے ہو۔ تو ایک خود بیٹی ہے اور ایک بیٹوں کی ماں بن جائے اور خاوند کی بیوی بنے۔ ان تینوں حالتوں کے اندر اسلام نے اسے ابھارا ہے۔

جب وہ خود بیٹی ہو تو حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ لڑکے تمہارے حق میں نعمتیں ہیں ان پر شکر کرو۔ اور لڑکیوں کے بارے میں کہا گیا کہ یہ تمہاری نیکیاں ہیں۔ گویا نعمت کے اوپر شکر واجب ہے، کفرانِ نعمت کروگے سزا ملی گی۔ اور لڑکی کو کہا گیا کہ یہ ماں باپ کی حسنات میں

داخل ہے۔نیکیاں جنت میں پہنچاتی ہیں تو یہ تمہیں جنت میں پہنچانے کا ذریعہ بنیں گی۔اس لڑکی کے اوپر محبت و شفقت زیادہ مبذول کی گئی۔تاکہ لڑکوں کے نسبت لڑکیوں پر ماں باپ زیادہ شفقت کریں

اندازہ کیجئے لڑکوں کو نعمت اور لڑکیوں کو نیکی کہا گیا تو جیسے ہر نیکی پر توقع ہوتی ہے کی اجر ملے گا۔تو لڑکی کے ہونے پر اجر ملے گا۔لڑکے اگر دس بھی ہو جائیں اس پر اجر کا کوئی نہیں شکر کرو گے تو ٹھیک ہے۔نہیں کرو گے گردن نپے گی۔اور لڑکی اگر ہو گئی اور آدمی شکر کرے نہ کرے لیکن خود اسکا ہو جانا ایک مستقل نیکی ہے۔نامہ اعمال میں اجر لکھا جائے گا۔

حقیقت یہ ہے کہ اولاد میں گویا ماں باپ کے اوپر اس درجے میں احسان ہے کہ انکے نامہ اعمال کو اس نے نیکیوں سے بھر دیا اور شریعت کا منشاء یہ ہے کہ شفقت و رحمت لڑکی کی اوپر زیادہ مبذول ہونی چاہیئے۔غرض جب وہ بیٹی ہے تو شریعت نے اسکے ساتھ برتاؤ کیا۔

زیادہ قابل تکریم مسلمان

اور جب وہ منکوحہ ہو کر خاوند کے ماتحت آئی پھر شریعت نے یہ فرمایا کہ

"ان اکرم المؤمنین احسنکم اخلاقا والطفکم اھلا" تم میں سب سے قابل تکریم مسلمان وہ ہے جسکے اخلاق پاکیزہ ہوں اور بیویوں کے ساتھ لطف و محبت کرے۔سخت دلی کا برتاؤ نہ کرے اور سختی سے پیش نہ آئے،اگر ان سے کوئی زیادتی بھی ہو تو صبر و تحمل سے کام لے۔تو جب بیوی ہونے کی حالت ہے تو خاوند کو متوجہ کیا کہ یہ تیری سب سے زیادہ شفقت و محبت کی مستحق ہے۔

اور اسکی اپنی اولاد ہو جائے یعنی ماں بنے تو حدیث میں فرمایا گیا کہ اولاد کیلئے ماں کے قدموں کے نیچے جنت ہے۔جتنی ماں کی اطاعت کرے گا جنت اسکی قریب ہوگی،جتنی ماں کی نافرمانی کرے گا۔اتنی جنت بعید ہوگی۔اللہ کی رحمت سے دور ہوتا جائے گا۔معلوم ہوتا ہے کہ عورت کے سر پر حق تعالی کی رحمت مبذول ہوتی ہے کہ اگر اولاد ماں کے قریب ہو جائے تو

رحمت قریب ہو جاتی ہے۔

اور یہ کیسے لطف کے ساتھ فرمایا۔ یوں بھی فرما دیتے کہ عورت (ماں) کے ہاتھ کے نیچے یا نگاہوں کے نیچے جنت ہے۔ یہ نہیں فرمایا۔ فرمایا قدموں کے نیچے جنت ہے۔ گویا مطلب یہ ہے کہ قدم سب سے زیادہ کم درجے کی چیز ہوتی ہے۔ انسان کے بدن میں سب سے زیادہ کم رتبہ قدم ہوتے ہیں اور سب سے زیادہ بارتبہ سر ہوتا ہے۔ اولاد کو یہ تنبیہ کی گئی کہ تیرے حق میں اس کے قدم بھی بہت اونچا مرتبہ رکھتے ہیں۔ اگر تو ان قدموں پر ہاتھ رکھے گا تو جنت اسکی قدموں میں پائے گا۔ گویا انتہا درجے کی تکریم کی۔

عورت اقوامِ دنیا کی نظر میں

اور یہ اسلئے کہ دنیا کی اقوام نے عورت کو ذلیل کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی اسلام سے پہلے ایک زمانہ تھا جب کہ یہود کا غلبہ تھا۔ اب یہ ہم نہیں کہہ سکتے کہ ان کے مذہب کی چیز تھی یا نہیں تھی۔ غالب گمان یہ ہے کہ مذہب کی چیز نہیں تھی۔ قومی قانون بنایا گیا تھا۔ اس قومیت کے تحت یہ چیز تھی اور یونانیوں میں سب سے زیادہ تھی۔

وہ یہ کہ عورت پر ماں باپ کو اتنا استحقاق حاصل ہے کہ اسے چاہے باپ قتل کر دے چاہے اسے زندہ دفن کر دے، حتیٰ کہ مشرکین مکہ میں بھی یہ رائج تھی کہ عورت زندہ دفن کرتے گویا اس زمانے کے قانون نے انہی یہ حق دیا تھا کہ لڑکی کا گلا گھونٹ کر یا زندہ قبر میں ڈال دو، کوئی رکاوٹ ڈالنے والا نہیں کوئی عدالت انہیں سزا نہ دے سکتی تھی۔ یونانیوں کے ہاں یہ قانون تھا کہ خاوند جب کسی عورت سے نکاح کر لیتا تھا تو عورت باندی سے بھی کم رتبہ ہوتی تھی۔ ذرا سی کوتاہی اور نافرمانی پر اسے حق تھا کہ عورت کی گردن مار دے اور قتل کر دے۔ انتہا سے زیادہ سزا تھی یہاں تک کہ اگر عورت سے کوئی برائی ثابت ہو جائے تو گھوڑے کی ٹانگ میں رسی باندھ کر رسی کا ایک سرا عورت کی گردن میں باندھا جاتا تھا اور خاوند گھوڑے پر بیٹھ کر اسے دوڑاتا تھا۔ اور وہ بیچاری گھسیٹی جارہی تھی لہولہان ہو رہی ہے عورت سے یہ سلوک کر رکھا تھا۔ اسلام نے آکر عورت کا

رتبہ بلند کیا۔

اور یہ تو وہ زمانہ تھا جس کو جہالت کا زمانہ کہا جاتا ہے۔آج تمدن کا زمانہ ہے ابھی تقریباً دس پندرہ سال کا عرصہ ہوا ہے۔اخبارات میں خبر چھپی تھی کہ یورپ میں ایک کانفرنس منعقد ہوئی تھی کہ اس پر غور کیا جائے کہ عورت کی حیثیت کیا ہے؟ مختلف ممالک کے نمائندے جمع ہوئے جنہوں نے اس پر غور کرنا شروع کیا کہ اسکی پوزیشن کیا ہے؟ مختلف رائے ہوئیں بعض ملکوں کے نمائندوں نے کہا کہ ہماری رائے یہ ہے کہ عورت انسانیت میں داخل ہی نہیں انسان نام فقط مرد کا ہے عورت کا نام نہیں یہ کوئی اور جنس ہے جو مرد کے رحم و کرم پر ہے۔یہ ایک ملک والوں نے رائے دی۔پھر آراء میں اختلاف ہوتا رہا، بالآخر اس سب کا اتفاق ہوگیا کہ عورت مرد کی تفریح کا ایک آلہ ہے کھلونا ہے کہ مرد اس سے تفریح کر سکتا ہے اس سے زیادہ کوئی خاص پوزیشن عورت کی نہیں ہے۔اسکی تفریح کیوجہ سے قدر کرتے ہیں عورت کے مرتبے کی وجہ سے قدر نہیں کرتے۔چونکہ اپنی غرض متعلق ہے اس واسطے اسکی حفاظت کی جاتی ہے۔آلہ تفریح ہے اس لئے اسکو سجاتے ہیں جیسے لڑکیاں جب گڑیوں سے کھیلتی ہیں تو دلہن کو بڑے اچھے اچھے کپڑے پہناتی ہیں۔اسکو زیور بھی پہناتی ہیں اور بعض بے وقوف جب انکی آپس میں شادیاں کرتی ہیں دس دس روپے کا جہیز بھی اسے دیتی ہیں۔

یہ اسلئے نہیں ہوتا کہ ان کے دل میں گڑیا کی کوئی وقعت ہے وہ تو ایک کھلونا ہے اپنی تفریح طبع کیلئے اس گڑیا کو لباس پہنا کے سجا دیتے ہیں۔چونکہ عورت بھی تفریح کا آلہ ہے اس لئے اسکو سجادیا۔زیور پہنا دیا۔ورنہ اسکا کوئی خاص حق نہیں ہے۔

خاوند بلحاظ حقوق بیوی

لیکن اسلام نے آکر انکے برخلاف عورتوں کو حقوق دیئے۔اور فرمایا......

"ولهن مثل الذی علیهن بالمعروف" جو عورت پر خاوند کے حقوق واجب ہیں وہی خاوند پر عورت کے حقوق واجب ہیں۔وہ حقوق میں کمی کرے گا اسکو سزا دی جائی گی۔عورت

کرے گی اسے سزادی جائی گی۔

توزوجین میں نکاح کے بعد ازدواجی زندگی میں دونوں کا رتبہ حقوق کے لحاظ سے برابر قرار دیا۔ یہ الگ چیز ہے کہ عورت کی عقل میں چونکہ نقصان یا کمزوری ہے۔ اس واسطے زیر تربیت رکھا، تو یہ منصب کی بات ہے لیکن حقوق کے درجے میں دونوں کو برابر قرار دیا کہ عورت کے اوپر مرد کے حقوق ہیں تو عورت کے بھی ہیں۔

اگر عورت نافرمانی کرے تو مرد کو طلاق کا مالک بنایا گیا ہے۔ اگر مرد زیادتی کرے تو عورت کو خلع کا مالک بنایا گیا ہے۔ اگر اسلامی حکومت ہو تو عدالت میں قاضی کے ہاں درخواست دے سکتی ہے کہ میں خاوند کے ساتھ نباہ نہیں کرسکتی۔ نان ونفقہ خاوند پر واجب ہے وہ ادا نہیں کرتا حکومت اس کے اوپر جبر کریگی۔ اور اگر بالکل علیحدہ ہونا چاہیئے۔ تو علیحدہ بھی ہوسکتی ہے۔ جس کو خلع کہتے ہیں۔ وہ یہ کہ قاضی کے ہاں درخواست کرے گی قاضی خاوند کو بلا کر اس سے مواخذہ کرے گا۔ کہ تم نے حقوق کیوں ادا نہیں کیئے۔ اگر اس نے کچھ معقول جواب دیا تو فبہا۔ ورنہ قاضی کہے گا کہ نکاح فسخ کردے۔ یہ تیرے پاس نہیں رہنا چاہتی اگر فسخ نہیں کرے گا تو قاضی عورت کو طلاق دے دیگا۔ اور طلاق واقع ہو جائے گی۔ تو اس خلع کا مالک عورت کو بنایا گیا ہے۔ غرض اگر ایک طرف طلاق کی ملکیت مرد کیلئے رکھی تو خلع کی ملکیت عورت کیلئے رکھی۔ وہ مجبور ہو کر جدا ہونا چاہے، ہوسکتا ہے۔ یہ چاہے یہ بھی ہوسکتی ہے۔ معلوم ہوا کہ حقوق کے درجے میں مساوی قرار دیا۔

اسلام ھی نے عورت میں خدمت کا جذبہ رکھاھے

بعض چیزیں عورت اخلاقاً انجام دیتی ہے اور بعض چیزیں مرد بھی اخلاقاً انجام دیتا ہے لیکن عورت کیلئے واجب نہیں ہے جیسے مثلاً دودھ پلانا عورت کے ذمے واجب نہیں ہے وہ مرد سے کہہ سکتی ہے تو خرچ کر کے دودھ پلوا، میں دودھ نہیں پلا سکتی۔ عورت اولاد کے کپڑے سیتی ہے لیکن اگر وہ خاوند سے کہے کہ درزی سے سلواو میرے ذمے واجب نہیں ہے تو خاوند ہرگز مجبور نہیں کرسکتا۔

بہر حال شریعت میں اس قسم کی چیزیں رکھی گئی ہیں۔ کہ اگر اسکے حقوق ہیں تو اسکے بھی حقوق ہیں۔ یہ اسلام ہی نے اس کو ابھارا۔ تنگدست اور نازک صنف کو ابھارا جسکو دنیا کی اقوام نے پامال کر دیا تھا۔

غرض جاہل اقوام نے اس کے یہ حقوق بتائے کہ اسکی گردن مار سکتے تھے، اس کو ایذائیں پہنچا سکتے تھے اور متمدن اقوام یہاں تک پہنچیں کہ وہ تفریح کا ایک کھلونا ہے اس سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں۔ اسلام نے کہا کہ کھلونا نہیں بلکہ خانگی زندگی میں برابر کی حقدار ہے۔ جس طرح کہ خاوند کے انتقال کے بعد اسکی اولاد وارث ہوں گے، دوسرے اس کے وارث ہوں گے عورت کو وراثت پہنچے گی۔ جس طرح کہ عورت کے انتقال کے بعد خاوند کو وراثت میں حصہ ملتا ہے۔ عورت کو بھی خاوند کا وارث قرار دیا گیا۔

"ولهن مثل الذی علیهن بالمعروف"۔ جتنے عورتوں پر خاوند کے حقوق عائد ہوتے ہیں۔ اتنا ہی خاوندوں کے اوپر بھی عورتوں کے حقوق عائد ہوتے ہیں برابری اس حد تک رکھی گئی ہے۔ کہ عورت کوئی باندی اور مملوک نہیں۔ بلکہ شریکِ زندگی اور شریک حیات ہے۔

اسلام هی کمزوروں کو اونچا کرتا هے

میرے عرض کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اسلام کا خاص اصول ہے کہ کمزوروں کو ابھارتا ہے دبتے کو دباتا نہیں بلکہ دبے ہوئے کو اونچا کرنا چاہتا ہے۔ کمزوروں کو دباتا نہیں بلکہ اونچا بنانا چاہتا ہے۔ سب سے زیادہ کمزور صنف عورت تھی اسلام نے اسکی اوپر انتہائی رحم وکرم کیا کہ جب وہ بیٹی ہونے کی حالت میں ہے تو ماں باپ کی نیکیوں میں شمار کیا جارہا ہے۔ جب وہ منکوحہ بنی، تو خاوند سے کہا گیا تو قابل تکریم تب بنے گا جب عورت کے ساتھ نرمی اور مدارات کا برتاؤ کرے، جب وہ ماں بن گئی تو اولاد سے کہا کہ جنت ماں کی قدموں کی نیچے ہے۔ اگر قدم پر ہاتھ رکھے گا تو جنت کو قریب پائے گا۔ اگر تو نے ماں کو ستایا تو جنت قریب نہیں ہوگی۔ آخرت میں نجات نہیں ہوگی یعنی باپ سے زیادہ ماں کا حق قائم کر دیا۔ باپ کے بھی اولاد کے اوپر حقوق ہیں لیکن ماں

کے حقوق اس سے زیادہ ہیں۔

ماں کے حقوق باپ سے زیادہ ہیں

اوراس کی وجہ قرآن کریم نے ارشادفرمائی کہ عورت جتنی مصیبت اولاد کی پرورش میں اٹھاتی ہے باپ نہیں اٹھاتا۔باپ زیادہ سے زیادہ کماتا ہے تو کمانا اسکی طبعی بات ہے وہ ہرصورت کماتا ہے گویا وہ محنت محض بیوی کے لیے نہیں ہوتی وہ اپنے نفس کے لیے بھی ہوتی ہے اپنے عزیزوں کے لیے بھی ہوتی ہے لیکن عورت اولاد کے لیے جو محنت گوارا کرتی ہے وہ خاوند نہیں کرسکتا۔نو مہینے تو پیٹ میں اٹھاتی پھرتی ہے جس کوفرمایا گیا۔حملته امه کرھاً ووضعته کرھاً اورفرمایا گیا۔حملته امه وھناًعلی وھن وفصاله فی عامین ان اشکرلی ولوالدیك۔

تھک تھک کر،عاجز آ،آکرنو مہینے اسکو پیٹ میں اٹھاتی ہےاس کےاوپرایک بوجھ مگر برداشت کررہی ہے......پھراسکے بعدوضع حمل تواسکے بارے میں مثل مشہور ہے کہ جننااورمرنا برابرہوتا ہے گویااسکی زندگی کےلالے ہوتی ہے باقی اللہ بچاوے،تو بچاوے،ورنہ موتیں واقع ہو جاتی ہیں۔تو نومہینے وہ مصیبت اٹھائی اور جننے کی ایک مستقل مصیبت اٹھائی پھراسکے بعددوبرس اسکواپنا خون چساتا،دودھ پلاتا،یعنی اپنے بدن کےاجزاءاسکو پہنچانا یہ خاوند نہیں کرسکتا،بیوی کرتی ہے،ماں ہی کرتی ہے۔باپ نہیں کرسکتا۔

پھراگر بچے کوضد چڑ گئی کہ میں تو گود میں چڑ کرسوؤں گا۔تو عورت کوساری ساری رات گزرجاتی ہے کہ گود میں اٹھائے پھرے۔بچہ اگر بیمار ہےتو ماں اس سے پہلے بیمار ہوجاتی ہے اس کوالگ دکھ ہوتا ہے۔غرض باپ کی مجال نہیں ہے کہ یہ محنت برداشت کرے،وہ تو مجنون ہو کے نکل جائے۔

عورت میں جذبہ خدمت

اگر کہیں ایسا ہو کہ عورت یوں کہے کہ سال یا مہینہ بھرکیلئے خدمات کا تبادلہ کرلیں میں تیری خدمات انجام دوں اورتو بیٹھ کے بال بچے پال،تو ممکن نہیں۔دودن میں اسے جنون اور

پریشان ہو کے نکل جائے گا یہ عورت ہی کا حوصلہ ہے کہ وہ اس محنت کو برداشت کرتی ہے مرد برداشت نہیں کرسکتا۔

ایک کاشتکار اور اسکی بیوی کا واقعہ

ہمارے ہاں ایک کاشتکار کا قصہ مشہور ہے اور قصہ واقعی ہے فرضی نہیں ہے کہ وہ کاشتکار اپنے کھیت پر گیا۔ وہاں جا کے کھیت کیاری کے کام میں لگ گیا تو طریقہ یہ تھا کہ اسکی عورت ٹھیک بارہ بجے کھانا پکا کے لایا کرتی تھی۔ ایک دن اتفاق سے گھنٹہ ڈیڑھ دیر ہوگئی۔ کاشتکار کو غصہ چڑھا اس نے سینکڑوں باتیں بیوی کو سنائیں کہ تجھ سے کام نہیں ہوتا، اور تو سست ہوگئی ہے اور کم بخت تجھ سے کچھ نہیں نبھتا اور میں ہوتا تو یوں کرتا اور تو ایسی ہے تو ویسی ہے۔ بچاری سنتی رہی یعنی صبح سے شام تک لڑ کھپ کے بچوں کو الگ پالا، کھانا الگ پکایا، کھیت پر لے کر بھی گئی اتفاق سے اگر ذرا دیر ہوگئی تو خاوند نے سینکڑوں باتیں سنا دیں۔ خیر وہ غریب سنتی رہی۔ خاوند کی زبان سے نکلا کہ اگر میں اس کام میں ہوتا تو کبھی یہ بات نہ ہوتی۔ اس نے کہا اچھا پھر دو چار دن کیلئے خدمتوں کا تبادلہ کرلو۔ میں کھیت پر کام کروں گی تو گھر پہ رہ بچوں کو پال، اور بارہ بجے کھانا لیکر آجایا کرنا۔ اس نے کہا یہ کونسی بڑی بات ہے میں کرلوں گا اس نے کہا اچھا کل سے پھر یہی ہوگا۔

چنانچہ صبح کو اٹھتے ہی بیوی تو کھیت پر چلی آئی اور کھیتی کا کام شروع کر دیا اب یہ خاوند صاحب گھر لیٹتے رہے آنکھ کھلی تو ایک بچہ رویا۔ یہ اسے سنبھالنے کیلئے گئے تو ادھر سے دوسرا چلایا اسے پکڑنے کیلئے گئے تو تیسرا رویا ابھی اس سے نہیں نمٹے تھے کہ معلوم ہوا کہ گھر میں جو گائے بندھی ہوئی ہے اسکا بچھڑا رسہ چھڑا کر گائے کی دودھ پر جا کے لگ گیا۔ اسی دودھ پر گزراوقات تھی یہ جلدی سے بچھڑے کو سنبھالنے گیا۔ تو بچہ چارپائی سے نیچے گر پڑا، اب وہ چلا رہا تھا شور مچا رہا تھا یہ وہاں پہنچا بچھڑا جو وہاں پہنچا اور اس نے دودھ لیا گائے گھبرا کے بھاگی اور اسکی رسی چارپائی میں اٹک گئی تو چارپائی سمیت چولھے پر چڑھ گئی تو اب چارپائی چولھے کے اوپر رکھی ہوئی ہے بچہ وہاں پڑا ہوا ہے اور ایک بچہ ادھر چلا رہا ہے۔ اب اسے پریشانی ہے کہ بچوں کو سنبھالوں یا

بچھڑے کو سنبھالوں یا کھانا پکاؤں یا دودھ نکالوں کھڑا ہوا مجنون کی طرح ہر طرف دیکھ رہا ہے۔ یہاں تک کہ دس گیارہ بج گئے۔ وہ بیچاری کھیت کے اوپر محنت کر رہی تھی اسے توقع تھی کہ آج بارہ چھوڑ کر ساڑھے گیارہ بجے کھانا آجائے گا۔ اس لیے کہ مرد بہت قوی ہے خوب کام انجام دے گا جب بارہ چھوڑا ایک بج گیا اور کوئی نہ آیا اس نے کہا کہ کیا قصہ پیش آگیا۔ وہ آئی تو آکے دیکھا کہ ایک بچہ ادھر پڑا رو رہا ہے اور اُدھر رو رہا ہے اور چار پائی چولھے کے اوپر پڑی ہے اور گائے چولھے پر چڑھی ہوئی ہے۔ اور بچھڑا پڑا ہوا ہے نہ کھانا، نہ دودھ، نہ چارپائی نہ اپنے بچے، گھر میں کوئی چیز بھی ٹھکانے پر نہیں اور خاوند صاحب بیٹھے ہوئے ہیں۔

اس نے کہا کہ کیا بات ہے خاوند نے کہا کہ بس کچھ نہیں یہ تیرا ہی کام ہے میرے بس کا کچھ نہیں۔ پھر اس نے کھیتی کا کام شروع کیا اور عورت نے گھر کو سنبھالا۔

عورتوں کا حوصلہ

تو واقعہ یہ ہے کہ عورت کا بڑا حوصلہ ہے کہ گھر میں بچوں کو سنبھالنا کھانا پکانا گھر کا انتظام کرنا اور خاوند کے سارے معمولات اور خدمات کو انجام دینا۔ اگر خاوند کو چار خدمتیں سپرد کر دی جائے تو دیوانہ ہو جائے۔ یہ عورت ہی کر سکتی ہے چونکہ یہ چیز تھی اس واسطے شریعت اسلام نے اسکا رتبہ بلند کیا۔ باپ سے زیادہ اسکے حقوق بڑھائے مرد منصب کے لحاظ سے کتنا ہی بلند سہی لیکن حقوق کے لحاظ سے اتنا بلند نہیں ہے جتنے شریعت نے عورت کے حقوق قائم کیے ہیں۔

تو شریعت کا یہ خاص اصول ہے۔ ان نمن علی الذین استضعفوا فی الارض جو زمین میں کمزور اور ضعیف ہیں ہم ان کو ابھاریں گے ہمارا یہ اصول ہے کہ ان کو بلند و بالا کیا جائے تو عورت ضعیف اور نازک تھی اس لئے اسکو ابھارا۔

(از الفاروق)

بیعت کی شرعی حیثیت

تقریر......شیخ الاسلام والمسلمین
حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ

تقریر دل پذیر حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی رحمہ اللہ

اَلْحَمْدُلِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی

میرے محترم بھائیو اور بزرگو!

مجھ کو حکم کیا گیا ہے کہ میں کچھ بیعت اور سلوک طریقت کے متعلق عرض کروں۔ خیال ہے لوگوں کا کہ یہ چیز شریعت کے خلاف ہے اور اس چیز کی تعلیم آقائے نامدار حضرت محمد ﷺ نے نہیں کی اور چونکہ جو لوگ طریقت اور تصوف کے ذمہ دار ہیں ان کی حرکات وسکنات، ان کے افعال، شریعت کے خلاف پائے جاتے ہیں اس واسطے شبہ ہوتا ہے کہ یہ چیز جناب رسول اللہ ﷺ کے طریق اور تعلیم کے خلاف ہے۔ واقعہ یہ نہیں ہے بلکہ بیعت نام ہے عہد لینے کا۔

کتاب وسنت سے بیعت کا ثبوت

کسی شریعت کی بات کے لیے لوگوں سے عہد لیا جائے کہ وہ اس کام کو انجام دیں گے، خواہ پوری شریعت کا عہد لیا جائے یا کسی خاص مسئلہ کا عہد لیا جائے اس کو بیعت کہتے ہیں۔ جناب رسول اللہ ﷺ نے اس امر کو اللہ تعالیٰ کے حکم سے بہت سے مواقع میں انجام دیا ہے۔

بیعت جہاد

جناب رسول اللہ ﷺ نے حدیبیہ کی لڑائی کے وقت عہد لیا تھا لوگوں سے کہ اگر دشمنوں سے مقابلہ کی نوبت آئی تو وہ بھاگیں گے نہیں بلکہ جب تک زندہ رہیں گے دشمنوں کا مقابلہ کریں گے اور اگر اس کے اندر موت آجائے تو موت کو اختیار کریں گے۔اس کو سورۂ فتح میں قرآن شریف میں فرمایا گیا۔

لقد رضی اللہ عن المؤمنین اذ یبا یعونک تحت الشجرۃ فعلم ما فی قلوبھم
فَاَنْزَلَ السَّکِیْنَۃَ عَلَیْھِمْ وَاَثَابَھُمْ فَتْحًا قَرِیْبًا٥

''اللہ تعالیٰ مسلمانوں سے راضی ہوگیا جبکہ وہ درخت کے نیچے بیعت کررہے تھے رسول اللہ ﷺ کے دستِ مبارک پر بیعت کررہے تھے۔''

کس بات کی بیعت کررہے تھے؟ حضرت سلمہؓ ابن اکوع ؓ سے پوچھا گیا کہ تم نے حدیبیہ میں درخت کے نیچے کاہے پر بیعت کیا تھا؟ تو وہ کہتے ہیں ''علی الموت'' ہم نے بیعت کیا تھا موت کے اوپر موت کے اوپر بیعت ہونے کے یہ معنیٰ کہ ہم مرجائیں گے مگر بھاگیں گے نہیں۔ اللہ تعالیٰ اس میں بشارت دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ راضی ہوا اور ان کے دلوں کی باتوں پر مطلع ہوکر اس نے اپنی سکینت کو اور اطمینان کو ان کے دلوں میں ڈالا اور اس کے بدلے میں فتح مندی عطا فرمائی۔ یہ سورۂ فتح میں ''لَقَدْ رَضِیَ اللّٰہُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَایِعُوْنَکَ تَحْتَ الشَّجَرَۃِ بیعت کا ذکر کیا گیا، اسی طرح سے اللہ تعالیٰ سورۂ فتح ہی میں کہتا ہے۔

بیعت کی عظمت

اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰہَ ط یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْھِمْ فَمَنْ نَّکَثَ فَاِنَّمَا یَنْکُثُ عَلٰی نَفْسِہٖ وَمَنْ اَوْفٰی بِمَا عٰھَدَ عَلَیْہُ اللّٰہَ فَسَیُؤْتِیْہِ اَجْرًا عَظِیْمًا٥

اے محمد ﷺ جو لوگ تمہارے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں وہ اللہ سے بیعت کرتے ہیں، تمہارے سے عہد کرنا وہ اللہ تعالیٰ سے عہد کرنا ہے، جس شخص نے اپنے عہد کو پورا کیا اللہ تعالیٰ اس کو اجر دے گا، ثواب دے گا اور جو عہد کرکے توڑتا ہے وہ اپنے آپ کو نقصان پہنچاتا ہے۔

تو بیعت جناب رسول اللہ ﷺ کے دستِ مبارک پر کی گئی یہ بیعت تھی جہاد کی، غزوۂ حدیبیہ کی۔

قرآن شریف میں سورۂ ممتحنہ میں اور دوسری بیعت کرنے کا حکم دیا گیا۔

کبائر سے اجتناب پر بیعت

یٰاَیُّهَا النَّبِیُّ اِذَا جَآءَکَ الْمُؤْمِنٰتُ یُبَایِعْنَکَ عَلٰۤی اَنْ لَّا یُشْرِکْنَ بِاللّٰهِ شَیْئًا وَّلَا یَسْرِقْنَ وَلَا یَزْنِیْنَ وَلَا یَقْتُلْنَ اَوْلَادَهُنَّ وَلَا یَاْتِیْنَ بِبُهْتَانٍ یَّفْتَرِیْنَهٗ بَیْنَ اَیْدِیْهِنَّ وَاَرْجُلِهِنَّ وَلَا یَعْصِیْنَکَ فِیْ مَعْرُوْفٍ فَبَایِعْهُنَّ وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللّٰهَ ط

اے پیغمبر جب عورتیں تمہارے پاس آئیں اور وہ عہد کریں، بیعت کریں اس بات پر کہ شرک نہ کریں گی، چوری نہ کریں گی، زنا نہ کریں گی، اپنے بچوں کو قتل نہ کریں گی، زمانہ جاہلیت میں عادت تھی کہ اپنے بچوں کو مرد اور عورت ماں اور باپ قتل کر دیتے تھے اس وجہ سے کہ اس بچے کے پالنے میں خرچ بہت کچھ پڑے گا۔ ''خشیۃ املاق'' فاقہ کی وجہ سے اور اسی طرح کسی پر بہتان نہ باندھیں گی حضرت محمد ﷺ کے حکم کو پورے طرح سے انجام دیں گی، نافرمانی نہیں کریں گی تو حضرت محمد ﷺ کو حکم ہے کہ فَبَایِعْهُنَّ وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللّٰهَ کہ آپ بیعت کیجئے اور ان کے لیے استغفار کیجئے تو یہ بیعت اللہ تعالیٰ کے حکم سے جاری ہوئی۔ جناب رسول اللہ ﷺ ہجرت سے پہلے جبکہ مکہ معظمہ میں بارہ سرداروں سے انصار کے جمع ہوئے اور ان کو دین کی طرف تعلیم دی تو حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ جو انہیں سرداروں میں سے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہم کو حکم دیا کہ:

مختلف احکامِ شریعت پر بیعت کا حکم

بَایِعُوْنِیْ عَلٰی اَنْ لَّا تُشْرِکُوْا بِاللّٰهِ شَیْئًا وَّلَا تَسْرِقُوْا وَلَا تَزْنُوْا

مختلف چیزیں اسلام کی تعلیم فرمائیں اور رسول اللہ ﷺ کے مدد کرنے کی رسول اللہ ﷺ کے حفاظت کرنے کی مختلف چیزیں عہد میں لیں اور فرمایا کہ اگر تم میں سے کوئی شخص ان باتوں پر وفاداری کے ساتھ قائم رہا تو اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں جگہ دے گا اس کی مغفرت کرے گا اور اگر کوئی شخص خلاف کرے گا اور دنیا میں اس کو سزا ملی تو آخرت کی سزا اس پر سے اُٹھ جائے گی اور اگر اس نے نافرمانی کی

اور سزا نہیں دی گئی دنیا میں تو اللہ تعالیٰ چاہے تو سزا دے چاہے معاف کرے تو اس قسم کے بہت سے واقعات میں جناب رسول اللہ ﷺ نے بعض خاص باتوں پر بیعت لی ہے اور کبھی کبھی عام باتوں پر، پوری شریعت پر بیعت لی ہے، بیعت کی تعلیم قرآن شریف میں اور احادیث میں بہت تفصیل کے ساتھ ذکر کی گئی ہے، جناب رسول اللہ ﷺ نے بعض اصحاب سے اسی پر بیعت لی تھی کہ وہ کسی سے کوئی چیز مانگے گا نہیں، سوال نہیں کرے گا تو عادت تھی اس صحابی کی کہ اگر گھوڑے پر سوار ہوا اور اس کا کوڑا اگر گیا تو کوڑا بھی کسی دوسرے سے نہیں اُٹھواتا تھا، بلکہ گھوڑے سے اتر کر کے اپنے کوڑے کو اٹھاتا تھا۔ حضرت جریر بن عبداللہ البجلی ؓ فرماتے ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ ﷺ نے بیعت لی اس بات پر کہ ہر مسلمان کی خیر خواہی کریں گے تو ہمیشہ ہر چیز میں جس مسلمان کو ضرورت سمجھتے تھے خیر کی نصیحت کرتے تھے تو بیعت کوئی نئی چیز نہیں ہے قرآن میں، احادیث میں بہت سے واقعات کو ذکر کیا گیا ہے، بیعت اُسی وقت سے جاری ہے۔ اب اسی بیعت ہی میں سے یہ بیعت ”طریقت“ کی ہے جو کہ جناب رسول اللہ ﷺ کے زمانے سے آج تک چلی آتی ہے۔ بیعت اس بات پر کرنا کہ شریعت پر مضبوطی سے چلیں گے اور جن چیزوں سے شریعت نے منع کیا ہے اس سے بچیں گے اور اللہ تعالیٰ کے ذکر اور اطاعت میں پوری توجہ سے کام لیں گے، اسی کو بیعت طریقت کہا جاتا ہے، جو کہ اس زمانہ سے برابر چلی آتی ہے۔ بیعت کے طریقے تمام زمانے میں جاری رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے خاص خاص بندوں نے مسلمانوں سے عہد لیے ہیں یہ جو پیری مریدی کہی جاتی ہے یہ حقیقت میں وہی بیعت کا طریقہ ہے۔

بیعت لینے کا مستحق

بیعت کرنا ہر شخص کا حق نہیں ہے، جو شخص شریعت کا پابند ہو، بدعات سے اور فسق وفجور سے بچتا ہو اور اس نے کسی ولی اور مرشد کے پاس رہ کر کے نسبت باطنی حاصل کی ہو، فقر وفاقہ کو اختیار کیا ہو، اس کے ہاتھ پر زمانہ سابق میں بیعت کی جاتی تھی اور وہی مستحق ہے بیعت لینے کا۔ تمام صحابہ ؓ میں خاص خاص لوگ بیعت لیتے تھے، خلفائے راشدین ؓ اور خصوصاً حضرت علی ؓ سے یہ سلسلہ زیادہ چلا ہے۔

شیخ یا پیر کا مطلب

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ اور پھر ان کے خلفاء برابر یہ بیعت لیتے رہے، جو لوگ بیعت لیتے تھے ان کو پیر کہا گیا، پیر کے معنی لغت میں بڈھے کے ہیں، عربی میں اُس کو شیخ کہتے ہیں، چونکہ معمر آدمی جو کہ زیادہ دنوں تک اس نے خداوند کریم کی اطاعت، رسول اللہ ﷺ کی اطاعت میں وقت گزارا ہو، وہ ہی اس امر کا مستحق ہوتا ہے کہ وہ دوسروں سے عہد لے تو اس واسطے اس کو عربی میں شیخ، فارسی میں پیر کہا گیا وہ شخص تجربہ کار ہوتا ہے وہ شخص اللہ تعالیٰ کی اطاعت وفرمانبرداری میں عمر گزارے ہوئے ہوتا ہے تو اس کو پیر کہا جاتا تھا۔ پیر کوئی خاص آدمی کا نام نہیں ہے، کسی خاص نسب کا نام نہیں ہے، کسی خاص طریقہ کے کرنے والے کا نام نہیں ہے۔ جو شخص شریعت کا پابند ہو اور عرصہ دراز تک اس نے ریاضتیں کی ہوں ذکر کیا ہو، اللہ تعالیٰ سے تعلق پیدا کیا ہو، دنیا پر ریجھنے والا نہ ہو، اس قدر عبادت کی ہو کہ اس کے اندر نسبت اللہ تعالیٰ سے پوری پیدا ہوگئی ہو، اسی سے وہ شریعت پر بیعت لینے کا مستحق ہے، وہی پیر اور شیخ ہوتا تھا۔

سچے اور جھوٹے پیر

مگر عرصہ زمانہ گزر جانے کے بعد جس طرح ہر جماعت میں کھوٹے اور کھرے ہوتے ہیں علم ظاہر میں اور دوسری جماعتوں میں بھی کھوٹے اور کھرے ہوتے ہیں، اسی طرح سے طریقت کے اندر بھی کھوٹے اور کھرے پائے جاتے ہیں، جو شخص شریعت کے اوپر نہ چلتا ہو جناب رسول اللہ ﷺ کی سنت کا تابعدار نہ ہو وہ شخص بیعت لینے کا، پیر بننے کا کسی طرح حق نہیں لے سکتا، قرآن شریف میں فرمایا گیا:

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ ۝

"اے ایمان والو! خدا سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ رہو۔"

تو پیر بنایا جاتا ہے سچا جو کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ بھی سچا ہو اور اللہ تعالیٰ کے بندوں کے ساتھ بھی سچا ہو جس کے اندر، دغل، فسل، مکر، حیلہ وغیرہ نہ پایا جاتا ہو اللہ تعالیٰ کی سچی تابعداری کرتا ہو، اس کو کہا گیا كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ ان کے ساتھ ہو۔ قرآن شریف میں فرمایا گیا۔

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْآ اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ وَجَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ○

اے ایمان والو! تقویٰ اختیار کرو، ڈرو اللہ تعالیٰ سے اور اللہ تعالیٰ کی طرف وسیلہ ڈھونڈو۔

وہ شخص جو تمہارے لیے ذریعہ ہو اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کا، اللہ تعالیٰ کو خوش کرنے کا، اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کو حاصل کرنے کا، اسی کو مرشد کہتے ہیں۔ وَابْتَغُوْا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ میں محققین کی رائے یہی ہے تفسیر میں، کہ مراد ہے مرشد، جس کو پہلی آیت میں کہا گیا کُوْنُوْا مَعَ الصَّادِقِيْنَ پہلے ایمان ذکر کیا گیا تو اس کے بعد تقویٰ ذکر کیا گیا ان دونوں کے بعد اس جگہ وسیلہ یعنی مرشد کا تلاش کرنا اور اس کے حکم پر چلنا، یہ تیسرا حکم وَابْتَغُوْا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ کا ذکر کیا گیا۔

ریاضت واشغال تصوف کا ثبوت

وَجَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِهٖ چوتھا حکم ذکر کیا گیا کہ اللہ کے راستے میں کوشش کرو، جہاد کرو، نفس کے خلاف کرو، اپنی راحت کے خلاف کرو، تو یقیناً وَابْتَغُوْا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ ایمان اور تقویٰ کے بعد کوئی زائد چیز ہے اسی کو مرشد کو تلاش کرنا اور اس کے حکم پر چلنا اور پھر اللہ کے راضی کرنے کے لیے ہر قسم کی جدوجہد کرنا اس آیت میں ذکر کیا گیا تو یہ جو طریقت کے تصوف کے احکام ہیں کوئی نئی چیز نہیں بلکہ پرانی ہے اور اسی زمانے سے چلی آتی ہے، تصوف کے جو اعمال ہیں ذکر وغیرہ ریاضتیں یہ چیزیں بھی اسی زمانے سے چلی آتی ہیں جَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِهٖ فرمایا گیا، جہاد کہتے ہیں زیادہ کوشش کرنا، جدوجہد کرنے کا نام ہے، آقائے نامدار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت جبرئیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حدیث میں ذکر کیا ہے۔

حدیث جبریل علیہ السلام (سلوک واحسان)

صحابہ کرام ﷺ کہتے ہیں کہ ایک روز جناب رسول اللہ ﷺ مجمع میں بیٹھے ہوئے تھے، ایک شخص آیا جس کو ہم میں سے کوئی پہچانتا نہیں تھا، اس کے کپڑے نہایت سفید اور صاف وشفاف تھے مگر ہم میں سے کوئی اس کو پہچانتا نہ تھا، وہ آ کر کے جناب رسول اللہ ﷺ کے سامنے قریب گھٹنے سے گھٹنا ملا کر بیٹھ گیا، ہم نے تعجب کیا، کیونکہ اگر وہ باہر سے آیا ہوتا تو کپڑے اس کے میلے ہوتے، گرد وغبار سے اس کے بال

بھرے ہوئے ہوتے، کپڑوں میں میل کچیل ہوتا۔ اس کے بال نہایت صاف اور سیاہ تھے اور کپڑے بھی سفید تھے۔ ہم تعجب کرتے تھے، اس نے پوچھا جناب رسول اللہ ﷺ سے کہ حضور ﷺ ایمان کس کو کہتے ہیں؟ تو رسول اللہ ﷺ نے ایمان کی تعریف بتلائی:

اَنْ تُؤْمِنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَتُؤْمِنَ بِالْقَدْرِ خَيْرِهٖ وَشَرِّهٖ

او کما قال علیہ الصلوٰۃ والسلام آپ ﷺ نے فرمایا کہ ایمان یہ ہے کہ تو اللہ تعالیٰ کی تصدیق کرے، یقین کرے اللہ پر، اس کے رسول پر، اس کے فرشتوں پر، اس کے اور رسولوں پر، کتابوں پر اور قیامت کے دن پر اور تقدیر پر، اس کے بعد اس نے کہا یا رسول اللہ ﷺ مَا الْاِسْلَامُ؟ اسلام کس چیز کا نام ہے؟

اسلام کیا ھے؟ ما الاسلام؟ اسلام کس چیز کا نام ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ:

اَنْ تَشْهَدَ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَتُقِيْمَ الصَّلٰوةَ وَتُؤْتِيَ الزَّكٰوةَ وَتَصُوْمَ رَمَضَانَ وَتَحُجَّ الْبَيْتَ اِنِ اسْتَطَعْتَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا

اسلام اس کا نام ہے کہ گواہی دو اور کہو اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ اور نماز کو قائم کرو، زکوٰۃ کو ادا کرو، رمضان کا روزہ رکھو اور خانہ کعبہ کا، بیت اللہ کا حج کرو، اگر تمھارے پاس طاقت ہے وہاں پہنچنے کی، اس کے بعد اس نے کہا:

احسان کیا چیز ھے؟ یا رسول اللہ ﷺ مَا الْاِحْسَانُ احسان کیا چیز ہے۔ قرآن میں بہت سی جگہوں میں احسان کا ذکر کیا گیا ہے۔ قرآن میں فرمایا گیا اِنَّ رَحْمَةَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ **من المحسنين**

"اللہ تعالیٰ کی رحمت احسان کرنے والوں سے بہت قریب ہے۔"

اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِيْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ فرمایا جاتا ہے:

اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے ساتھ ہے جو کہ پرہیز کرتے ہیں اور جو احسان عمل میں لاتے ہیں،

وَيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا بِالْحُسْنٰى: جن لوگوں نے احسان کیا اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ بھلائی کرے گا۔

هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ: اس طرح سے بہت سی آیتوں میں احسان کی بڑی **تعریف**

کی گئی ہے اور بڑے وعدے کئے گئے ہیں۔ تو اب وہی پوچھتا ہے کہ یا رسول اللہ ﷺ مَا الْاِحْسَانُ احسان کس چیز کا نام ہے؟ تو آقائے نامدار ﷺ فرماتے ہیں:

اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ فَاِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَاِنَّهٗ يَرَاكَ

احسان: اس چیز کا نام ہے کہ تم خدا کی عبادت ایسی طرح سے مکمل کرو، اس طرح سے اس کے اندر خشوع اور خضوع کو انجام دو (کہ جیسے) گویا کہ تم اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہے ہو۔ مزدور، نوکر، غلام جب اپنے آقا کو، مالک کو دیکھتا ہے تو اس کی اطاعت اور فرمانبرداری میں کسی قسم کی کوتاہی نہیں کرتا اور جب کوئی کام کرتا ہے اور آقا اس کے سامنے نہیں ہے تو نہایت بے توجہی سے کرتا رہتا ہے۔

تو احسان کی تعریف آقائے نامدار علیہ الصلوٰۃ والسلام یہ فرماتے ہیں کہ ہر عبادت میں تم اس طرح سے تکمیل کرو، اس قدر خشوع اور خضوع کا لحاظ کرو جیسے کہ تم اپنے آقا اور مالک کو دیکھنے کے وقت میں ادا کرتے ہو۔ یہ احسان ہے۔ اگر تم کو یہ شبہ ہو کہ اللہ تعالیٰ کو ہم تو نہیں دیکھتے یہ کیسے ہو سکتا ہے تو اس کو فرمایا گیا۔ فَاِنَّهٗ يَرَاكَ تم اگرچہ نہیں دیکھتے ہو مگر اللہ تعالیٰ تو ہر حالت میں تم کو دیکھتا ہے تو اپنے مالک کی موجودگی میں جو غلام جو نوکر، جو مزدور، تکمیل کرتا ہے کام کی، وہ تو اسی وجہ سے کرتا ہے کہ آقا دیکھ رہا ہے، اللہ تعالیٰ ہر حالت میں تم کو دیکھتا ہے، کسی وقت میں بھی تم خدا کے علم سے، اس کے دیکھنے سے اُوجھل نہیں ہو سکتے۔

احسان کی فضیلت

تو بہرحال یہ احسان بڑا اعلیٰ درجہ کا مرتبہ ہے، اسی کو تیسرے سوال میں حضرت جبریل علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا۔ اس احسان کو قرآن میں جیسا میں نے چند آیتیں عرض کیں، بڑی تعریف کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے: لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ جن لوگوں نے احسان کو انجام دیا ان کے ساتھ (میں) اللہ تعالیٰ نہایت عمدہ ثواب دے گا اور زیادتی دے گا۔ تو اسی احسان کے حاصل کرنے کے واسطے تمام تصوف کا مدار ہے آقائے نامدار ﷺ کے زمانہ میں یہ احسان حضرت محمد ﷺ کی مجلس میں (حاضر ہونا) ایمان کے ساتھ حاضر ہونے سے یہ بات حاصل ہو جاتی تھی۔ جناب رسول اللہ ﷺ کی روحانی طاقت اس قدر قوی تھی کہ جو شخص آپ کے سامنے اخلاص کے ساتھ، ایمان کے ساتھ حاضر ہوا، اس کے

قلب کے اوپر ایسا اثر پڑتا تھا کہ ماسوا اللہ۔ اللہ کے سوا جو چیزیں بھی ہیں، سب کو بھول جاتا تھا اور اللہ تعالیٰ ہی کی طرف متوجہ ہو جاتا تھا۔

حضرت حنظلہ ؓ کا واقعہ

حضرت حنظلہ ؓ، جناب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں کئی روز حاضر نہیں ہوئے، جناب رسول اللہ ﷺ کی عادت تھی کہ اپنے لوگوں کو خاص طور پر یاد رکھتے تھے، ایک وقت نہیں آئے دو وقت نہیں آئے تو آپ ﷺ نے پوچھا کہ مَا فَعَلَ حَنْظَلَۃُ حنظلہ کا کیا حال ہے؟ لوگوں کو کچھ معلوم نہیں، حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے فرمایا کہ میں ابھی خبر لاتا ہوں، گئے، گھر میں پوچھا گھر والوں سے کہ حنظلہ ؓ کہاں ہیں؟ بیوی نے جواب دیا کہ وہ کوٹھڑی میں بیٹھے ہوئے ہیں، انہوں نے پوچھا خیریت سے تو ہیں، کہا خیریت سے تو ہیں مگر سر جھکائے بیٹھے ہیں، حضرت ابوبکر صدیق ؓ اجازت لے کر گھر میں داخل ہوئے، جا کر دیکھا کہ حضرت حنظلہ ؓ سر جھکائے ہوئے بیٹھے ہیں اور رو رہے ہیں تو انہوں نے جا کر کے پوچھا کہ بھائی کیا حال ہے؟ تو انہوں نے بتلایا کہ "نَافَقَ حنظلۃُ" حنظلہ تو منافق ہو گیا۔

حضوری اور غیبت میں فرق

کہا کیا بات ہے کیسے منافق ہو گئے؟ کہا کہ ہم جناب رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوتے ہیں رسول اللہ ﷺ آخرت کا، جنت کا، دوزخ کا، قیامت کا ذکر کرتے ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہماری آنکھوں کے سامنے جنت موجود ہے، دوزخ موجود ہے، آخرت کی چیزیں موجود ہیں، ہمارا دل اللہ تعالیٰ ہی کی طرف متوجہ ہوتا ہے، وہاں سے جب آتے ہیں، گھر میں آئے تو بال بچوں سے، بیوی سے، ان لوگوں سے میل جول ہوا تو وہ حالت جاتی رہتی ہے، یہ تو نفاق ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے کہا کہ یہ حالت تو میری بھی ہے۔ وہ بھی رونے لگے، تھوڑی دیر تک دونوں روتے رہے، اس کے بعد حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے فرمایا کہ ہمارے لیے تمام باتوں کا حل کرنے والا ہمارے آقا حضرت محمد ﷺ ہیں، چلو یہاں بیٹھنے سے کچھ نہیں ہوتا رونے دھونے سے کچھ نہیں ہوتا چلو آقائے نامدار علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اپنی حالت عرض کریں، ان کی سمجھ میں آئی۔ دونوں حاضر ہوئے، جناب رسول اللہ ﷺ کے سامنے

تمام بات عرض کی تو آقائے نامدار ﷺ فرماتے ہیں کہ تم جیسے کہ میری حضوری میں ہوتے ہو، میری مجلس میں ہوتے ہو، اگر اسی طرح تم ہر وقت میں رہو تو تمہارے بستروں پر فرشتے آکر تم سے مصافحہ کیا کریں دونوں حالت علیحدہ علیحدہ ہیں، میری موجودگی میں، میری مجلس میں، تمہاری اور حالت ہے اور مجھ سے جدا ہونے کے بعد تمہاری اور حالت ہے، جیسے سورج کے سامنے جو چیز آئے گی وہ چمکدار ہو جائے گی، اس پر روشنی پڑ جائے گی، اس پر دھوپ اور نور آجائے گا اور جہاں علیحدہ ہوئے تو وہ روشنی جاتی رہی، آقائے نامدار ﷺ کی مجلس میں جو بھی آنے والے تھے، سچائی کے ساتھ، ان کے دلوں کی میل کچیل، غفلت، دنیا پرستی، نفس پرستی جاتی رہتی تھی، جہاں مجلس سے علیحدہ ہوئے تو اس میں کمی ہو جاتی تھی۔

حضور ﷺ کے چار بڑے کام

مگر آقائے نامدار ﷺ کے لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ

چار بڑے بڑے کام آقائے نامدار ﷺ انجام دیا کرتے تھے، اس امر کو (تین یا) چار جگہ قرآن شریف میں ذکر کیا گیا ہے، ایک تو یہ کہ قرآن کی آیتیں جو اترتی ہیں وہ سناتے رہتے ہیں اور دوسرے يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ اللہ تعالیٰ کے کلام کو سکھلاتے ہیں، معانی بتلاتے ہیں، (اور تیسرے) وَالْحِكْمَةَ حکمت کی باتیں بتلاتے ہیں، یہ حکم کیوں ہوا؟ اس حکم میں کیا مصلحت ہے؟ اس حکم سے کیا کیا نتیجے پیدا ہوں گے؟ یہ حکمت کی باتیں آقائے نامدار ﷺ سکھلاتے تھے، وَيُزَكِّيْهِمْ چوتھا کام یہ تھا کہ ان کی میل اور کچیل کو دور کرتے تھے، تزکیہ کرتے تھے، پاک اور صاف کرتے تھے۔

حضور ﷺ کی صحبت کا اثر

دلوں پر، روح کے اوپر جناب رسول اللہ ﷺ کی روحانی اور قلبی طاقت کا اثر ایسا پڑتا تھا کہ دلوں کی میل کچیل، غیر اللہ کی محبت، دنیا کی محبت اور ہر قسم کی برائی جاتی رہتی تھی، کسی کو کم کسی کو زیادہ، مگر آقائے نامدار ﷺ کی صحبت کا یہ اثر تھا۔ حضرت انس ؓ فرماتے ہیں کہ جب جناب رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ میں داخل ہوئے تو ہر چیز ہم کو روشن نظر آتی تھی، یہاں تک معلوم ہوتا تھا کہ دیواریں بھی روشن ہو گئیں اور

جب تک آقائے نامدار ﷺ رہے، یہی ہر چیز میں روشنی معلوم ہوتی تھی اور فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ کو دفن کرنے کے بعد ہم نے ابھی تک مٹی اپنے ہاتھوں سے جھاڑی نہیں تھی کہ ہم نے اپنے دلوں کو اوپرا دیکھا۔

قال لما كان اليوم الذی دخل فيه رسول الله ﷺ المدينة اضياء منها كل شئی فلما كان اليوم الذی مات فيه اظلم منها كل شئی وما لفقنا ايدينا عن التراب وانا لفی دفنه حتیٰ انكرنا قلوبنا

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

حضور ﷺ کے زمانہ میں حصولِ احسان کا طریقہ

(تو) آقائے نامدار علیہ الصلوٰۃ والسلام تو ایک روحانیت کے آفتاب تھے جو بھی آپ کی مجلس میں حاضر ہوا اس کے دل کی حالت اور ہو گئی اور اسی وجہ سے تمام اہل سنت والجماعت کا متفقہ مسئلہ ہے کہ صحابی چاہے آپ کی خدمت میں چند منٹ ہی رہا جو اسلام کے ساتھ آقائے نامدار ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہو وہ بعد کے آنے والے بڑے سے بڑے ولی سے، بڑے سے بڑے متقی سے، بڑے سے بڑے پرہیزگار سے افضل اور اعلیٰ ہے، کوئی بعد کا آنے والا ولی صحابی کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتا، متفق علیہ مسئلہ ہے، کیونکہ جناب رسول اللہ ﷺ کی روحانی طاقت بجلی سے بھی زیادہ تر قوت رکھنے والی تھی، دلوں کو، دماغ کو روشن کرنے والی تھی، اس واسطے اس قوت میں بڑی بڑی ریاضتوں کی ضرورت نہیں پڑتی تھی، بس ضرورت اس بات کی تھی کہ آقائے نامدار ﷺ کی مجلس میں اخلاص کے ساتھ حاضر ہو جائے، مگر جیسا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ آپ ﷺ کی جدائی کے بعد وہ طاقت باقی نہ رہی اگرچہ زمانہ ہے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اور ان لوگوں نے روشنی روحانی آقائے نامدار ﷺ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے حاصل کی ہے۔

حضور ﷺ کے زمانہ کے بعد حصول احسان کا طریقہ

مگر آپ کے اوجھل ہو جانے کی وجہ سے ان کی قوتوں سے کمی ہوتی گئی اسی طرح جتنا بھی زمانہ دور

ہوتا گیا اسی قدر روحانی اور قلبی روشنی کے اندر، صفائی کے اندر کمی ہوتی گئی تو جس طرح سے برتن کے صاف کرنے میں مانجھنے میں اگر اس کے اوپر میل کچیل کچھ کم ہو تو معمولی طور سے مانجھنے سے وہ زنگ دور ہوتا ہے اور زیادہ ہو تو پھر ریتے سے مانجھنے سے اور مختلف طریقوں سے مانجھا جاتا ہے تب جا کر کے صاف ہوتا ہے تو وہی احسان حاصل کرنا تصوف کا مقصد ہے۔

تصوف کا مقصد: تصوف سے کوئی نئی چیز حاصل کرنا مقصد نہیں ہے۔ جس چیز کو حضرت جبریل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حدیث میں ذکر کیا گیا ہے وہی مقصد ہے مگر زمانے کے دور ہونے کی وجہ سے، دنیاوی لذائذ کی طرف طبیعتوں کے مائل ہونے کی وجہ سے زیادہ مانجھنے کی ضرورت پڑی، اس واسطے جو بڑے تجربہ کار تصوف میں تھے حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ، خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ اور سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ، جو بڑے بڑے لوگ تھے امام ہیں تصوف کے، ان لوگوں نے اپنے تجربہ سے ذکر کرنے میں، ریاضت کرنے میں، مجاہدے کرنے میں جو چیزیں نکالیں، ان کو بعضے لوگ اعتراض کی نظر سے دیکھتے ہیں، جو ذکر نقشبندیہ طریقہ میں، قادریہ طریقہ میں اور دوسرے طریقوں میں ذکر کرنے کے اصول ذکر کئے گئے ہیں، اس پر اعتراض یہ ہوتا ہے، کہ جناب رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں نہ بارہ تسبیح نہ پاس انفاس، نہ ذکر "اللہ" نہ اور کسی قسم کے جتنے اذکار اور مراقبے تعلیم کئے جاتے ہیں ان طریقوں میں، یہ تو اس میں آتے نہیں کسی حدیث میں ان کا تذکرہ نہیں ہے، یہ تو بدعت ہوئی، یہ شبہ لوگوں کو پڑتا ہے اور اس پر لوگ اعتراض کرتے ہیں مگر یہ غلط چیز ہے۔

زمانے کے بدلنے سے مقصود حاصل کرنے کے لئے وسائل کا بدلنا بدعت نہیں ہے

آلاتِ جہاد کی مثال

جناب رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں جہاد کے لیے تلواروں کا، تیر اور کمان کا، نیزوں کا تذکرہ آتا ہے آپ ﷺ کے زمانے میں بندوقوں کا، توپوں کا، مشین گنوں کا، ہوائی جہازوں کا، گرینیڈ کا، سرنگوں کا،

بم کا اور آتشیں بم کا، ان چیزوں کا کوئی تذکرہ نہیں، آج اگر مسلمانوں کو شرعی جہاد کرنے کی نوبت آئے اور آتی رہی ہے، تو کیا آج آپ یہی کہیں گے کہ فقط تلوار سے جنگ کرنی چاہئے، جہاد فقط تلوار سے، فقط نیزے سے، فقط اس تیر اور کمان سے جو آقائے نامدار ﷺ کے زمانے میں تھا اسی سے مقابلہ کرنا چاہئے۔ اگر ایسا کرو گے تو دشمن اپنی مشین گنوں سے اور توپوں سے دور ہی سے ہم کو فنا کردے گا۔ جیسے وہ ہتھیار مہیا کرتا ہے ہم کو ویسے ہی ہتھیار مقابلہ کرنے کے واسطے تیار کرنے چاہئیں۔ اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا: وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ جو تم سے قوت ہو سکے دشمنوں کے مقابلہ کے واسطے تیار کرو۔ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ تو مقصود یہ ہے کہ جس قسم کی ضرورت پڑے اعلائے کلمۃ اللہ اصلی مقصود جہاد سے ہے دین کے کلمہ کو بلند کرنا وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ...... تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ تو جیسی ضرورت پڑے جس سے تم دشمن کو شکست دے سکو اس کو ہتھیار کے طور پر تیار اور مقابلہ کرو تو اسی طرح سے جس زمانہ میں آقائے نامدار ﷺ موجود تھے آپ کا زمانہ قریب تھا اس وقت میں تھوڑا ذکر کرنا تھوڑی ریاضت کرنی کافی ہوتی تھی جب ہم دور پہنچ گئے تو زنگ آلودہ زیادہ تر دل ہو گئے، اس کے واسطے بڑی بڑی ریاضتیں، چلہ کھینچنا، دن رات ذکر کرنا، پاس انفاس کرنا، ذکر قلبی کرنا اور زیادہ اس میں کوشش کرنا ضروری ہو گیا، مقصود ایک ہی ہے مگر ضرورت کی حیثیت سے زمانہ کی حیثیت سے ماحول کی حیثیت سے صفائی اور احسان کے حاصل کرنے میں طریقہ دوسرا ہے۔

قرآن پر حرکات کی مثال

رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں قرآن شریف پر زیر زبر نہیں لگا ہوا تھا۔ آپ نے لکھوایا علیحدہ علیحدہ۔ حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے سب کو جمع کر دیا۔ حضرت عثمان غنی ؓ نے سب کو ترتیب دے دیا مگر ترتیب دینے کے بعد زیر زبر کوئی نہیں لگا ہوا تھا، وہ صحابہ کرام ؓ جن کی عربی زبان تھی بغیر زیر زبر کے صحیح قرآن پڑھتے تھے جیسے ہم آج اردو کی عبارت بغیر زیر زبر کے دیئے ہوئے، اُردو کی عبارت ہمارے پاس آتی ہے تو صفحوں کے صفحے صحیح پڑھ جاتے ہیں کوئی غلطی نہیں ہوتی مگر آج اگر کسی بنگالی سے

اور برمی سے، انڈونیشیا والے سے یہ کہا جائے کہ اردو کی عبارت صحیح طرح پر پڑھوتو وہ نہیں ادا کرسکتا اس لیے کہ وہ ناواقف ہے تو اسی طرح سے آج ہم اگر قرآن میں زیر زبر نہ لگا ہو، اگر نقطے نہ لگے ہوں تو ہم بغیر اس کے پڑھ نہیں سکتے، صحیح نہ پڑھ سکیں گے تو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے جو جمع کیا قرآن، اس میں نہ زیر ہے، نہ زبر ہے، نہ پیش ہے، نہ جزم ہے، نہ ب کے نیچے ایک نقطہ ہے، نہ ی کے نیچے دو نقطے ہیں، نہ ت کے اوپر دو نقطے ہیں، یہ کچھ بھی نہیں ہے اور وہ سب صحیح پڑھتے تھے، مگر تھوڑے ہی زمانے کے بعد جب لوگوں کا میل جول باہر والوں کے ساتھ ہوا تو ضرورت سمجھی گئی زیر زبر لگانے کی، تشدید کے لگانے کی، جزم کے لگانے کی، نقطے کے دینے کی۔ اب اگر کوئی بیوقوف یہ کہے کہ زیر زبر لگانا بدعت ہے، رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں نہیں پایا گیا تو اُس کو بجز اس کے یہ کہا جائے کہ احمق ہے اور کچھ نہیں، وہ تو اس ضرورت کی بناء پر ہے کہ ہم کو حکم ہے قرآن کی تلاوت کرنے کا، اس کے معنی سمجھنے کا، مگر تلاوت قرآن کی اس زمانے میں بغیر زیر زبر کے ہوتی تھی، آج تلاوت قرآن کی ''ہم تو ہم'' آج مدینہ کا رہنے والا، مکہ کا رہنے والا جس کی مادری زبان عربی ہے صحیح قرآن بغیر زیر زبر کے بغیر نقطوں کے نہیں پڑھ سکتا ہے۔ جس طرح ہم محتاج ہیں علم نحو کے، علم صرف کے، علم لُغت کے، آج عرب بھی محتاج ہیں اس کے، تو بھائی زمانہ کی حیثیت سے احوال بدلتے رہتے ہیں مگر ایسے احوال جو کہ مقصود کے بدلنے والے نہ ہوں، ایسے احوال کو سنت ہی کہا جائے گا۔

کھانا پکانے کی مثال

اگر آپ نے کسی کو روٹی پکانے کے لیے مقرر کیا تو اب روٹی پکانا اس کے حکم دینے سے یہ معنی ہوں گے کہ تو آگ بھی جلا، لکڑی بھی لا، چولہا بھی لا، توا بھی لا، سب چیزوں کو مہیا کر اگر کسی جگہ لکڑی نہیں ملے لوہا ہو پتھر کے کوئلے، کسی جگہ یہ نہیں ملے تو اُپلوں کو استعمال کیا جائے گا۔ غرض یہ کہ جس چیز کے اوپر روٹی پکانا موقوف ہو اسی کا امر ہوگا تو اسی طرح سے جناب رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں احسان کے حاصل کرنے کے لیے زنگ کم ہونے کی وجہ سے ان اذکار کی ضرورت نہیں تھی، آج ہم کو ہمارے تجربہ کار مرشدوں نے بتلایا اس طرح سے کرو، اب آپ کہیں کہ اس طرح کا ذکر کرنا بدعت ہے یہ غلط فہمی ہے۔

ذکر اللہ کا حکم قرآن میں

اللہ تعالیٰ نے حکم دیا قرآن میں، ایک جگہ نہیں دو جگہ نہیں، ذکر کرنے کی بڑی تاکید فرمائی:

فَإِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِكُمْ

حکم دیا گیا کہ نماز کے بعد اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو کھڑے کھڑے، بیٹھے بیٹھے اور کروٹوں پر اپنے کروٹیں لیتے ہوئے، کوئی حد نہیں، قید نہیں لگائی گئی، ذکر کرو لفظ اللہ کا، یا لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کا یا سُبْحَانَ اللّٰه کا ضرب کے ساتھ کرو یا بلا ضرب کرو۔

قرآن شریف میں فرمایا گیا:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا ۝ ''اے ایمان والو اللہ کا بہت ذکر کرو''

فرمایا جاتا ہے: فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْا لِيْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ ۝

تم میرا ذکر کرو میں تم کو ذکر کروں گا تم کو یاد کروں گا تم مجھ کو یاد کرو تو کوئی قید نہیں لگائی گئی، کس طرح سے ذکر کیا جائے۔ مطلقاً ذکر کرنے کا حکم دیا گیا۔ اب اگر ہم نے، ہمارے بڑوں نے، تجربہ کار لوگوں نے، یہ کہا کہ ذکر کرو، سانس کے ساتھ، ذکر کرو دل میں دل کے ساتھ، روح کا ذکر، سر کا ذکر، خفی کا ذکر تو یہ کوئی چیز بھی بدعت نہیں ہوگی۔ کیونکہ مطلقاً جیسے حکم دیا گیا تھا جہاد کرنے کا کہ دشمن کی طاقت کو کمزور کرنے کے لیے اسلام کی ہیبت کو بٹھلانے کے واسطے جہاد کرو۔

وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ.

چاہے تلوار سے ہو، چاہے تیر سے ہو، چاہے توپوں سے ہو، چاہے مشین گن سے ہو، جس طریقہ سے تم اس بات کو انجام دے سکو، جیسے کہ ہم کو قرآن کی تلاوت کا حکم دیا گیا چاہے زیر زبر سے یا اس کے طبع کرنے سے، چھاپنے سے، لکھنے سے عکسی قرآن بنانے سے، یہ جتنی چیزیں ہیں سب کی سب حکم ہی کے اندر آتی ہیں۔

سفرِ حج کی مثال

ہم کو حکم دیا گیا حج کرنے کا، حج کرنے کے لیے پہلے زمانہ میں اونٹوں کی ضرورت پڑتی تھی آج ہم کو موٹروں سے نہیں بلکہ جہازوں سے سفر کرنا پڑتا ہے، وہاں جا کر موٹروں سے، لاریوں سے، بسوں سے سفر کرنا پڑتا ہے تو اب اگر کوئی بیوقوف شخص کہتا ہے کہ ہم ہندوستان سے حج کے لیے جائیں گے اونٹ ہی کے اوپر سوار ہو کر تو بتلائیے کہ حج کو ہم ادا کر سکیں گے؟ ہمیں جدہ پہنچنے کے بعد اسی طرح سے لاریوں کے بغیر، موٹروں کے بغیر جانا مشکل ہے بسا اوقات ممکن نہیں، تو چونکہ مقصد ہے بیت اللہ کی حاضری، جس طریقہ پر ممکن ہو وہاں پر حاضر ہونا، یہی فرض ہوگا، کوئی چیز بدعت نہیں قرار دی جائے گی، مقصود وہی ہے جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا، حکم دیا گیا تھا، مقصد میں کوئی تغیر نہیں ہے۔ زمانہ کی ضرورتوں کی حیثیت سے وسیلوں میں فرق پڑ گیا، ذریعوں میں فرق پڑ گیا، تو میرے بزرگو! آج یہ کہنا کہ سلوک میں تصوف کے اندر جو باتیں صحیح ذکر کی گئی وہ بدعت ہیں، یہ غلط ہے وہ سب کی سب مامور بہ ہیں۔ وہ حکم ہے تو اصلی مقصد اس کے اندر، تصوف کے اندر احسان کو حاصل کرنا ہے، احسان کے حاصل کرنے کے لیے جو طریقے خلافِ شریعت نہیں ہیں جب عمل میں لائے جائیں گے تو وہی شریعت کا حکم ہوگا۔

غیر شرعی اسباب اختیار کرنے کی ممانعت

ہاں اگر کوئی طریقہ ایسا کرتا ہے۔ ایک شخص کہتا ہے کہ مجھ کو تو اللہ تک پہنچنے کے واسطے قوالی چاہیے، ڈھول چاہیے، مجرا چاہیے، ڈوم گانے والے چاہئیں، یہ چیزیں ایسی وہ اختیار کرتا ہے جو کہ شریعت کے خلاف ہیں، جناب رسول اللہ ﷺ نے اور صحابہ کرام ؓ نے ان چیزوں کی ممانعت کی ہے تو جو چیزیں ممانعت کی نہیں ہیں وہ تو اصلی سنت میں داخل ہیں، اب بیعت کے متعلق یہ خیال کرنا کہ یہ خلافِ شریعت ہے، بالکل غلط چیز ہے، بیعت میں جیسا کہ میں نے عرض کیا اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْۤا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ

وسیلہ اسی چیز کو کہتے ہیں کہ جس کے ذریعے سے کوئی کامیابی ہو سکے جو شخص واقف ہے کسی راستے کا اس کو ساتھ لینا سفر کرنے کے لیے ضروری ہے۔

حضورﷺ کا سفرِ ھجرت

آقائے نامدارﷺ ہجرت کرتے ہیں مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کو تو عبداللہ ابن اریقط الایلی جو کہ کافر تھا مگر راستہ سے واقف تھا اس کو ساتھ لیتے ہیں، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے پہلے سے دو سانڈنیاں، دو اونٹنیاں جو نہایت مضبوط تھیں پہلے سے خرید لیں، عبداللہ ابن اریقط جو کہ راستہ کا بڑا ماہر تھا اس کے پاس رکھا اور کہا کہ ان اونٹنیوں کو اچھے سے اچھا چارہ کھلاؤ اور ہم جو جب ضرورت ہوگی اپنے سفر کے واسطے ان کو اونٹنیوں کو لیں گے اور تجھ کو ساتھ لے کر کے سفر کریں گے۔ اب جناب رسول اللہ ﷺ کو ہجرت کرنے کے لیے رہبر کی ضرورت پڑی، رہنما کی، راہ دکھانے والے کی ضرورت پڑی۔ بغیر راہ دکھلانے والے کے دنیا کے سفر اور اپنے ہی ملک کا سفر ممکن نہ ہوا۔ تو اس واسطے وہی وسیلہ جس کو یہاں فرمایا گیا وَابْتَغُوْٓا اِلَیْہِ الْوَسِیْلَۃَ جس سے تم وسیلہ توسل کر سکو اس کے ذریعے سے کامیاب ہو سکو اس کو تلاش کرو۔

مرشد راستہ سے واقف اور تجربہ کار ھو

مرشد کو مرشد اسی واسطے کہا جاتا ہے کہ وہ راستہ دکھلانے والا ہے، ارشاد کرنے والا ہے، مگر ہر لنگڑے لولے کو مرشد راستہ میں نہیں لیا جاتا، راہنمائی کے واسطے، لیا جاتا ہے صحیح سالم، واقف کار، تجربہ کار کو تو اس واسطے فرمایا گیا: کُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَکُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ

سچوں کے ساتھ رہو۔ ہاں بعضے لوگوں کو یہ شبہ ہوتا ہے کہ بیعت کی ضرورت باقی نہیں ہے یہ شبہ غلط ہے، بیعت کا طریقہ رسول اللہ ﷺ نے جاری کیا ہے اور وہ قرآن میں ہے، قرآن دلالت کرتا ہے۔

بیعت کے فوائد حضرت سید احمد شھید رحمه الله کا فرمان

حضرت سید احمد صاحب شہید رحمۃ اللہ علیہ جنہوں نے جہاد کیا تھا انگریزوں کے خلاف، ان کی کتاب ہے ''صراطِ مستقیم'' وہ بیعت کے فائدے بتلاتے ہوئے ذکر فرماتے ہیں کہ جب کوئی شخص کسی خدا کے برگزیدہ بندے کے ہاتھ پر بیعت کرتا ہے تو اس برگزیدہ بندے کی جو کہ اللہ تعالیٰ کے دربار میں قبولیت اور عزت ہے تو اللہ تعالیٰ کی رحمت اس شخص کی کفالت کرتی ہے جو اس کے ہاتھ میں بیعت کرتا ہے اللہ تعالیٰ کی رحمت اس کی وجاہت کی وجہ سے بیعت کرنے والے کی کفالت کرتی ہے اور دو طریقوں میں سے ایک طریقہ سے اس کی حفاظت کرتی ہے، اگر وہ شخص، وہ مرشد اللہ تعالیٰ کے یہاں پر بہت بڑی عزت رکھتا ہے تو کبھی اس کو مطلع کر دیا

جاتا ہے، اگر اس کا مرید کسی گمراہی کے اندر پھنس رہا ہے تو اللہ تعالیٰ پیر کو مطلع کر دیتا ہے اور حکم دیتا ہے کہ اس کو فلانی خرابی سے نکالو، وہ مرشد تدبیریں کر کے اس کو نکالتا ہے اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ خداوند کریم خود ہی اس کو، اس مرید کو خرابی سے نکالتا ہے اور کسی فرشتے کو حکم دے دیتا ہے یا کوئی روحانی (لطیفہ غیبی) کو مقرر کر دیتا ہے اور وہ چیز اس کی حفاظت کا باعث بنتی ہے مگر مرشد کی صورت میں آ کر۔

حضرت یوسف علیہ السلام کا واقعہ

جیسے حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کا واقعہ ہوا۔ حضرت زلیخا ؓ نے حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کو سات کوٹھڑیوں میں بند کر کے ان سے وصال چاہا۔ حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام پرہیز کرتے ہیں۔ قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اِنَّهٗ رَبِّیْٓ اَحْسَنَ مَثْوَایَ ط اِنَّهٗ لَا یُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ

حضرت زلیخا ؓ کو کہتے ہیں کہ معاذ اللہ میں اپنے مالک کی نافرمانی کروں۔

اس کی بیوی پر ہاتھ ڈالوں، اس نے بہت بڑے بڑے میرے ساتھ احسان کئے ہیں، میں جاہل نہیں ہو سکتا مگر اس نے پیچھا کیا اور اس قدر پیچھے پڑی کہ قریب تھا کہ حضرت یوسف علیہ السلام مبتلا ہو جائیں تو فرماتے ہیں: وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَآ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ ط كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَالْفَحْشَآءَ ط اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِیْنَ

تو اللہ تعالیٰ نے حفاظت کے واسطے حضرت جبریل علیہ السلام کو مقرر کیا۔ حضرت جبریل علیہ السلام سامنے سے حضرت یعقوب علیہ السلام (والد) کی صورت میں آئے اور سامنے کھڑے ہو کر انگلی منہ میں دباتے ہیں اور اشارہ کرتے ہیں کہ خبردار! خبردار! اس میں مبتلا مت ہونا، حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خبر بھی نہیں مگر یہاں یہ معاملہ ہوا۔ حضرت یوسف علیہ السلام کو روک دیا گیا، بچا لیا گیا تو حضرت سید احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ شہید فرماتے ہیں کہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ کسی کامل کے ہاتھ پر بیعت کرنے والا کسی گمراہی کے اندر پھنسنے والا ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی لطیفہ سے، کسی روحانیت سے، کسی فرشتے کے ذریعے سے حفاظت کی جاتی ہے، ایسا طریقہ کہ جو مرشد کے ساتھ تعلق رکھتا ہو۔

سچوں کا ساتھ

تو بیعت کے فوائد بہت زیادہ ہیں، قرآن میں کہا ہے: كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ (سچوں کے ساتھ رہو)

آپ دیکھتے ہیں کہ کسی پارٹی میں جب آدمی داخل ہو جاتا ہے دنیا میں، تو پارٹی کے جتنے ممبر ہوتے ہیں ان سب کو اُس کے ساتھ کچھ تعلق ہو جاتا ہے اور اس کی وجہ سے وہ ہمدردی رکھتے ہیں، دنیا میں جو کہ اصحاب خیر ہوں ان کے یہاں بھی یہی طریقہ ہے اور آخرت والے خدا کے سچے بندے جن کو دنیاوی غرض نہیں ان میں یہ بات بہت اونچی ہے، تو اگر کسی اللہ کے مقبول بندے کے ہاتھ پر بیعت ہوئے کسی صحیح طریقہ والے سے بیعت ہونے سے اس طریقہ کے جو مقدس لوگ ہیں خواہ دنیا میں ہوں، خواہ آخرت میں ہوں، گزر چکے ہوں ان سبھوں کو ہمدردی ہو جاتی ہے، دعا بھی کرتے ہیں اور وہ اپنی ہمت سے خبر گیری کرتے ہیں۔

تو میرے بھائیو! نہ تو بیعت بدعت چیز ہے اور نہ طریقت بدعت چیز ہے، نہ طریقت شریعت سے جدا ہے، شریعت کی خادم ہے طریقت، جو شریعت نے احسان کا حکم دیا تھا۔ اس کی تکمیل کے واسطے بڑے بڑے مقدس بزرگوں نے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت خواجہ بہاؤالدین نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ اور ان سے پہلے جنید بغدادی رحمہ اللہ، شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ، ان بزرگوں نے جن کے اندر ذرہ برابر بھی خلاف شریعت کوئی بات نہیں تھی انہوں نے وہ طریقے جن کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ کی تابعداری، اللہ تعالیٰ کی رضا، اس کی خوشنودی حاصل ہو سکتی ہے وہ طریقے جاری کئے اور ان سے مقصد فقط خدا کی قربت حاصل کرنا، خدا کی رضا حاصل کرنا کوئی چیز ذرہ برابر اس میں شریعت کے خلاف نہیں۔

کھوٹے اور کھرے

مگر جیسے ہر جماعت کے اندر کھوٹے اور کھرے ہوتے ہیں اسی طرح سے جماعت میں بھی کھوٹے داخل ہو گئے ہیں جن کا مقصد اپنی خواہشوں کو پورا کرنا، دین کو جال بنا کر کے دنیا حاصل کرنا ہے ہر زمانے میں ایسے ہوتے رہے ہیں اور ہر جماعت میں ایسے ہوتے ہیں ایسوں کی برائی کی وجہ سے اس فن کے اندر برائی نہیں پیدا ہوتی۔ ہاں اسی واسطے مولانا روم نے فرمایا کہ ؎

اے بسا ابلیس آدم روئے ہست　　　پس بہ ہر دستے نہ باید داد دست

بسا اوقات شیطان آدم علیہ السلام کے بھیس میں آئے گا تم کو سوچنا چاہئے، سمجھنا چاہئے، مقدمہ تمہارا سرکاری ہوتا ہے تو ہر وکیل کو وکیل نہیں بناتے آپ سوچتے ہیں، ہر ڈاکٹر کو اپنا معالج نہیں بناتے ہر حکیم کے پاس

علاج کے لیے نہیں جاتے بلکہ آپ سوچتے ہیں، سمجھتے ہیں، دیکھتے ہیں کون حکیم قابل ہے اس کے پاس جائیں۔ دنیا میں بھی یہ معاملہ ہے اور اللہ کی رضا وخوشنودی یا آخرت کے واسطے جو بھی ملا اس کے ہاتھ پر بیعت ہوگئے چاہے اچھا ہو برا ہو، نماز کا پابند نہیں، روزہ کا پابند نہیں، شریعت کا پابند نہیں، بیعت کرتا ہے عورتوں کی بے پردگی کے ساتھ، جناب رسول اللہ ﷺ مردوں کی جو بیعت کرتے تھے تو ہاتھ میں ہاتھ رکھ کر کے یا اگر بڑا مجمع ہوا تو کپڑا پکڑا کر کے۔

عورتوں سے بیعت کا طریقہ

عورتوں کی بیعت کرتے تھے کبھی ہاتھ سے ہاتھ ملا کر کے نہیں کی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں بخاری میں یہ روایت کئی جگہ آئی ہے کہ:

وَاللّٰهِ مَامَسَّتْ يَدُرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدَاِمْرَاةٍ قَطُّ اِنَّمَابَايَعَهُنَّ بِالْقَوْلِ.

او کماقال

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ خدا کی قسم رسول اللہ ﷺ کا ہاتھ کسی عورت کے ہاتھ سے نہیں چھوا گیا بیعت کرنے کے وقت، پردہ سے باہر سے رسول اللہ ﷺ بیعت کرتے تھے زبان سے، یا کپڑا دے دیا گیا۔ آقائے نامدار ﷺ سے بڑھ کر متقی پرہیز گار کون ہو سکتا ہے؟ آقائے نامدار ﷺ تو کسی اجنبی عورت کو سامنے نہ کریں، ہاتھ سے ہاتھ نہ ملائیں اور بیعت اس طرح سے کریں۔ مگر آج یہ گمراہ شیطان اثر والے لوگ کہتے ہیں عورتوں سے کہ ہمارے سامنے آؤ پردہ اُٹھا دو ہم قیامت میں، محشر میں، تم کو پہچانیں گے کیسے؟ جب تک کہ ہم تمہارا چہرہ نہ دیکھ لیں، تم تو ہماری بیٹیاں ہو، تم تو ہماری پوتیاں ہو، نواسیاں ہو، ہم سے پردہ کیا؟ یہ تمام شیطانی کاروائیاں ہیں۔ سب کے آقا حضرت محمد ﷺ تھے سب عورتیں ان کی بیٹیاں ہیں قرآن شریف میں فرمایا گیا وَاَزْوَاجُهٗ اُمَّهَاتُهُمْ.

رسول اللہ ﷺ کی بیویاں تمام مؤمنین کی مائیں ہیں جو وہ مائیں ہیں آپ کی بیویاں، تو آپ ﷺ باپ ہوئے۔ بعض قرأت میں ہے وَهُوَاَبُوْهُمْ. مگر باوجود اس کے جناب رسول اللہ ﷺ تو بے پردہ سامنے نہ آنے دیں اور ہاتھ سے ہاتھ نہ ملائیں، مگر آج ایسے غلط کار لوگ ہیں جو پردہ اُٹھاتے ہیں، بدن دبواتے ہیں، ہاتھ پیر دبواتے ہیں، تنہائی کے اندر جمع ہوتے ہیں، یہ سب کی سب غلط بات ہے، ناجائز بات ہے جو شخص ایسا کرتا ہے

وہ پیر نہیں شیطان ہے، ایسے پیروں سے بچنا چاہئے۔ تو اس واسطے سوچنے کی بات ہے۔ اِتَّقُوا اللّٰهَ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ. وَاتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَيَّ حکم دیا گیا کہ جو ہماری طرف دھیان رکھتا ہے، ہماری طرف لوٹتا ہے اس کے راستے پر چلو، اسی کو مولانا روم فرماتے ہیں۔

اے بسا ابلیس آدم روئے ہست   پس بہ ہر دستے نہ باید داد دست

بسا اوقات ابلیس آدم علیہ السلام کے بھیس میں آتا ہے تو تم کو سوچنا چاہئے ہر ہاتھ میں ہاتھ نہیں دینا چاہئے، دنیا کے کام تو پرکھ پرکھ کر کرتے ہو، نہ تجارت نہ مقدمہ بازی نہ علاج اور جتنی چیزیں ہیں پرکھ پرکھ کر کرتے ہو مگر یہ کیسی بیوقوفی ہوتی ہے کہ کوئی آدمی ہو کسی کو جہاں سنا کہ یہ پیر صاحب ہیں بس وہاں جا کر کے بیعت کرنے لگیں، یہ غلط چیز ہے غلط راستے پر چلنے لگتے ہیں سچوں کے ساتھ رہو۔

خدا کی نافرمانی میں مخلوق کی اطاعت نہیں

اور پھر جو کام کرو اس کے اندر یہ بھی دیکھ لو کہ یہ کام خلافِ شریعت تو نہیں، اگر اس نے کہا کہ کسی بُت کو سجدہ کرو، کسی قبر کو سجدہ کرو، کوئی کام خلافِ شریعت کا حکم کرے تو کوئی بھی ہو لَاطَاعَةَ لِمَخْلُوْقٍ فِيْ مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ آقائے نامدار ﷺ فرماتے ہیں۔ آقائے نامدار ﷺ نے ایک شخص کو ایک لشکر کا سردار بنایا اور لشکر کو جہاد کے لیے بھیجا اور کہا کہ اس سردار کی تابعداری کرنا، وہ ایک جگہ پہنچتا ہے، کچھ لوگوں نے اس سے مذاق کیا تو اس کو غصہ آ گیا اس نے سب کو کہا کہ لکڑی جمع کرو، سبھوں نے لکڑی جمع کی، کہا کہ اس میں آگ لگاؤ، اس میں آگ بھی لگا دی، اب کہتا ہے ان لوگوں سے کہ آگ میں کود جاؤ، رسول اللہ ﷺ نے تم کو حکم دیا تھا کہ میری تابعداری کرنا تو بعضے لوگوں نے ارادہ کیا کہ کود جائیں کیونکہ جناب رسول اللہ ﷺ نے تابعداری کا حکم دیا تھا، دوسرے لوگوں نے پکڑا اور کہا کہ ہم نے تو حضرت محمد ﷺ کی تابعداری آگ سے بچنے ہی کے واسطے کی ہے کیا آج ہم آگ میں ان کے حکم سے جائیں، اس میں کچھ کھینچا تانی ہوتی رہی، اتنے میں آگ بجھ گئی اور اس صحابی کا جو سردار تھا غصہ جاتا رہا، معاملہ رفع دفع ہو گیا۔ جہاد سے جب لوٹ کر آئے تو جناب رسول اللہ ﷺ کے سامنے یہ واقعہ ذکر کیا گیا تو آپ ﷺ بہت خفا ہوئے دونوں پر، سردار پر تو خفا ہوئے ہی، ان لوگوں پر بھی جو کودنے کا ارادہ کرتے تھے، آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ:

لَاطَاعَةَ لِمَخْلُوْقٍ فِيْ مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ اِنَّمَا الطَّاعَةُ فِي الْمَعْرُوْفِ

کسی کی تابعداری اللہ کی نافرمانی میں نہیں ہے سردار کی تابعداری کا حکم ہے معروف میں، شریعت کے موافق باتوں میں، ایسی بات میں کہ جو شریعت کے خلاف ہے کسی کی تابعداری نہیں۔ اگر مرشد کہتا ہے کہ تم بت کو سجدہ کرو، قبر کو سجدہ کرو تو ہرگز اس کی تابعداری نہیں ایسے مرشد کو دفع کرنا چاہئے، وہ ایسی باتیں تلقین کرتا ہے جس کی وجہ سے اس کے مرشد ہونے کو باقی رکھا جائے؟ وہ شیطان ہے، تو آقائے نامدار ﷺ کے زمانے میں ایسا پیش آیا۔ بعضے بیوقوف کہتے ہیں کہ۔

بے سجادہ رنگین کن گرت پیرِ مغاں گوید   کہ سالک بے خبر نبود زراہ ورسم منزلہا

اس کے معنی غلط بیان کرتے ہیں اگر مرشد خلافت شریعت کوئی بات حکم کرتا ہے صریح شریعت کے خلاف تو ہرگز اس کی تابعداری نہیں۔ بہر حال بیعت کرنا امر شرعی ہے اور سلوک جناب رسول اللہ ﷺ کی تابعداری ہی کرنے کا نام ہے۔ اللہ کی رضا جوئی اور خوشنودی ہی کرنے کا نام ہے، جو کچھ کمال ہے وہ رسول اللہ ﷺ کی تابعداری میں ہے۔ رسول اللہ ﷺ سے محبت کرنا، آپ ﷺ کے حکم پر چلنا اسی میں نجات ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ:

لَایُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْهِ مِنْ وَّالِدِهٖ وَوَلَدِهٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ: او کما قال علیه الصلوٰة والسلام.

تم میں سے کوئی کامل ایمان والا نہیں ہوسکتا، پورا مومن نہیں ہوسکتا، جب تک کہ میں اس کے باپ سے، اس کے بیٹے سے، تمام لوگوں سے زیادہ محبوب اور پیارا نہ ہوجاؤں...... رسول اللہ ﷺ سے محبت زیادہ سے ہوئی تمام دنیا سے، تمام خاندان سے بڑھی ہوئی ضروری ہے۔ آپ ہم اپنی بیوقوفی کی وجہ سے جناب رسول اللہ ﷺ سے محبت کا دعویٰ بھی کرتے ہیں اور ان کے طریقہ کو چھوڑتے ہیں، ان کی صورت سے ہم نفرت کرتے ہیں، ہم ان کے دشمنوں کی صورت بناتے ہیں، لاڈ جارج اور کرزن اور فرنچ فیشن ان لوگوں کی صورتیں بناتے ہیں، ان کے فیشن کو اپنا فیشن بناتے ہیں، ڈاڑھیاں کترواتے ہیں، بال انگریزی فیشن کے، انگریزی طریقہ کے رکھتے ہیں، لباس ویسے پہنتے ہیں کام ویسے کرتے ہیں۔ یہ انتہائی غلطی ہے اور اس کی وجہ سے خداوند کریم کی رحمت اور خدا کا غضب دونوں۔ خدا کی رحمت ہم سے دور ہوتی ہے خدا کا غضب ہماری طرف متوجہ ہوتا ہے۔

میرے بھائیو! سمجھنا چاہئے غلط طریقہ پر نہ چلنا چاہئے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِىْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ

اے محمد! ﷺ لوگوں سے کہہ دو کہ اگر تم کو اللہ کی محبت ہے اللہ کی رضا اور خوشنودی چاہتے ہو، اللہ کی عنایت اور مہربانی چاہتے ہو تو اس کا ایک ہی طریقہ ہے وہ یہ کہ تم لوگ میرا اتباع کرو اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرنے لگیں گے۔ حضرت محمد ﷺ تاکید فرماتے ہیں: واعفوا اللحیٰ وقصوا الشوارب وخالفوا المشرکین.

مشرکوں کی صورت اور سیرت سے بچو اور خلاف کرو اور داڑھیوں کو بڑھاؤ اور مونچھوں کو کتر واؤ۔ آج ہماری بیوقوفی کی وجہ سے ہمارے اندر یہ غلطی پیدا ہوگئی ہے کہ صورت غیروں کی، اللہ اور رسول کے دشمنوں کی بنانے کے اوپر ہم فخر کرتے ہیں، ڈرنا چاہئے کہیں جناب باری سبحانہٗ وتعالیٰ کی ہمارے اوپر گرفت نہ ہو جائے غضب نہ ہو جائے، صورت اور سیرت جناب رسول اللہ ﷺ کی بنایئے۔

تاکید ذکر اللہ

اور اللہ کے ذکر سے غافل مت ہوئیے، میرے بھائیو! یہ عمر عزیز جو ملی ہوئی ہے اس کو غنیمت سمجھئے جس قدر ممکن ہو اللہ کا ذکر اس وقت کر لیجئے بہت بڑی نعمت ہے اللہ تعالیٰ کا ذکر، جناب رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: لِكُلِّ شَيْءٍ صِقَالَةٌ وَصِقَالَةُ الْقُلُوْبِ ذِكْرُ اللّٰهِ. ہر چیز کے مانجھنے کی، ملمع کرنے کی، چمکانے کی چیزیں ہوتی ہیں، دلوں کے صاف کرنے کا، ملمع کرنے کا ذریعہ اللہ کا ذکر ہے۔ پھر فرماتے ہیں:

مَامِنْ عَمَلٍ اَنجٰی مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ مِنْ ذِكْرِ اللّٰهِ

کوئی چیز اللہ کے عذاب سے اس قدر بچانے والی نہیں ہے کوئی امر اللہ کے عذاب سے اس قدر بچانے والا نہیں ہے جتنا کہ اللہ کا ذکر بچانے والا ہے۔ اللہ کا ذکر خدا کے غضب سے، خدا کی پکڑ سے خدا کے غصے سے جس قدر بچاتا ہے اللہ کا ذکر اور کوئی چیز نہیں بچاتی۔

داڑھی کا منڈانا یا خشخشی کرانا، ایک مٹھی سے کم کو کتروانا شریعت میں جائز نہیں ہے۔ اگر پکا ارادہ ہے کہ شریعت کے موافق داڑھی رکھیں گے، تب تو بیعت ہوئیے اور اگر پکا ارادہ نہیں ہے شریعت کے موافق داڑھی رکھنے کا، تو چلے جایئے، کیوں صاحب سب وعدہ کرتے ہیں؟ کہ شریعت کے موافق داڑھی رکھیں گے اور

جو حکم ہے شریعت کا اس کے اوپر چلیں گے؟ (مجموعی آوازیں، داڑھی رکھیں گے، شریعت پر چلیں گے۔)

بیعت

تو جس طرح نماز میں بیٹھتے ہو تو دوزانو اس طرح بیٹھ جائیے اور کپڑے کو دونوں ہاتوں سے پکڑ لیجئے:

الحمدللّٰہ، الحمدللہ نحمدہٗ ونستعینہٗ ونستغفرہٗ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیات اعمالنا من یھدہِ اللہ فلامضل لہٗ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد أن لاالٰہ الااللّٰہ وحدہٗ لاشریک لہٗ ونشھد ان سید نا ومولانا محمداً عبدہٗ ورسولہٗ (صلی اللہ علیہ والہ وسلم)

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَابْتَغُوْٓا اِلَیْہِ الْوَسِیْلَۃَ وَجَاھِدُوْا فِیْ سَبِیْلِہٖ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ o اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰہَ یَدُاللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْھِم فَمَنْ نَّکَثَ فَاِنَّمَا یَنْکُثُ عَلٰی نَفْسِہٖ وَمَنْ اَوْفٰی بِمَا عٰھَدَ عَلَیْہُ اللّٰہَ فَسَیُؤْتِیْہِ اَجْرًا عَظِیْمًا o

کہئے: اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنَّ سَیدنا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ

گواہی دیتا ہوں میں کہ سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی عبادت کئے جانے کے قابل نہیں، اکیلا ہے وہ، کوئی اس کا شریک نہیں اور گواہی دیتا ہوں میں، کہ ہمارے سردار اور ہمارے آقا، حضرت محمد ﷺ اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں ایمان لایا میں اللہ تعالیٰ پر جیسا کہ ہے وہ اپنی ذات میں اور اپنی صفات میں اور اپنے افعال میں، اکیلا ہے وہ، کوئی اس کا ساجھی اور شریک نہیں اور ایمان لایا میں کہ حضرت محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں جو کچھ انہوں نے فرمایا وہ سب حق ہے اور ایمان لایا میں اللہ تعالیٰ کے سب پیغمبروں پر اور اس کے سب فرشتوں پر اور اس کی سب کتابوں پر اور قیامت کے دن پر اور تقدیر پر، داخل ہوا میں دین اسلام میں سچے دل سے، بری اور بیزار ہوں میں سب دینوں سے سوائے دین اسلام کے،

بیعت کی میں نے جناب رسول اللہ ﷺ کے ہاتھوں پر بواسطہ ان کے خلفاء کے، عہد کرتا ہوں میں، کہ شرک نہ کروں گا، کفر نہ کروں گا، بدعت نہ کروں گا، چوری نہ کروں گا، زنا نہ کروں گا، کسی کو ناحق قتل نہ کروں گا، کسی پر بہتان نہ باندھوں گا، جہاں تک ہو سکے خدا اور اسکے رسول ﷺ کی ہمیشہ ہمیشہ اطاعت اور فرمان برداری کرتا رہوں گا، اپنی طاقت بھر گناہوں سے بچتا رہوں گا اور اگر کبھی گناہ ہو گیا تو بہت جلد توبہ کروں گا، توبہ کرتا ہوں میں اپنے سب گناہوں سے، اگلے ہوں یا پچھلے، چھوٹے ہوں یا بڑے، ظاہر ہوں یا پوشیدہ جن کو میں جانتا ہوں اور جن کو نہیں جانتا، اے اللہ! تو سب کچھ سنتا ہے، تو سب کچھ دیکھتا ہے، تو سب کچھ جانتا ہے، تجھ سے کچھ چھپا ہوا نہیں تو گناہوں کا معاف کرنے والا اور رحیم ہے، تو توبہ قبول کرنے والا اور کریم ہے، میری توبہ قبول فرما اور میری گناہ بخش دے۔ بیعت کی میں نے حسین احمد کے ہاتھوں پر طریقہ چشتیہ صابریہ اور طریقہ چشتیہ نظامیہ اور طریقہ نقشبندیہ اور طریقہ قادریہ اور طریقہ سہروردیہ میں، اے اللہ میری بیعت قبول فرما اور مجھ کو ان سلسلے کے بزرگوں کے طفیل میں اپنی سچی محبت اور کامل ایمان عطا فرما، میرا خاتمہ ایمان پر ہو اور آخرت میں جناب رسول اللہ ﷺ کا ساتھ اور آپ ﷺ کی شفاعت اور جنت نصیب ہو...... اسکے بعد حضرتؒ نے حسب عادت شریفہ سرّی دعا فرمائی۔

(از ماهنامہ ذکریا)

علمِ انسانی اور علمِ الٰہی

حضرت جی مولانا محمد یوسف صاحب کاندھلویؒ کی تقریر

خطبہ مسنونہ کے بعد فرمایا:۔

دنیا دارالاسباب ہے

بھائیو اور دوستوں! دنیا دارالاسباب ہے۔ یہاں اللہ تعالی جو کچھ کرتے ہیں اسباب پر کرتے ہیں اور انسان کو اسباب کا مکلف بنایا ہے۔ ظاہری نگاہ اور تمام انسان عام طور پر چیزوں کو اسباب قرار دیتے ہیں اور کائنات کی مشین سے جو بن رہا ہے اس کو اپنی کامیابی کہتے ہیں۔ اللہ تعالی نے کائنات کی مشین بنایا، مگر خالی اس کے جسم سے کچھ نہیں ہوتا جب تک اس میں روح نہ آجائے۔ اب یہ دو چیزوں کا مجموعہ ہے یعنی جسم اور روح، کوئی یہ نہیں سمجھتا کہ انسان کی لاش نے یہ کر دیا اور کوئی یہ تصور نہیں کرتا کہ اس کے جسم سے یہ ہو گیا بلکہ جب بھی انسان بولا جاتا ہے تو اس سے اس کا مجموعہ تصور میں آتا ہے۔ اس طرح اسباب بھی مجموعہ کا نام ہے۔ چیزیں اور اعمال چیزیں اجسام ہیں اور اعمال اس کی روح ہیں۔ اگر چیزوں پر اعمال خراب ہوئے اور اعمال کو توڑ کر چیزوں کی شکلیں بنائیں تو یہ لاش ہوگی اور اس میں بدبو پیدا ہوگی۔ اس وقت اجسام بننے کا نام اسباب ہے۔ بارہ سال کے بچے میں روح ہے، اس میں بدبو نہیں ہوگی اور ساٹھ سال کا بوڑھا ہے اور وہ بے روح ہے تو اس میں بدبو ہوگی۔

اسی طرح چھوٹے چھوٹے نقشوں کے ساتھ (یعنی اعمال صالحہ) کے ساتھ کامیابی آئے گی۔ مسلمان غیروں سے چیزوں میں محتاج نہیں، وہ ان میں اعمال کے اعتبار سے محتاج ہوگا۔ اس کا نام ہے اسلام۔ یہ مسلمان کائنات کے نقشوں کو سامنے رکھ کر کہتا ہے کہ اعمال سے

چیزوں کے بغیر کامیابی ہوگی،مگر اعمال کے بغیر صرف چیزوں سے کامیابی نہیں ہوگی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو علمِ الٰہی دیا ہے۔اس کے علاوہ دنیا کے دوسرے تمام علوم جہالت ہیں،سائنس جہالت ہے،اس اعتبار سے کہ جس سے ہوتا ہے اس کے علاوہ (یعنی غیر اللہ) سے ہونا جانتے ہیں اوراسمیں اس کی تعلیم دیتے ہیں۔شیر کو نہ جاننا بھی جہالت ہے اور اس کو بکری جاننا بھی جہالت ہے۔

حکومت کے راستے سے ایمان نہیں چلتابلکہ ایمان کے مقابلے پر حکومت ٹوٹ جائے گی۔

جہل،علم کے آگے گھٹنا ٹیکے گا (جھکے گا) پھر آج اس علمِ الٰہی کی کیوں نہیں چلتی اور جہل کی کیوں چلتی ہے؟ اسلئے ہمیں سوچنا ہوگا کہ علمِ الٰہی کے محنت میں کمی ہورہی ہے یا نہیں؟علم ہمارے پاس حضور اقدس ﷺ والا ہے پھر بھی ہمارا انکے سامنے جھکنے کا کیا مطلب ہے؟ آج حکومت ، مال اور زمین والوں کی چل رہی ہے اور حضور ﷺ والا علم نہیں چل رہا ہے۔اگر ہم لوگوں سے کہیں کہ سود حرام ہے تو کوئی نہیں مانے گا اور اگر حکومت یہ کہے تو اسکی بات چلے گی۔اگر مکے والوں کے مطالبے پورے ہوجاتے تو وہ اور سارے عرب والے مسلمان ہوجاتے،مگر اسلام میں انسانوں کی بھیڑ کی ضرورت نہیں ہے بلکہ حقیقی انسان تیار کرنے ہیں۔اسلئے آپ ﷺ نے انکے چیزوں کے مطالبوں اور شرطوں کو پورا نہیں فرمایا۔لوگوں نے حاکم بنانا چاہا،آپ ﷺ نے انکار فرمادیا۔معلوم ہوا کہ حکومت کے راستے سے ایمان نہیں چلتا بلکہ ایمان کے مقابلے پر حکومت ٹوٹ جائے گی۔لوگوں نے مال پیش کیا اس سے بھی انکار فرمادیا اگر مال سے اسلام چلتا تو اس کو آپ ﷺ قبول فرمادیتے۔اسلام اندر کی مایہ اور پونجی سے چلتا ہے اور آپ ﷺ نے اس کی انسانوں میں محنت فرمائی اللہ تعالیٰ نے بھی مال پیش کیا اور حکومت پیش کی،اسکو بھی آپ ﷺ نے رد فرمادیا تاکہ متبعین کو پتہ چل جائے کہ اسلام اندر کی مایہ سے چلتا ہے۔

تقویٰ پر بغیر چیزوں کے کام کرنے کا وعدہ

تقویٰ، اعمال کی مجموعے کا نام ہے۔ تقویٰ پر بغیر چیزوں کے کام کرنے کا وعدہ فرمایا گیا ہے۔ ومن یتق اللہ (الآیۃ) یعنی جو انسان تقویٰ اختیار کرے گا اسکے لئے ہم ہر تنگی سے راستہ بنائیں گے اور ایسی جگہ سے روزی دینگے جس سے اسکو وہم وگمان بھی نہ ہوگا۔ یعنی مسائل سے خلاصی اور انعاماتِ خداوندی، وہم وگمان کے بغیر کی جگہ سے مہیا کریں گے۔

حضرت یوسفؑ جیل میں تھے اور اللہ تعالیٰ نے انکو بغیر وہم وگمان کے مصر کے تخت پر بٹھادیا۔ قرآن کریم میں جتنے وعدے ہیں، وہ تقویٰ ہی پر ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ایمان اور اعمالِ صالحہ کی شرط پر زمین کی خلافت کا وعدہ فرمایا ہے۔ وعدوں کے متعلق سازی باتیں وعدہ کرنے والوں کے ذمہ ہوتی ہے، شرط کی ادائیگی ہم پر ہوگی۔ ایسے سارے وعدے اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو عملی طور پر کر کے بتائے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں۔ کہ عنقریب تمہارا خدا تمہارے دشمن کو ختم کردے گا اور زمین کی خلافت تمہیں دے گا۔ تاکہ وہ تمہیں دیکھیں کہ تم کیسے اعمال کرتے ہو۔ بنی اسرائیل کے واقعات میں کلمہ اور نماز کی محنت کے علاوہ کچھ بھی نہیں تھا۔ ایسی نماز تیار ہو جائے جس پر تقویٰ چلتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ انتظار نہیں کرتے، اپنا وعدہ پورا فرمادیتے ہیں۔

تقویٰ پر غیب سے روزی

تقویٰ پر بغیر کمائی کے (غیب سے) روزی دیں گے اسمیں بھی دو راستے ہیں۔ ایک متعارف طریقہ سے اور دوسرا غیر متعارف طریقہ سے۔ اول طریقہ یعنی خود انسانوں کے واسطہ سے تقویٰ والے کو روزی یا پیسوں کا ملنا اور دوم غیر متعارف طریقہ یعنی بغیر انسانی واسطہ کے پیسے اور روزی دینا۔ حضرت ابوالدرداءؓ سے ان کی باندی نے پیسے مانگے۔ انہوں نے انکار کیا، میرے پاس نہیں ہیں، پھر وہ نماز پڑھنے لگے۔ باندی نے جب بستره جھاڑا تو اسکے نیچے سے چار سو (۴۰۰) اشرفیاں نکلیں۔ باندی نے جب پوچھا تو فرمایا کہ خدا کی قسم! میں نے یہ نہیں رکھی۔

دوسرا یہ کہ چیزیں بغیر پیسوں کے انہی دو طریقوں سے دیتے ہیں۔ حضرت خبیبؓ کے پاس جیل میں بغیر موسم کے انگور کے خوشے ہوتے تھے۔ اس مکان کی غیر مسلمہ عورت کہتی ہے کہ خدا کی قسم! وہ خدا کی طرف سے آتے تھے۔ ایسے واقعات صحابہ کرامؓ اور اولیاء کرامؒ کی تاریخ میں بھرے پڑے ہیں۔

اللہ والا علم اور چیزوں والا علم

اسباب حقیقی قرآن میں ہیں۔ ہر زمانہ میں نبیوں کے پاس علمِ حقیقی تھا۔ فرعون کے پاس چیزوں والا علم تھا۔ حضرت موسیٰؑ کے پاس اللہ والا علم تھا۔ اللہ تعالیٰ نے کوہ طور پر حضرت موسیٰؑ سے پوچھا کہ یہ تیرے ہاتھ میں کیا ہے؟ حضرت موسیٰؑ نے علمِ انسانی سے بتایا کہ لکڑی ہے، میری ہے، اس سے پتے جھاڑتا ہوں، ٹیک لگاتا ہوں، اور دوسری ضرورتوں میں استعمال کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اسے زمین پر ڈال دو۔ جب ڈالا تو وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے سانپ بن گئی۔ اب علمِ انسانی شکل بدلنے سے بدل گیا۔ اب لکڑی کے بجائے سانپ کا علم ہوگیا۔ اب اس سے بھاگنے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ بھاگو نہیں، اسے پکڑو، ہم اسے پھر پہلی حالت پر لے آئیں گے۔ بس! حضرت موسیٰؑ پر ساری شکلوں کا علم کھل گیا۔

علم الٰہی والی بنیاد پر نماز دی گئی

مومنوں کو خوشخبری ہو۔ یعنی نمازیوں میں سے جنکا یقین علمِ الٰہی پر ہوگا انکو خوشخبری دو نماز والے دو قسم کے ہیں۔ ایک علمِ انسانی یعنی شکلوں والے علم کے ساتھ نماز پڑھنے والے اور دوسرے علمِ الٰہی کے یقین کے ساتھ نماز والے۔ یہی نماز پڑھنے والے کامیاب ہونگے۔ نقشوں کے بارے میں علمِ انسانی غلط ہے۔ اور علمِ الٰہی صحیح ہے۔ تیرہ سال مکہ معظمہ میں اسی علمِ الٰہی پر نماز کی محنت کرائی۔ آپ ﷺ بدر میں لڑائی کے موقع پر یہ کہہ کر تشریف لائے تھے کہ دشمن کے ہتھیار چھینیں گے۔ نماز پڑھکر دعا مانگی اور فتح ہوئی۔ بدر والی فتح ہتھیاروں پر نہیں بلکہ غیبی نماز پر ہوئی یہ اس نماز کی فتح ہے جو محنت کرکے اللہ تعالیٰ سے مانگی۔ یرموک کے میدان میں دشمن دس لاکھ کی

تعداد میں تھے اور مسلمان پچیس ہزار تھے۔ حضرت ابو ہریرہؓ ابھر ابھر کر دشمن کی کثرت دیکھتے تھے تو ایک بدری صحابیؓ نے فرمایا کہ آپ ہمارے ساتھ بدر میں نہیں تھے اور فرمایا کہ آدمیوں کی کثرت، کثرت نہیں ہے اور انکی قلت، قلت نہیں، یہ فتح کی بنیاد نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی مدد حقیقی فتح کی بنیاد ہے۔

حضرت علاء حضرمیؓ کا واقعہ

حضرت علاء حضرمیؓ، سیدنا حضرت ابو بکر صدیقؓ کے زمانے میں ایک لشکر کے سپہ سالار تھے۔ ایک جگہ پڑاو ڈالا اور سواری کے جانور مع ساز و سامان بھاگ گئے۔ یوں معلوم ہوتا تھا کہ کسی نے بھگا دیئے ہوں۔ حضرت علاءؓ نے سب کو جمع کیا اور فرمایا کہ (جسکا وضو نہ ہو وہ) تیمم کرے اور نماز پڑھکر اللہ تعالیٰ سے دعا کرے نماز پڑھی گئی دعا مانگی گئی دیکھتے ہیں کہ زمین سے پانی کا چشمہ ابلا۔ ابھی وہ شکر ادا کر ہی رہے تھے کہ جانور مع ساز و سامان آگئے۔ حضرات صحابہ نے اجتماعی زندگی میں بڑھ چڑھ کر علم کی طاقت کو حاصل کیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ایمان بننے کیلئے جتنے سوالات مشرکین نے کئے ان کو پورا کرنے کی بجائے یہی جواب ملا کہ ماننا ہو تو مانو ورنہ تم جانو۔ یہ یقین جو دیکھ کر بنتا ہے۔ اسکا نام "ایمان" نہیں۔ ایمان غیب کے یقین کا نام ہے۔ سورج مغرب سے نکلے گا، اس پر بھی یقین ہو تو وہ ایمان کہلائے گا۔ مگر جب سورج مغرب سے نکل آئے، اسکو دیکھکر یقین کرے تو یہ ایمان نہیں کہلائے گا۔

یزید کی ساری حکومت ہونے کی باوجود اسکی تعریف نہیں کی جاتی، اس لئے کہ وہ نبی کے رنگ سے ہٹا ہوا تھا۔ اور دوسرا جان کا استعمال قرآن اور حدیث کے مطابق کرے اور تیسرا جان کے علاوہ مال کی تقسیم بھی قرآن اور حدیث کے مطابق کرے اور دونوں حال میں برابر چلتا رہے۔ یعنی فراخی اور تنگی دونوں حالت میں۔ جو شخص اس گھاٹی سے نکل گیا اسے تقویٰ آئے گا۔ تقویٰ لانا ہمارا کام ہے۔ اور یہی ہماری زندگی کا موضوع ہو۔ ہر وقت تقویٰ کو اختیار کریں۔ چیزیں ظاہری اسباب ہیں اور ظاہر کو تقویٰ کے ساتھ جوڑ دیں۔ کمائی جیسے فرض ہے ویسے تقویٰ

بھی ضروری اور فرض ہے۔ (حلال) کمائی کی کوئی خاص اور محسوس شکل فرض نہیں ہے۔ کمائیوں ہی میں پڑے رہنے سے اُمت اعمالِ صالحہ کو توڑتی لہٰذا اُمت کو تقویٰ پر لانا ہے۔ ہمیں کسی ملک سے نہ دوستی ہے اور نہ خوف۔ ہماری اپنی بنیاد یہ ہوگی کہ جس ملک میں جائیں، تقویٰ کے ساتھ چلیں۔ جس علاقہ کے عوام میں اسکی بنیا پڑ جائے گی وہاں تقویٰ کی روح پڑے گی۔ اور تقویٰ کی لائن شروع ہو جائے گی...... پھر دعاء فرمائی (اللہ پاک قبول فرمائے اور اُمت کو عمل کی توفیق بخشے، آمین۔

(از الفاروق)

پاکستان کا قاتل کون؟

۱۹۷۵ء کو نظام شریعت کنونشن گوجرانوالہ میں ''مفکر اسلام''
حضرت مولانا مفتی محمودؒ قائد جمعیت علماء اسلام کا ولولہ انگیز خطاب

خطبہ مسنونہ کے بعد...... جناب صدر! برادرانِ ملت، بزرگو اور بھائیو!

نظامِ شریعت کنونشن کا مقصد

نظامِ شریعت کنونشن کا یہ آخری اجلاس ہے، نظام شریعت کے نام سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اس کنونشن کا مقصد اور اس کا پروگرام کیا ہے؟ بڑے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ پاکستان بن جانے کے بعد اٹھائیس، اُنتیس سال گزر چکے ہیں اور جب یہ ملک اسلام کے نام پر حاصل کیا گیا تھا شریعت کے نام پر یہ ملک معرض وجود میں آیا تھا۔ پاکستان کا مطلب کیا؟ ''لا الہ الا اللہ'' کا نعرہ لگا کر مسلمانوں کو پاکستان بنانے پر اکھٹا کیا گیا تھا، لیکن آپ نے دیکھا تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ یہاں کے حکمرانوں نے یکے بعد دیگرے ہمیشہ اسلامی نظام کے قیام سے انحراف کیا، آخر آپ بتائیں اسلام کے نظام میں کیا مشکلات ہیں؟ وہ نظام نافذ کیوں نہیں ہوتا؟ اسمیں رکاوٹ کون ہے؟ مسلمانوں کے متفقہ مطالبات کو کیوں درخورِ اعتناء سمجھا جا رہا؟ یہ جرم کس کا ہے......؟ میں آپ کو بتا دینا چاہتا ہوں کہ چند مغرب زدہ ملحد اور بے دین لوگ جو پاکستان کی سیاست پر مسلسل چھائے رہے یہی لوگ اسلام کے نفاذ کی راہ میں رکاوٹ ہیں۔

میں کہا کرتا ہوں کہ حقیقت میں ہم آج تک آزاد نہیں ہیں، اور آزادی بھی ہو کہ ہے۔ اس لئے جب کوئی قوم آزادی کی جنگ لڑتی ہے، آزادی حاصل کرنے کے بعد پہلے اجلاس کے فیصلے اور سامراجی طاقت کو شکست دینے کے بعد آزاد قوم کی حیثیت سے آزاد حکومت قائم

کرتی ہے تو آزاد حکومت کے لئے پہلے اجلاس میں لازماً ''فیصلے کئے جاتے ہیں'' تاریخ عالم کو دیکھیں کسی بھی غلام قوم نے قربانیاں دے کر جب بھی آزادی حاصل کی تو آزاد گورنمنٹ کی کیبنٹ (کابینہ) نے سب سے پہلے دو فیصلے کئے۔

۱: غداروں کو پھانسی

پہلا یہ کہ آزادی کی جنگ میں قوم سے غداری کس نے کی؟ سامراجی طاقت سے اعزازات اور خطابات حاصل کرنے والے کون تھے؟ سر اور خان بہادر کے خطاب کس نے حاصل کئے؟ اور مراعات کس نے حاصل کیں؟ قوم کے ان حقیقی غداروں کی با قاعدہ نشاندہی کے بعد انہیں قوم کے سامنے پیش کیا جاتا ہے غداری کے جرم میں سزا دی جاتی ہے کسی کو پھانسی کے تختے پر لٹکایا جاتا ہے وہ لوگ جنہوں نے قوم سے غداریاں کیں۔وہ ذلیل وخوار اور تباہ ہو جاتے ہیں، آزاد ملک میں ان کیلئے کوئی جگہ نہیں ہوتی۔

۲: مجاہدین کو اعزازات

دوسرا فیصلہ یہ کیا جاتا ہے کہ وہ کون تھے جنہوں نے جنگ آزادی لڑی؟ وہ کون تھے جنہوں قربانیاں دیں؟ وہ کون تھے جو وطن سے نکالے گئے؟ شہید ہوئے؟ وہ کون تھے جن کی جائدادیں ضبط ہوئیں، جو جیلوں میں گلے سڑے اور مرے؟ ان لوگوں کی بھی با قاعدہ فہرست بنائی جاتی ہے۔ اُنہیں قومی ہیرو قرار دیا جاتا ہے، اُنہیں اعزازات دی جاتے ہیں اُنکی یادگاریں بنائی جاتی ہیں۔ مگر آپ دیکھیں کہ ہم بھی آزاد ہوئے مگر آزادی کے بعد کیا ہوا؟ جو لوگ انگریزوں کے بوٹ پالش کرتے تھے، قوم سے غداری کرتے تھے پاکستان میں با اختیار رہوئے سرداروں اور نوابوں کے بیٹے پاکستان میں اقتدار کی کرسیوں پر ہیں، وہ لوگ آج پاکستان میں معزز قرار دے جاتے ہیں جنہوں نے قوم سے غداری کی تھی اور وہ لوگ جو اس وقت سامراجیوں کی مخالفت کی وجہ سے جیل میں تھے آج بھی جیلوں میں بند ہیں، وہ جنہوں نے انگریزوں کا

مقابلہ کر کے انگریزوں کو یہاں سے جانے پر مجبور کر دیا۔آج سی۔ آئی۔ ڈی انکا تعاقب کرتی ہے۔انہیں غدار اور ففتھ کالمسٹ کہا جاتا ہے۔کتنی عجیب بات ہے کہ انگریزوں کے بوٹ پالش کرنے والے معزز ہیں محب وطن ہیں اور ان سے لڑنے والے، بھڑنے والے غدار، کیا دنیا میں کبھی ایسا ہوا۔

محترم دوستو! اسی لئے میں کہتا ہوں کہ ہم آزاد نہیں ہیں۔ ہمارا مقابلہ انگریز کی نیلی آنکھوں اور گوری چمڑے سے نہ تھا ہم انکے تشدد بے دینی، الحاد اور اسلام دشمنی کی وجہ سے سینہ تان کر انکے سامنے ڈٹ گئے تھے اگر آج پالیسیاں وہی ہوں تو ہمیں پروا نہیں چمڑا گورا ہو، کالا ہو، آنکھیں نیلی ہوں یا کالی، جب تک غداروں کو ٹھکانے نہیں لگا دیتے ہماری جنگ جاری رہے گی۔

محترم دوستو! ہم کہاں تک صبر کریں ہمارے صبر کے پیمانے لبریز ہو چکے ہیں، ہم دیکھتے ہیں پاکستان کی کرسیوں پر براجمان لوگ وفادار نہیں، مشرقی پاکستان کے سکوت کی ذمہ داری کس پر ہے (اہلِ اقتدار کے حوالے سے نعرے لگتے ہیں) بنگلہ دیش کو بنانے کی ذمہ داری کس پر ہے؟ (جواب میں بھٹو پر) ہم نے تو پاکستان کو تقسیم نہیں کیا، ہمارا مزاج اس تقسیم کو قبول نہیں کرتا ہم نے مقابلہ کیا مگر یار لوگوں نے اسے تقسیم کر ڈالا میں بتاونگا کہ کس نے تقسیم کیا ملک کو، میں بتاونگا کس نے بنگلہ دیش بنایا، ہم تقسیم میں حصہ دار نہیں ہیں۔ خدانہ خواستہ پھر ایسی نوبت آئی تو بھی ہماری ذمہ داری نہ ہوگی اس کے وہ ذمہ دار ہوں گے۔ جو تقسیم کے قائل ہیں اگر ہم ہندو کے تقسیم پر بھی راضی نہ تھے تو مسلمانوں کیساتھ تقسیم پر کس طرح راضی ہو سکتے ہیں؟

دو وزیر اعظم و دو قومی اسمبلیاں

”عجیب بات ہے کہ قوم بھول چکی ہے کہ اِدھر تم اُدھر ہم“ نعرہ کس نے لگایا تھا؟ وہی ذمہ دار ہے تقسیم پاکستان کا، وہی ذمہ دار ہے سقوط مشرقی پاکستان کا، وہی ذمہ دار ہے قیام بنگلہ دیش کا، کہا گیا دو قومی اسمبلیاں ہوں، انہی لوگوں کی وجہ سے دو قومی اسمبلیاں بھی بنیں، دو

وزیراعظم بھی بنے، ایک قومی اسمبلی ڈھاکہ میں ایک اسلام اباد میں، ایک وزیراعظم ڈھاکہ میں ایک اسلام اباد میں، اُدھر تم اِدھر ہم کا نعرہ عملی صورت اختیار کر گیا۔ تو کیا ثابت نہ ہو گیا کہ کس نے تقسیم کیا ملک کو؟

دفعہ ۱۴۴ کا پورے ملک میں نفاذ

آج ہم نے جو یہاں اجتماع رکھا یہ کس وقت اور گھٹن کے ساتھ مسجد کے ساتھ منعقد کر رہے ہیں (دفعہ ۱۴۴ نافذ ہے، اجتماعات پر پابندی ہے) آج تقریباً تمام ملک میں ہر جگہ دفعہ ۱۴۴ نافذ ہے، جلسوں پر پابندی ہے، اظہار خیال پر پابندی ہے، تحریر و تقریر پر پابندی ہے، فکرِ خیال پر پابندی ہے، نقل و حرکت پر پابندی ہے پورے پاکستان میں ایک گز زمین ایسی نہیں جہاں آپ آزادی کے ساتھ اجتماع کر سکیں۔ یہ دفعہ ۱۴۴ معمولی سا قانون ہے دستورِ پاکستان جس کا حلف بھٹو نے اُٹھایا، مرکزی وزیروں نے اُٹھایا، سب نے اُٹھایا۔ اس میں بنیادی حق کے ذریعے تحریر و تقریر اور اجتماعات کا حق ملا ہے۔ ملک کا کوئی قانون بھی جب دستور سے ٹکرا جائے تو ملک کا قانون کالعدم ہو جاتا ہے۔ دستور کو فوقیت حاصل ہوتی ہے۔ مگر آج دفعہ ۱۴۴ نافذ ہے۔ دستور کو کوئی پوچھتا نہیں، یہ دفعہ ۱۴۴ کس لئے ہے؟ یہ معمولی قانون اس ضرورت کیلئے ہے کہ اگر کہیں فساد ہو جائے، کسی محلے میں بدامنی پھیل جائے، دو فریق آمنے سامنے ہوں، فساد کا شدید خطرہ ہو۔ اتنے وقت کیلئے جس میں فساد فرو ہو جائے۔ یہ قانون لاگو ہوتا ہے۔ مگر آج یہ سارے پاکستان پر لاگو ہے۔" جناب بھٹو یہ بتائیں کیا سارے پاکستان میں بدامنی اور فساد ہے؟ کیا سارا پاکستان فساد زدہ علاقہ ہے؟ پورے پاکستان کی سرزمین میں ایک گز کا ٹکڑا بھی اس سے مستثنیٰ نہیں؟ اگر پورا پاکستان فساد زدہ ہے تو میں بھٹو سے کہونگا کہ تم پاکستان کی ایک گز زمین پر بھی امن قایم رکھنے میں ناکام ہو گئے تو پاکستان کی ہزاروں مربع میل سرزمین پر حکومت کا حق تمھیں کیسے حاصل ہے؟ میں کہتا ہوں تم مستعفی ہو جاؤ۔

محترم دوستو! ہم کہتے ہیں ہم بتاتے ہیں تمام پاکستان میں فساد نہیں تمام پاکستان فساد

زدہ علاقہ نہیں صرف سیاسی مخالفین کا سیاسی عمل، سیاسی سرگرمیاں روکنے کیلئے عوام کے دستوری حقوق غصب کر لئے گئے ہیں۔ عوام کے آئینی حقوق سلب کرنے کا کسی کو حق نہیں۔ جو ایسا کرتے ہیں انہیں مستعفی ہونا چاہیئے۔ (گرج کر) کیوں ہم پر وارد ہو، کیوں ہم پر نازل ہو، چھوڑو ہماری جان۔

پچاس سال سے قوم غلام ہے

ان حالات میں آزادی کی نعمتیں اور مسرتیں کیسے محسوس کریں؟ اور اب پچاس سال سے قوم پسی جا رہی ہے۔ کہیں لوگ یہ کہنے پر مجبور نہ ہو جائیں، اس آزادی سے تو غلامی بہتر تھی۔ میرے نزدیک آزادی کا ایک لمحہ غلامی کے ہزار برس سے بہتر ہے، افضل ہے اچھا ہے۔ مگر ہمارے حکمرانوں نے ہماری آزادیاں سلب کر لی ہے۔ آزادیاں سلب کرنے والوں کو ہم پر حکومت کرنے کا کوئی حق نہیں۔

محترم دوستو! ہم اس سلسلے میں یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ آج پاکستان میں جمہوری عمل روک دیا گیا ہے جمہوریت کا گلہ گھونٹ دیا گیا ہے۔ جمہوری اِدارے غیر ضروری بنا دیئے گئے ہیں اسی لئے تو ہم نے اسمبلی کا بائیکاٹ کیا یہ بائیکاٹ ۹ مہینے جاری رہا۔ سینٹ میں، قومی اسمبلی میں، تمام اسمبلیوں میں اپوزیشن کے بنچ خالی رہے مگر بائیکاٹ خود بخود مقصود نہ تھا، اسکے لئے ہمیں مجبور کر دیا گیا۔ ہم چاہتے تھے کہ اگر خود ان میں حیاء نہیں تو بین الاقوامی حالات سے مجبور ہو کر عوام کو حقوق دے دیں۔ مگر ہوا کیا؟ ایسے بے حیالوگوں سے واسطہ پڑا۔ ایسے لوگوں سے واسطہ پڑا کہ نو ماہ کے بائیکاٹ کے باوجود شرم کا ایک قطرہ ان کے ماتھے پر نہ آیا۔ آخر ہم نے سوچا کہ احتجاج کا کوئی اور طریقہ سوچیں۔ چنانچہ متحدہ محاذ کی میٹنگ میں بائیکاٹ ختم کرنے کا جو فیصلہ ہوا، اسکا یہ مقصد نہیں کہ ختم ہو گیا۔ اب ہم نئے طرز کی تحریک شروع کرنے والے ہیں، عوامی تحریک شروع کرنے والے ہیں۔ ہم ملک بھر میں عوام کے پاس جا کر ان مظالم کی تفصیلات پیش کریں گے۔ ہم عوام کو متحد کر کے ظالموں کا مقابلہ کرنے کی دعوت دیں گے۔

ضمنی انتخابات کا بائیکاٹ

میرے دوستو! یہی وجہ ہے کہ ہم نے ضمنی انتخابات کا بائیکاٹ کیا، تمام ضمنی انتخابات کا بائیکاٹ کیا۔ بہت سے دوست کہتے ہیں کہ ان میں حصہ لو، یہ جمہوری عمل جاری رکھنے کا دور ہے۔ مگر جس ملک میں اکثریت اور اقلیت کی تمیز ختم ہو جائے وہاں جمہوری عمل کا تصور کیسا؟ بلوچستان میں ہم نے ۱۹۷۰ء کے انتخابات میں ان کو شکست دی۔ ستر کے بعد کوئی عام انتخاب نہیں ہوا۔ ستر کے انتخابات میں صوبہ سرحد میں PPP کو صرف اڑھائی سیٹیں ملیں ،ایک آواز آئی اڑھائی کیسے؟

وہ ایسے کہ حیات شیر پاو مرحوم پیپلز پارٹی کا امیدوار تھا اس کے ساتھ قیوم خان کا مقابلہ تھا، شہر کے حلقے میں صوبائی انتخابات سے پہلے اسی حلقے سے قومی اسمبلی کی نشست کیلئے قیوم خان کھڑے تھے، قیوم خان نے شیر پاو کو شکست دی، پھر دس دن بعد شیر پاو نے قیوم خان کو شکست دے دی۔

صوبائی انتخابات میں تو جناب یہ دس دن میں سے کیا کیسے ہو گیا؟ ایسے ہو گیا کہ NAP نے اپنے امیدوار لالا ایوب کو شیر پاو کے مقابلے میں بٹھا دیا، اگر نیپ نہ بٹھاتی تو جو حشر شیر پاو کا قومی کی سیٹ پر ہوا تھا، وہی صوبائی نشست پر ہوتا، چونکہ شیر پاو کی کامیابی آدھی PPP اور آدھی NAP کی وجہ سے ہوئی اسلئے میں کہتا ہوں کہ یہ آدھی سیٹ ہے۔ بیالیس کی صوبائی اسمبلی میں ڈھائی سیٹیں اور قومی اسمبلی میں ۱۹ سیٹوں میں سے پیپلز پارٹی نے صرف ایک حاصل کی۔ مردان کی سیٹ، عبدالخالق خان کی سیٹ مگر چند دن کے بعد عبدالخالق خان ان سے الگ ہو گئے، آج قومی اسمبلی میں ہمارے ساتھ بیٹھتے ہیں۔ پیپلز پارٹی کا کوئی منتخب شدہ نمائندہ قومی اسمبلی میں نہیں۔

فرنٹیئر نے PPP کو مکمل مسترد کردیا

محترم دوستو! فرنٹیئر نے مکمل طور پر پیپلز پارٹی کو مسترد کر دیا اور صرف پیپلز پارٹی نہیں وہاں تو پیپلز پارٹی کے چیئر مین صاحب بھی مسترد ہو گئے (جناب بھٹو ڈیرہ اسماعیل خان کی نشست سے مفتی محمودؒ کے مقابلے میں الیکشن لڑے تھے، جیت مفتی صاحبؒ کو ہوئی تھی جہاں سے پارٹی اور پارٹی کے چیئر مین صاحب مسترد ہو گئے) وہاں آج کس کی حکومت ہے۔

بلوچستان میں پیپلز پارٹی کی زیرو (صفر) پوزیشن تھی، قومی اور صوبائی سب نشستوں پر اسکے امیدواروں کی ضمانتیں ضبط ہوئیں۔ کسی ایک کی بھی ضمانت نہ بچی مگر آج دیکھو کون کر رہا ہے حکومت؟ (آوازیں بھٹو) تو واضح ہو گیا، معلوم ہو گیا۔ انتخاب اور اسمبلیوں کی انکے نزدیک کوئی وقعت نہیں۔ تم جیتو تو بھی حکومت انکی، وہ جیتیں تو بھی انکی ایسی جمہوریت پر میں لعنت بھیجتا ہوں۔

جب انتخابات پر سے اعتماد اُٹھ گیا، جب اسمبلیوں پر اکثریتی پارٹیوں کو جیلوں میں ٹھونس کر، جرگوں سے اٹھائیس، اٹھائیس برس کی سزائیں دے کر سیٹیں خالی کرالی جائیں بیلٹ پیپر پر اعتماد کیسے رہے گا، یہ الیکشن نہیں سلیکشن ہے، سلیکشن کو قبول کرنے پر قطعاً ہم تیار نہیں۔

انیس اکتوبر کو پنجاب کی صوبائی اور کراچی کی قومی انتخابات کے نتائج بھی دیکھ سن لئے آپ نے، میں نے کہا تھا منصفانہ انتخابات کی صورت میں ۹۵ فیصد ووٹ لاہور میں کھرے ہیں، مگر دھاندلی سے نتیجہ کیسے نکالا گیا؟ ووٹر ووٹر کا نہیں بلکہ ووٹر اور دھاندلی کا مقابلہ ہے، ایسی صورت میں جمہوری عمل جاری کرنے کی بات کرنا خود کو اور دنیا کو دھوکہ دینے کی مترادف ہے۔ ان حالات میں سوائے بائیکاٹ کے ہم کیا کریں؟ اخبارات پر پابندی ہے، ہماری بات اخبارات میں نہیں چھپ سکتی، عظیم اجتماع سامنے ہے، میں شرطیہ کہتا ہوں کہ اخبارات اور ریڈیو کے ذریعے ہماری بات، ہماری آواز عوام تک نہ پہنچے گی۔

سیاسی قتل

سیاسی قتل کئے جا رہے ہیں، سیاسی مخالفوں کو گولیوں کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔ ڈاکٹر نذیر احمد MNA کو ڈیرہ غازی خان میں شہید کر دیا گیا، مولانا شمس الدین ڈپٹی سپیکر بلوچستان اسمبلی کو ایک شقی القلب کے ذریعے قتل کرایا گیا۔ عبدالصمد خان اچکزئی MPA پر بم پھینک کر قتل کرایا گیا، خواجہ رفیق کو لاہور میں شارع عام پر شہید کرایا گیا۔ احمد رضا خان قصوری MNA پر قاتلانہ حملہ کرایا گیا، جس میں انکے والد (نواب محمد احمد خان) شہید ہو گئے۔

کسی بھی مقتول کے قاتل کو پکڑا نہیں گیا، ۲۳ مارچ ۱۹۷۳ء کو پنڈی لیاقت باغ میں ہم پر تین، چار گھنٹے تک گولیاں چلائیں گئیں، ہزاروں سروں سے گزریں، بارہ، تیرہ جانیں ضائع ہوئیں، سینکڑوں آدمی زخمی ہوئے، جمعہ کا دن تھا جمعہ پڑھنے کے بعد کھلے بندوں ایک میدان میں ہمارا جلسہ تھا، ایک منصوبے کے تحت حملہ کیا گیا مگر ایک شخص گرفتار نہیں ہوا، نہ عدالت کے ذریعے تحقیقات کا اہتمام ہوا، سیاسی قتل کا قاتل ہمیشہ نامعلوم ہوتا ہے، سیاسی قتل کی نشاندہی یہ ہوتی ہے کہ اسکا قاتل گرفتار نہیں ہوتا...... معلوم ہوتا ہے تب بھی نہیں معلوم ہوتا۔

پاکستان کا قاتل بھٹو!

پاکستان کا قاتل بھی سب کو معلوم ہے پر پھر بھی نامعلوم ہے۔ تیرہ کروڑ انسانوں کے پاکستان کا قاتل جس نے سر ادھر اور دھڑ ادھر کرا دیا جسم زخموں سے چور چور ہے لاش پڑی ہے مگر قاتل اسی طرح نامعلوم ہے! جہاں یہ حالت ہو، سیاسی قتل ہوں، شہری آزادیاں سلب ہوں۔ ایسا کرنے والوں حکمرانوں کا کیا حشر ہوگا؟ انشاء اللہ! بہت جلد آپ دیکھیں گے حشر ان کا۔

پہلے کہا جاتا تھا سندھ اور بلوچستان کے لوگ غدار ہیں، سرحد کے لوگ غدار ہیں، اس لئے غدار ہیں کہ صوبائی خودمختاری کا مطالبہ کرتے ہیں مگر اب پنجاب بھی غدار ہو گیا۔ غداری قدر مشترک ہو گئی، پنجاب سے غلام مصطفیٰ کھر اور حنیف رامے صوبائی خودمختاری کا مطالبہ

کر رہے ہیں اگر صوبائی خودمختاری کا مطالبہ کرنا غداری ہے، اگر جائز حق ماننا غداری ہے تو ہم سب غدار ہیں، ہمیں خوشی ہے کہ ہمارے ساتھیوں میں اضافہ ہوا۔

مجھے پنجاب کے لوگوں سے شکایت ہے، میں پنجاب کے لوگوں سے گلہ کرنے آیا ہوں۔ آپ نے ستر کے انتخابات میں دھوکہ کھا کر ایک پارٹی کو ووٹ دیا، روٹی کپڑا مکان کے نعرے کا دھوکہ کھایا، سرحد کے لوگ، بلوچستان کے لوگ آپ سے زیادہ غریب ہیں اُنہوں نے روٹی، کپڑا اور مکان کا دھوکہ نہیں کھایا، آپ نے کیوں کھایا؟ آپ دانشور ہیں آپ تعلیم یافتہ ہیں، آپ کھاتے پیتے ہیں۔ وہ غریب ہیں، مفلس ہیں، قلاش ہیں، ان پڑھ ہیں اور اُنہیں روٹی تو کجا پینے کا پانی بھی نہیں ملتا۔ وہ غلط فیصلہ نہ کر پائے، آپ نے کیوں کیا؟ یہ اجتماع ثبوت ہے اس بات کا کہ آپ ستر کے فیصلے پر نادم ہیں۔

آپ دیکھ لیں ہم نے فیصلہ صحیح کیا تو وہاں حکومت کرنے کا حق حاصل ہوا، ہم نے حکومت بھی کی۔ مگر مرکز میں آپ نے جس پارٹی کو آگے بڑھایا۔ آج وہ آپ ہی کی فراہم کردہ طاقت کو غلط استعمال کر کے بلوچستان میں، سرحد میں لوگوں پر ظلم کرا رہی ہے۔ سرحد اور بلوچستان کے ہزاروں لوگ جیلوں میں ہیں، کیوں؟ کیا اسلئے کہ ہم نے اُنہیں مسترد کر دیا تھا۔

پنجاب نے غلط فیصلہ کیا

محترم دوستو! پنجاب کی بخشی ہوئی طاقت کو بھٹو نے استعمال کر کے ہم پر ظلم کیا۔ میں گلہ کرنے آیا ہوں۔ میں گلہ کرتا ہوں کہ تم نے غلط فیصلہ کر کے ان کو طاقت بخشی اور وہی طاقت ہمارے پر ظلم کرنے کیلئے استعمال ہو رہی ہے۔ آپ نے اپنا بیڑا بھی غرق کر دیا اور ساتھ ہی ہمارا بھی۔ ہمارا آپ پر قرض ہے، ہمارا قرض واپس دو، میں قرضہ واپس مانگنے آیا ہوں۔ قرضہ واپس اسطرح دو کہ آئندہ انتخابات میں ووٹ ظالم طاقتوں کو نہ دو۔

ہم وہاں سرحد میں اپنے حق کے مطابق حکومت کر رہے تھے۔ ہمارے خلاف پروپیگنڈہ تھا کہ مولوی حکومت نہیں کر سکتا۔ ہم نے عملی ثبوت دیا کہ ہم حکومت کر سکتے ہیں اور

اچھی طرح کر سکتے ہیں دفعہ ۱۴۴ کے زور پر حکومت کرنا کوئی حکومت نہیں۔ آنسو گیس کی مدد سے حکومت کرنا ذلیل انسان کا کام ہے۔ حکومت ہم نے بھی کی، ساڑھے نو ماہ کی، میں چیلنج کرتا ہوں کہ ثابت کرو کہ میں نے اس دوران کسی جگہ دفعہ ۱۴۴ نافذ کی؟ پولیس نے ایک بھی شہری پر ڈنڈا مارا؟ یہ ثابت کر دیں، میں سیاست سے ریٹائر ہو جاونگا۔ اگر ثابت کر دیں کہ میرے دور میں پولیس کی ایک گولی بھی عوام پر چلی ہو، میں انکا مقابلہ کرنا چھوڑ دوں گا، یہ ثابت کر دے اس دوران کسی اجتماع کو منتشر کرنے کیلئے آنسو گیس کا ایک گولہ بھی پھینکا گیا ہو تو میں قوم کی عدالت میں کھڑا ہوں، قوم مجھے سزا دیں۔ میں مولوی ہونے کے باوجود دفعہ ۱۴۴ کے بغیر، لاٹھی گولی کے بغیر، آنسو گیس کے بغیر حکومت کر سکتا ہوں اور تم نہیں کر سکتے۔ تم نہیں کر سکے تو مستعفی ہو جاو۔

مجھے فخر ہے کہ میں نے شہری آزادیاں بحال رکھیں اسلئے کہ میں نے ساری زندگی شہری آزادیوں کی بحالی کیلئے جہاد کیا۔ میں شہری آزادیاں کیسے سلب کرلوں؟ میں جلسے کا جواب جلسے سے دوں گا، مرکز کے وزراء آئے، صوبے میں فتنے پیدا کرنا چاہے، جلسہ ہائے عام میں اشتعال انگیز تقریریں کیں، مزارعین سے کہا زمینداروں کو چڑیوں کی طرح مارو، بندوق کا نشانہ خالی نہ جائے، ہمارے خلاف عوام کو اکسانے کیلئے ہر حربہ استعمال کیا گیا۔ جلسے اور جلوس ہوئے۔ مگر ہم مطمئن تھے کہ سیاسی مقابلہ کر سکتے تھے۔ ہم نے جلسے کا جواب جلسے سے دیا۔ مرکز کی فتنہ پرور پالیسیوں کو ناکام بنا دیا مگر یہ تو ڈرتے ہیں (گرج کر) میں کہتا ہوں یہ اپنی جمہوریت دشمن حرکتیں بند کر دیں۔ شہری آزادیاں بحال کر دیں۔ جلسے، جلوس کی اجازت دیں تو میں دعویٰ سے کہتا ہوں، ایک ماہ کے بعد بھٹو کی حکومت قائم نہیں رہ سکتی۔

انگریز کے تربیت یافتہ حکمران

یہ لوگ کیا حکومت کریں گے؟ یہ جانتے ہی نہیں حکومت کرنا، انہیں آتا ہی نہیں حکومت کرنا۔ یہ تو انگریز کے اشارے پر چلنے والے لوگ ہیں۔ انہوں نے یہی سیکھا (دونوں ہاتھ جوڑ کر) جی حضور، اسلم خان خٹک نے جنہوں نے ہماری پارٹی سے غداری کر کے بھٹو سے

گورنری لی۔ گورنر بنے تو اعلان کیا بھٹو صاحب کی خواہش میرے لئے حکم کا درجہ رکھتی ہے۔ کوئی بات نہیں کوئی بات نہیں وہ ٹوڈی روایات کا حامل ہے۔

ہم جانتے تھے بھٹو ہم سے غلط کام کرانا چاہتا ہے۔ دو راستے تھے ایک یہ کہ جی حضور کی حکومت کریں۔ دوسرا راستہ تھا عزت نفس کا۔ ہم نے کرسی کو لات ماردی، عزت نفس کو قائم رکھا، کرسی کی حیثیت کیا ہے؟ اُصولوں پر قائم رہنا انسانیت ہے۔ خوشامدی بن کر بیٹھنا، بے عزت ہو کر کرسی پر بیٹھنا انسانوں کا کا۔ ہم نے استعفیٰ دیا۔ تو میری منتیں کیں، پھر اقتدار سنبھالو، میں نے انکار کر دیا۔ جو بعد میں آئے (گنڈا پور کا نام نہیں بینہ) انکو کان سے پکڑ کر نکال دیا، انکا حشر بُرا ہوا۔

جہاں تک اسلامی نظام کا تعلق ہے۔ میں بتانا چاہتا ہوں کہ آپ کو اسلام دشمن ذہن کا مقابلہ کرنا ہے۔ یہ ذہنیت اسی ٹولے کو انگریز سے ورثے میں ملی ہے، اس ذہن کو شکست دینا ہوگی انقلاب شکلوں کی تبدیلی سے نہیں آتا۔ غلام محمد آیا، سکندر مرزا آیا، ایوب خان، یحیٰی خان اور پھر بھٹو خان یہ شکلوں کی تبدیلیاں ہیں، ذہن تو وہی ہے۔ ہمیں تو بنیادی طور پر ذہن تبدیل کرنے ہیں۔ ہمارا مقابلہ ذہنوں سے ہے۔ شکلوں سے نہیں۔

اسلام کیسے نافذ کیا جائے؟

سوال یہ ہے اسلام کا نظام کیسے لائے، کیسے نافذ کریں؟ جو لوگ اپنے پانچ ساڑھے پانچ فٹ کے چھوٹے ملک (جسم) میں نظام اسلام کو نافذ نہیں کر سکتے، جن کا منہ غریبوں کا خون چوس چوس کر لال سرخ ہو۔ جن کے دامن پر غریبوں کے خون کے چھینٹے ہوں، وہ لاکھوں میل پاکستان پر کیسے نظام اسلام لاسکیں گے؟ ان لوگوں سے خیر کی توقع نہیں۔ ہمارے بعض ساتھی کہتے ہیں، یہ نظام اسلام نافذ کر دیں گے تو مقابلہ چھوڑ دیں۔ میں اس بات کا مخالف ہوں۔ ہم تو پہلے اُنہیں نکال کر باہر کریں گے کیوں کہ اس کے بعد ہی نظام اسلام نافذ ہو سکے گا۔

محترم دوستو! جب آئین بن رہا تھا، ہم نے اسوقت بھی بائیکاٹ کیا تھا۔ بائیکاٹ ختم

کرنے کیلئے ہم نے دستور میں گیارہ ترامیم کرنے کا مطالبہ کیا۔ آخری خواندگی مکمل ہونے والی تھی۔ پاس ہونے میں پانچ منٹ باقی تھے کہ شیخ رشید ہمارے وزیر خوراک جو خود ایک چھٹانک خوراک ہضم نہیں کر سکتے۔ قوم کو کیا دیں۔ خیر شیخ رشید کہہ رہے تھے، ہم نے آئین پاس کر دیا اب کچھ نہیں ہو سکتا۔ ہمارا فیصلہ اٹل ہے۔ بھٹو صاحب نے بات چیت کے بعد ہمارے سات مطالبات مان لئے، چار نہ مانے۔

آئین پاکستان میں بنیادی حقوق

چار میں سے ایک یہ تھا کہ دستور میں بنیادی حقوق کی دفعات میں یہ حق بھی شامل کر لیا جائے کہ عوام عدالت کے ذریعے روٹی، کپڑا اور مکان وصول کر سکیں۔ بھٹو نے کہا میں یہ چیزیں کہاں سے دوں گا؟ ہم نے کہا آپ نے نعرہ کیوں لگایا؟ کہا نعرہ تو لگایا مگر کروڑوں کو کیسے دوں؟ روٹی، کپڑا اور مکان۔ ہم نے کہا یہ دفعہ پانچ سال تک نافذ نہ ہوگی۔ پانچ سال بعد نافذ سمجھی جائے گی۔ کہا پانچ سال بعد کیسے دوں گا؟ ہم نے کہا دس سال بعد۔ اس پر بھی نہ مانے۔ پنجاب کے لوگو! جس نعرے پر آپ سے ووٹ لئے گئے، اس کو عملی صورت دینے سے انکار کر دیا بھٹو صاحب نے...... تو بات ہو رہی تھی ترامیم کی۔ ہم اسمبلی میں گئے تو پیرزادہ صاحب آئے۔ آئین میں ترمیمیں پیش کیں جو پاس ہو گئیں اور شیخ رشید کے چیلنج دھرے کے دھرے رہ گئے۔

ختم نبوت کا مسئلہ ہم نے حل کرایا

سب سے پہلے ہم نے مطالبہ کیا کہ پاکستان کا سرکاری مذہب اسلام ہو۔ ختم نبوت کا مسئلہ رکھوایا۔ بھٹو صاحب کہتے ہیں، یہ مسئلہ ہم نے حل کیا۔ یار لوگ انہیں محافظ ختم نبوت بھی کہتے ہیں! مگر در حقیقت یہ مسئلہ ہم نے حل کرایا۔ دیکھیں ایک آمر جس سے قوم مطالبہ کرتی ہے۔ اگر قوم کے سامنے جھک جائے تو سہرا اسکے سر ہے یا قوم کے؟

برطانیہ کے وزیر اعظم مسٹر اٹیلی نے آزادی کا مطالبہ مان کر ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو آزادی

کا اعلان کیا، اس کا سہرا اٹیلی کے سر ہے یا قوم کے؟ اگر آزادی کا اعلان کیا اس کا سہرا اٹیلی کے ہے یا قوم کے؟، اگر آزادی کا سہرا اٹیلی کے سر ہے تو ختم نبوت کے مسئلہ کو طے کرنے کا سہرا بھی بھٹو صاحب کے سر ہے۔ الجزائر کے آٹھ لاکھ مسلمان فرانس کے مقابلے میں سیسہ پپر ہو جاتے تب کہیں جا کر ڈیگال آزادی دینے پر آمادہ ہوتا ہے تو کیا ڈیگال نے آزادی دی؟

بھٹو صاحب نے قوم کے سامنے جھک کر مطالبہ مان لیا ہے اور کہتا ہے سہرا میرے سر ہے۔ اسلامی آئین کے نفاذ میں بہرحال اپوزیشن کا بہت گہرا کردار مگر سوال یہ ہے کہ آئین کے نفاذ کے بعد اسلامی قوانین کی عملی صورت بھی نظر آئی؟ پھر کس منہ سے دعویٰ کرتے ہیں کہ اسلامی قوانین نافذ کئے۔ میں دعویٰ سے کہتا ہوں کہ حکومت ہمارے حوالے کردو۔ اگر چھ ماہ میں مکمل طور پر اسلامی نظام نافذ نہ کریں تو ہمیں پھانسی پر لٹکا دو۔

بھائیو! میں نعروں سے دھوکہ دینے والا نہیں ہوں۔ نعروں سے دھوکہ کھانے والا بھی نہیں ہوں۔ میں سب جانتا ہوں۔ ہاں تو ہم ان سے مایوس ہو گئے ہیں۔ ہم انہیں بتانا چاہتے ہیں کہ نظام شریعت کانفرنس ایسی وقت میں بلائی گئی ہے۔ جب عوام موجودہ حکومت سے مایوس ہو چکے ہیں۔ وہ جان چکے ہیں۔ ان تلوں میں تیل نہیں۔ اس لئے میں آج اس کنونشن میں اعلان کرنا چاہتا ہوں، اسکا فیصلہ مجلس شوریٰ نے کیا ہے۔ میں اعلان کرتا ہوں ملک بھر میں شرعی عدالتیں قائم کرنے کا۔

شرعی عدالتوں کے قیام کا اعلان

اسلامی قوانین کے نفاذ کیلئے، مسلمانوں کے تمام مقدمات و معاملات طے کرنے کیلئے شرعی عدالتیں قائم کرنے کا اعلان کرتا ہوں۔ ہر ضلع میں شرعی عدالت قائم کی جائیگی۔ صوبے میں بھی اور مرکز میں بھی۔ مرکز میں تین جج ہوں گے جو صوبے کے بورڈ (قاضیوں) کا انتخاب کریں گے۔ اسکے بعد ہر ضلع میں شرعی عدالتوں کی نامزدگی ہوگی۔ ہم دعوت دیں گے۔ مسلمانوں کو کہ اپنے مقدمات ان عدالتوں میں لاؤ جب تک کہ حکومتیں شرعی عدالتیں قائم نہیں کرتی۔

جو مقدمہ قابل دست اندازی پولیس نہیں۔ جن میں سرکار ملوث نہ ہو۔ ان مقدمات کے فیصلے آپ پر فرض ہے کہ اپنے مقدمات کے فیصلے ان شرعی عدالتوں میں لائیں۔

مرکز میں جن تین قاضیوں کی، قاضی القضاۃ کی نامزدگی آج شوریٰ نے کی۔ وہ ہیں حضرت مولانا سرفراز خان صفدر، حضرت مولانا عبدالکریم صاحب بیر شریف (سندھ) والے اور تیسرا میرا نام (مفتی محمودؒ) بہت جلد ملک میں، ہر ضلعے میں عدالتیں قائم ہو جائیں گی۔

اگر اسلام کے احکام کے مطابق یہاں حدود و قصاص نافذ ہو جائیں تو معاشرے کی اصلاح ہو جائے۔ آپ نے دیکھا کہ شاہ فیصل کو اپنے بھتیجے نے شہید کیا قاتل شہزادہ تھا، شاہی خاندان کا فرد تھا مگر اسلامی قانون کے سامنے اس کو بھی سر جھکانا پڑا، جلاد نے اسکی گردن کاٹ کر رکھ دی۔ اگر یہی نظام لایا جائے تو قتل و غارت رک جائے گی۔ اگر ایک چور کا ہاتھ کاٹ دیا اور گجرانوالہ کے بازار یا شیرانوالہ گیٹ میں لٹکا دیا تو پھر چوری نہ ہوگی۔ میں دعویٰ سے کہتا ہوں کہ دوسرا ہاتھ کٹنے کی نوبت نہ آئے گی۔ حضور ﷺ کے پورے دور میں صرف ایک ہاتھ کٹا۔

بنو مخزوم قبیلہ کی ایک عورت فاطمہ نامی نے چوری کی۔ قبیلے والوں نے کہا اگر اسکا ہاتھ کٹ جائے تو پورے قبیلے کی ناک کٹ جائے گی۔ حضرت اُسامہ ابن زیدؓ کو سفارش کی، حضور ﷺ کی خدمت لے گئے، اُسامہ نے عرض کیا حضور ﷺ نے غصے میں فرمایا۔ اے اسامہ! اللہ کی قانون کے خلاف سفارش کرتے ہو۔ اگر محمد ﷺ کی بیٹی فاطمہؓ بھی چوری کرتی تو خدا کی قسم اسکا ہاتھ بھی کاٹ دیا جاتا بھائیو! اگر حدود قائم ہو جائیں تو پاکستان میں بھی چوری، بدکاری اور قتل وغارت کا خاتمہ ہوسکتا ہے۔

بھٹو صاحب کہتے ہیں، میری پارٹی میں چور گھس آئے، میری پارٹی میں سمگلر آگئے، میری پارٹی میں بلیک میلر آگئے۔ (ایک آواز ڈاکو اور جیب تراش بھی) ہاں وہ بھی آگئے، اور تم اس پارٹی کے چیئرمین صاحب ہو تو اسلامی نظام آئے گا تو یہ نہ ہوگا۔

ہم خدا کے گھر میں عہد کرتے ہیں اپنی جانیں، عزت و آبرو سب کچھ اسلامی

قانون کی نفاذ کیلئے قربان کردیں گے۔اس اعلان کے بعد آپ آرام سے نہ بیٹھیں۔کنونشن کے اس فیصلے کو گھر گھر پہنچائیں انشاءاللہ شرعی عدالتوں سے فیصلے کرانے کا پیغام جگہ جگہ پہنچادیں۔

وآخردعوانا ان الحمد لله رب العالمين

(از خطباتِ جمعیت)



طلبہ سے چند ضروری باتیں

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم ...... امابعد

میرے عزیز طالب علم بھائیو! اتفاق سے آپ کی خدمت میں حاضر ہونے کا موقع ملا ہے، اسکو غنیمت جان کر تھوڑے سے وقت میں تین باتوں کے متعلق کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔

ا..... آج کیا حالات ہیں۔؟ ۲......ان حالات میں آپ کی کیا ذمہ داریاں ہیں۔؟

۳.... کون سے فرائض آپ کے متعلق ہیں؟

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ آپ طالب علم ہیں۔ اور ایک بڑا اہم فرض اس وقت آپ سرانجام دے رہے ہیں

ایک زمانہ تھا طالب علم سے کہا جاتا تھا کہ طالب علم اگر اچھی نیت سے ہے اور تعلیم سے مقصد اصلاح نفس اور اشاعت دین ہے، یعنی خود دین کو سمجھ کر دوسروں تک پہنچانا مقصود ہے اور خلوص قلب کے ساتھ یہ فریضہ انجام دیا جارہا ہے۔تو بڑا مبارک عمل ہے اور اگر نیت اچھی نہیں، تعلیم کا حصول دُنیاوی اغراض کی تکمیل کیلئے ہے، تو یہ مشقت اور محنت کچھ نہیں پھر یہ ایک نامبارک اور نامسعود عمل ہے۔چنانچہ حدیث میں آتا ہے کہ:

اگر ایک شخص ایسا علم حاصل کرے جو اللہ کی رضا کیلئے نہ ہو اور علم حاصل کرتا ہے دنیاوی اغراض کی تکمیل کیلئے، وہ جنت کی خوشبو تک نہیں پائے گا۔

اخلاص اور حسنِ نیت طالب علم کیلئے شرط ہے

اسلئے اخلاص اور حسنِ نیت یہ طالب علم کیلئے، اور اسکی محنت کو عبادت بنانے کیلئے شرط ہے، لیکن میں سمجھتا ہوں کہ آج کی دُنیا میں ایک شخص کو یقین حاصل ہے کہ علمِ دین کے حصول کے بعد

میرے لئے دُنیا کے تمام عہدے ختم ہیں اور مشاہرات بند ہیں اور یہ علم آج اس دُنیا میں دُنیا تک پہنچنے کا ذریعہ نہیں بن سکتا، اسکے باوجود وہ علم دین کے حصول کیلئے اپنے آپکو فارغ کرتا ہے تو یہ اُسکے حُسنِ نیت کی دلیل ہے۔ آپ بتائیں کہ اس علم کے حصول کے بعد دولت کا کونسا دروازہ کھل سکتا ہے؟ اگر اغراض دنیا مقصد ہو تو دوسرے دروازے بھی کھلے ہیں، آپ کی کوشش بخیر اور مُبارک ہے،

طالب علم کیلئے نبی ﷺ نے خیر کی وصیت کی ہے

آپ کے اساتذہ جن کے پاس آپ آئے ہیں، آپ کیلئے نبی ﷺ نے ان کو خیر کی وصیت کی ہے آپ ﷺ نے فرمایا...... تمھارے پاس دور دراز سے سفر کر کے آئیں گے، بڑی محنت کا سفر کر کے اُونٹوں پر سوار ہو کر آئیں گے، میں انکے بارے میں خیر کی وصیت کرتا ہوں۔

لیکن اس علم کے حصول کے بعد آپکو کیا کرنا ہے؟ آپ عالم ہو جائیں گے اسکے بعد آپ نے اپنی زندگی کو کس طرز کا بنانا ہے اور زندگی کا مقصد کیا متعین کرنا ہے، یہ مقصد سمجھانے سے حل ہوگا

علم حاصل کرنے کے بعد کیا کرنا چاہیئے؟

آج کل لوگوں کے ذہن میں ایک بات کافی حد تک سرایت کر چکی ہے، آج لوگوں کا ذہن یہ ہے کہ تقویٰ طہارت اور تقدیس و پاکبازی کی علامت یہ ہے کہ آدمی مسجد میں ۲۴ گھنٹے خدا کے سامنے سجدہ کرے اور روئے، اور اسکے ساتھ ساتھ درس و تدریس کا شغل رکھے، گویا کہ مسجد کا ہو جائے، بیرون مسجد سے کوئی تعلق نہ ہو لیکن دنیا میں کفر والحاد پھیلے، زنادقہ کی اشاعت ہو اور بدعات و شرک کے اندھیرے سے تمام فضا مسموم ہو جائے اور اسکو اپنی مسجد سے تعلق ہو اور کسی بیرونی اُلجھاؤ سے متاثر نہ ہو، تو آجکل نیکی اسکا نام ہے اور یہ نیکی کی علامت سمجھی جاتی ہے۔

اگر ایک شخص باہر کی دُنیا میں اصلاحات کرتا ہے۔ اور اپنی طاقت کفر، بدعات اور الحاد کے سدباب کیلئے وقف کر دیتا ہے اور ان کا مقابلہ کرتا ہے تو اسکے بارے میں کہتے ہیں کہ وہ سیاسی

بن گیا ہے۔ سیاسی کا لفظ آنے سے اسکا تمام تقویٰ خاک میں مل گیا، لیکن جہاں تک میں سمجھتا ہوں وہ یہ ہے کہ جہاں نماز فرض ہے وہاں اپنی طاقتوں کو اعلاءِ کلمۃ اللہ کے لئے استعمال کرنا بھی فرض ہے۔ درحقیقت دین یہ ہے کہ حضور ﷺ کی سیرت، سنت، اقوال وافعال، اطوار اور حدیث کے مطابق زندگی بنائی جائے۔

آپ یہ دیکھیں کہ نماز جسمیں تحمید، تسبیح، تقدیس بھی ہے، ابتداء نماز سے انتہاء نماز تک تمام بہترین جملے اللہ کی رضا کیلئے ہیں، قیام باادب، رکوع وسجود اور ہیئت کذائیہ ہر ایک اللہ کی رضا کا سبب ہے، لیکن طلوع شمس کے وقت یہ نماز پڑھنا گناہ ہے، تعجب کی بات ہے کہ ہیئت کذائیہ جو آدھا گھنٹہ قبل اللہ کی رضا کی علامت اور فرض تھی، اب گناہ ہے بات کیا ہے؟ آخر ایک ہی چیز ہے، ایک وقت میں وہ عبادت ہے اور دوسرے وقت میں وہ گناہ ہے، کیا وجہ ہے؟ اسکی وجہ صرف یہ ہے کہ حضور ﷺ نے اس فعل کو عبادت اور تھوڑی دیر بعد گناہ کہا تو اصل دین حضور ﷺ کی اطاعت اور انکے احکامات کی تعمیل اور اتباع سُنت ہے،

نبی ﷺ کی عبادت اور سیاست

جہاں نبی ﷺ نے تہجد کی نماز پڑھی اور باقاعدگی سے تہجد پڑھتے تھے اور آپ ﷺ اتنا کھڑا ہوا کرتے تھے کہ آپ کے قدم مبارک پر ورم آجاتا تھا، بلکہ ایک روایت میں ہے کہ آپ کے پیر پھٹ جاتے تھے، لیکن اسکے ساتھ ساتھ آپ ﷺ نے تمام غزوات میں اپنے ساتھیوں کی کفار کے مُقابلے میں قیادت کی، اور اُحد کی پہاڑی کے سامنے آپ ﷺ نے ایک سپہ سالار کی حیثیت سے جگہ جگہ آدمی کھڑے کیے، غزوہ حُنین میں دست بدست جنگ ہو رہی تھی آپ ﷺ ڈٹے رہے، حالانکہ آپ ﷺ کے کُچھ ساتھی بھاگ گئے پھر آپ ﷺ نے جہاد کیا۔

جہاد کی مختلف صورتیں

جہاد کے معنیٰ ہیں: اپنی قوتوں کو جو خدا نے دی ہے اعلاء کلمۃ اللہ کیلئے استعمال کرنا اس کے لئے حالات مختلف ہوتے ہیں، دشمن جس اسلحہ سے مسلح ہو، آپ کو بھی اس ہی اسلحہ سے مسلح ہونا چاہیئے آپ باطل کو شکست اور کفر کو مٹانے کیلئے وہی طریقہ استعمال کریں جس سے کفر کو شکست اور باطل کو مٹایا جاسکے، چاہے تلوار ہو، نیزہ یا تیر۔ دشمن اگر تلوار سے مسلح ہو تو آپ کو بھی تلوار سے مسلح ہونا چاہیئے، اگر دشمن توپ، یا ٹینک یا ایٹم بم اور ہائیڈروجن بم سے مسلح ہو، اور یہ چیزیں بناتا ہو تو آپ پر بھی یہی چیزیں بنانا فرض ہیں، کہ آپکو ہر صورت میں دشمن کو شکست دینی ہے۔

اس زمانے میں دو قسم کا کفر ہے خارجی و داخلی

اس زمانے میں دو قسم کا کفر ہے۔(۱) خارجی (۲) داخلی۔ خارجی کفر کہ اگر کافر بیرون ملک سے حملہ کردے تو اس کو آپ نے شکست دینی ہے، اسکے لئے مسلح افواج اور اسلحہ ہے داخلی کفر کہ ملک کے اندر الحاد کی تاریکیاں چھائی ہوئی ہیں اور ملک کا قانون اور معاشرہ عجیب قسم کا ہے، اسکی اصلاح کیلئے بم اور ٹینک استعمال نہیں کرسکتے بلکہ اس کیلئے ملک کے قانون ساز اداروں پر قبضہ کرنے بعد یہاں کی اجتماعی نظام کو بہتر بناسکتے ہیں۔ ان پر قبضہ کس طرح کیا جاسکتا ہے؟

یورپ کی جمہوریت اور انتخاب میں حصہ لینا کیسا ہے؟

میں یورپ کی جمہوریت اور انتخاب کا قائل نہیں ہوں اور جمہوری لحاظ سے بھی وہ انتخابات قابل قبول نہیں، لیکن مجبوراً انتخابات کے ذریعہ اداروں پر قبضہ کریں، اس میں اپنے آپکو لگانا اور اپنا پروگرام پیش کرنا بھی جہاد ہے۔

محترم دوستو! حقیقت یہ ہے کہ جہاد تا قیامت فرض ہے، ملک کے اندر دفاعی جنگ

کیلئے کوئی شرط نہیں، فقہاء کے یہاں جہاد جارحانہ کیلئے شرائط ہیں، اور ملک کے اندر دفاعی جنگ کیلئے کوئی شرط نہیں۔

آج کفر نے ہمارے ملک پر حملہ کیا ہے تو دفاع فرض ہے۔ وہ شخص جو ۲۴ گھنٹے مسجد میں سجدہ ریز ہو، لیکن اس موجودہ باطل نظام کو محسوس نہیں کرتا، اس کیلئے تیار نہیں ہوتا اور ملک کے اندر کے حالات میں دفاعی داعیہ موجود نہیں اور ماتھے پر شکن تک نہیں آئی، میں اس شخص کو نہ دیندار سمجھتا ہوں اور نہ پرہیزگار سمجھتا ہوں۔

یہ پیغمبر ﷺ کی زندگی نہیں، جس طرح ایک شخص اعلاء کلمۃ اللہ کیلئے صحیح نیت کے ساتھ کفر کے مقابلہ میں ڈٹا ہوا ہے لیکن نماز نہیں پڑھتا تو وہ فاسق اور فاجر ہے، اسی طرح کوئی شخص نماز پڑھتا ہے اور جہاد نہیں کرتا ہے تو وہ بھی فاسق اور فاجر ہے۔

جہاد کی اہمیت

میرے محترم دوستو! جہاد کے وقت نماز کا وقت آجاتا ہے تو کہتے ہیں کہ چلتے چلتے نماز پڑھو، اشارہ سے نماز پڑھو، گھوڑے پر نماز پڑھو، لیکن دست بدست لڑائی ہو رہی ہو اور نماز پڑھنے کی کوئی صورت نہیں تو مسئلہ یہ ہے کہ جہاد جاری رکھو اور نماز ترک کردو۔ حضور ﷺ نے غزوہ خندق میں نمازیں چھوڑ دیں تھیں، تو اب معلوم ہوا کہ دونوں کے تعارض کے وقت جہاد مرجح اور مقدم ہوگا تو مقدم فریضہ کا تارک فاسق ہے، سجدہ جہاد کے مقابلہ میں کام نہیں کرے گا، اگر وہ کفر کے فتنے کو محسوس نہیں کرتا تو ایسے ساجد کو اگر متقی کہا جائے تو بڑا ظلم ہوگا۔ ہاں اگر کوئی شخص دونوں فریضے (جہاد اور نماز دونوں) ادا کرے تو وہ بے شک متقی ہے۔

آپ اپنی زندگی ان حالات کے تحت ایسی بنائیں کہ آپ کے سامنے حضور ﷺ کی زندگی نمونہ رہے۔ بہت سے علماء مبلغ ہوتے ہوئے فرض نماز کو ترک کردیتے ہیں اگر ایسا مبلغ فرض نماز چھوڑ دے تو باقی کیا رہا۔ جہاں ان فرائض کو تھامنا فرض ہے، وہاں وقت کے مطابق

جہاد بھی فرض ہے، اس کے لئے حالات خود راہنمائی کرتے ہیں۔ اسوقت میں سمجھتا ہوں کہ دینی مدارس دینی طاقت ہیں، آپ ہماری دینی طاقت ہیں، تمام ملک میں دینی طاقت صرف علماء یا علماء کا حلقہ اثر ہے اور یہی صرف دین کی دعوت ہے، اس طاقت کو دشمن بھی دیکھ رہا ہے، وہ آپکو دیکھ رہا ہے، آپ اسکو دیکھیں دونوں چالیں بنائیں۔ دشمن دیکھ رہا ہے کہ دینی طاقت کہاں سے نکل رہی ہے دینی آواز کسی ملک میں اتنی مضبوط نہیں جتنی اس ملک پاکستان میں ہے۔

اگر فرنگی مظالم کا مقابلہ علماء نہ کرتے تو ڈیڑھ سو سال انگریزی حکومت کے بعد دین بالکل نہ رہتا

انگریز کے دور میں آپکے اکابر نے دین کے ساتھ تعلق اتنا مضبوط کر دیا تھا کہ اس قوم نے بھوک اور افلاس کی حالت میں علوم نبوت کو سینے سے لگایا، لوگوں کے گھروں سے بھیک مانگ کر دین کا علم بچوں کے سینوں میں پھونک دیا۔ اگر فرنگی مظالم کا مقابلہ علماء نہ کرتے، دین کی اشاعت وحفاظت نہ کرتے اور مسلمانوں کے دلوں میں دینی روح نہ پھونکتے، تو ڈیڑھ سو سال انگریزی حکومت کے بعد دین بالکل نہ رہتا ایسا ہوا بھی، مثلاً اسپین جو آٹھ کروڑ مسلمانوں کا ملک تھا، اب وہاں ایک بھی مسلمان نہیں، اس لئے آپ اپنے اکابرین کیلئے دعاء کریں۔

معلوم ہونا چاہئے کہ پاکستان کے بانیوں نے پاکستان کا مطلب کیا، **"لا الـــه الا اللـــه"** کیوں کہا، اگر وہ یہ نعرہ نہ لگاتے تو مسلمانوں کو جمع کرنا مشکل ہوتا، اس لئے یہ نعرہ لگایا۔ ایک قدیم مسلم لیگی کہتا ہے کہ ہم نے نعرہ ٹھیک لگایا تھا کہ پاکستان میں خدا کا نام ہوگا، خدا تو اب بھی ہے۔ ان پاکستانی بانیوں نے یہ نعرہ اس لئے لگایا، کیونکہ وہ نعرہ جاذب تھا، اب وہ جاذبیت نہ رہی، کیونکہ لوگوں کو معلوم ہوگیا کہ ہم کو اسلام کے نام سے دھوکا دیا گیا، اس نعرے کی کمزوری اسلام کی کمزوری ہے۔

سیکولر قیادت نے پاکستان قوم کو دھوکا دیا

ایک مداری آیا، اس نے نعرہ لگایا روٹی کپڑا اور مکان، کہ جب اسکی حکومت آئی تو کچھ بھی نہ پایا۔ اب ہم عوام سے پوچھتے ہیں، روٹی کپڑا اور مکان ملانہیں۔ کسی نے اس مداری سے پوچھا کہ یہ نعرہ کیوں لگایا؟ اس نے کہا میں پاکستانی سیاست کھیلنا چاہتا ہوں۔ مداری صاحب نے لاہور کے کرایہ دار سے پوچھا کیا چاہتے ہو؟ تو اس نے کہا کہ: میں چاہتا ہوں مکان میری ہو جائے، تو میں نے کہا کہ یہ مکان تیرا اگر پیپلز پارٹی کا جھنڈا لگاؤ۔ میں نے پوچھا دوکاندار سے تم کیا چاہتے ہو؟ اسنے کہا میں چاہتا ہوں دوکان میری ہو جائے، میں نے کہا جھنڈا لگاؤ، دوکان تمہاری۔ میں نے لائل پور کے کاشتکار سے پوچھا کہ تم کیا چاہتے ہو؟ اس نے کہا کہ: زمین میری ہو جائے، میں نے کہا پی پی کو ووٹ دو زمین تمہاری۔ میں نے ایک مزدور سے پوچھا کہ تم کیا چاہتے ہو؟ اس نے کہا کہ: مجھ کو کارخانہ دیا جائے، میں نے کہا کہ پی پی کو ووٹ دو کارخانہ تمہارا۔ آپ خود سوچیں کہ لاڑکانہ کا ایک آدمی لاہور اور لائل پور کے لوگوں کو کسی چیز کا مالک کیسے بناتا ہے اور وہ شخص بھی اس کی باتوں میں آجاتا ہے، ایسے لوگوں کے ساتھ ایسی ہی سیاست ٹھیک ہے۔

مخلصین کا قول

ایک زمانہ مخلصین کا تھا تو اس وقت کہا جاتا تھا انظر الی ماقال ولا تنظر الی من قال) تو یہ اس زمانے کی بات تھی، اب میری باتیں یاد رکھیں (انظر الی من قال ولا تنظر الی ماقال) جھوٹوں کی دنیا میں یہی بات صحیح ہے، اگر کہنے والا ٹھیک تو بات بھی ٹھیک، اگر کہنے والا ایسا شخص ہے جس کے قول وفعل میں تضاد ہو تو مت مانو۔

انگریزوں کا دجل اور فریب

انگریز اپنے زمانے میں دین کی مخالفت نہ کرسکتا تھا ورنہ بدنام ہوتا تھا کہ غیر ملکی

حکومت مقامی دین میں مخالفت ومداخلت کرتی ہے،لیکن پاکستانی لوگ جو دین کا احساس رکھتے ہیں،وہ سمجھ رہے ہیں کہ دینی طاقت دینی ادارے ہیں۔تاہم ریڈیو،ٹیلیویژن یکطرفہ طور پر پروپیگنڈہ کرر ہے ہیں یہ ان دینی اداروں کی رعایت نہیں کرتے بلکہ ان کے تباہی کے درپے ہیں،مثلاً چندہ کی اجازت پر پابندی لگادیں گے،یا یہ سرکاری تحویل میں لے لیں گیا ور جب سرکاران اداروں کو چلائے گی تو اسوقت آپکو معلوم ہے،ہوسکتا ہے کہ ایسا حادثہ پیش آجائے لیکن جب انگریز یہاں تھا تو اُسوقت اس قسم کے ادارے نہ تھے،جب دارالعلوم دیوبند کی بنیاد رکھی گئی تو اس وقت ایک استاد چند شاگردوں کو پڑھاتا تھا،آج ہی مولانا محمد ادریس صاحبؒ نے کہا کہ:حکومت مدارس بند کرنے کے درپے ہے،میں نے کہا کہ بند کرتی ہے تو کرے اگر ہماری نیت خالص ہوگی اور مدرسے بن کردیئے گئے تو ہماری زبان تو بند نہیں کرسکتے ہم مسجدوں میں بیٹھ کر پڑھائیں گے،ہم گھروں میں بیٹھ کر پڑھائیں گے ہم گلیوں میں بیٹھ کر پڑھائیں گے، اگرچہ اس میں سہولتیں نہ ہونگیں،حالات بدلتے رہتے ہیں،لاکھ پتی غریب بن جاتا ہے۔

ہم تمام حالات میں پڑھیں گے

آپ تیار رہیں،اگر ہم مدرسہ سے سہولتیں حاصل کرتے ہیں،تنخواہیں لیتے ہیں وظیفہ اور طعام ملتا ہے،رہائش کی جگہ مہیا ہے اگر یہ سہولتیں نہ ہوگی تو کیا آپ نہ پڑھیں گے؟ اگر آپ نہ پڑھیں گے تو معلوم ہوگا کہ آپ دنیاوی اغراض کے لئے پڑھتے ہیں۔ہم طے کرلیں کہ ہم تمام حالات میں پڑھیں گے،دین کی اشاعت نہ رُکنے دیں گے،اگرچہ بھوکے رہیں گے میں مطمئن ہوں، میں اس لئے مطمئن ہوں کیونکہ اس علم میں نور ہوگا۔ہم آجکل تنخواہ کے لئے پڑھاتے ہیں اور طلبہ اسی مدرسہ میں پڑھتے ہیں جہاں وظیفہ زیادہ ملتا ہو اور جہاں آرام ہو،اس وجہ سے سو میں بمشکل ایک کارآمد ہوتا ہے۔اگر ہم نے بھوک اور افلاس کی حالت میں پڑھایا اور آپ نے پڑھا تو فارغ التحصیل ہونے والے تمام طلبہ کارآمد مولوی بنیں گے اور اس سے دین کو مدد ملے گی۔

ہم سیاسی لوگ امتحان میں ہیں اور دوطرفہ جنگ لڑ رہے ہیں

ہم سیاسی لوگ امتحان میں ہیں اور دوطرفہ جنگ لڑ رہے ہیں، آگے حکومت سے برسرپیکار ہیں اور پیچھے سے بھی خیال رکھتے ہیں کہ کسی کو کسی نے چھرا تو نہیں گھونپ دیا اور کوئی بھاگ تو نہیں گیا، اب تو ایسا وقت آگیا ہے کہ ایک ممبر کی قیمت لاکھوں اور کروڑوں تک پہنچ گئی ہے، میری خود کی قیمت کروڑوں تک ہے، ہم لاکھوں سے نکل آئے ہیں، آج آپ لوگوں نے ہماری عزت رکھنی ہے، اگر ہم نے علماء کے تقویٰ کی عزت نہ رکھی تو خدا تعالیٰ ہمیں ایسے گناہ سے بچائے جس سے دین کو نقصان ہو، جیسا کہ حضرت ابوذر غفاریؓ نے فرمایا:

اگر تم تلوار میری گردن پر قتل کی غرض سے رکھو اور میں نے گمان کرلیا کہ تلوار پھرنے کے وقفے میں تم تک حضور ﷺ کی بات پہنچا سکوں تو تم کو پہنچا دُوں گا۔

خدا تعالیٰ نے ہم کو ظالموں کے خوف سے عاری کردیا ہے

یہ جذبہ ہم نے بھی پیدا کرنا ہے، اگر یہ جذبہ پیدا ہوگیا تو کسی قسم کا خوف اور ڈر نہ ہوگا ہمارے دلوں میں ان ظالموں کا کسی قسم کا خوف نہیں خدا تعالیٰ نے ہم کو ان کے خوف سے عاری کردیا، اللہ تعالیٰ کی مدد ہمارے ساتھ ہے، آپ یہ مت سمجھیں کہ موجودہ حکمرانوں کے ساتھ نصرت خدا ہے بلکہ یہ ہمارا امتحان ہے، ان کی حیثیت میرے نزدیک تنکے کے برابر نہیں۔

☆☆☆

(از ماھنامہ الوفاق)

یہودیوں کے مکروہ عزائم اور مسلمانوں کی ذمہ داریاں

بمقام ایوبیہ محلہ اتحاد ٹاؤن کراچی
وقت: بعد نماز عشاء...... تاریخ: ۲۹ ستمبر ۲۰۰۲ء

الحمدلله نحمده ونستعينه ونستغفره ونومن به ونتو كل عليه ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيات اعمالنا من يهده الله فلا مضل له ومن يضلله فلا هادی له ونشهد ان لااله الا الله وحده لا شريك له ونشهد انّ سيدنا وحبيبنا ومولانا محمداً عبده ورسوله ارسله بالحق بشيراو نذيراو داعيا اليه باذنه وسرا جا منيرا۔

امّا بعد.....

فاعوذ بالله من الشيطان الرجيم
بسم الله الرحمٰن الرحيم

هوالذی ارسل رسولة بالهدی ودين الحق ليظهره علی الدين كله وكفٰی بالله شهيدا☆
(سورة فتح آيت ۲۸)

میرے محترم علماء کرام اور قابل احترام مسیحی برادری کے بھائیو......!

جیسا کہ آپ سب جانتے ہیں کہ جلسے اور جلوس والے سیاست سے میرا کوئی تعلق نہیں ہے لیکن موجودہ حالات میں، میں اپنا شرعی، اخلاقی فریضہ سمجھتا ہوں کہ اپنے مسلمان بھائیوں کو اس سے آگاہ کروں کہ اسوقت انکا شرعی فریضہ کیا ہے؟

یہودیوں کے مکروہ عزائم

رات کافی بیت چکی ہے میں مختصراً چند باتیں آپ کی خدمت میں عرض کردونگا، یہ خطہ اور ملک جس میں ہم رہتے ہیں اور آس پاس جو علاقے ہیں ان علاقوں کے متعلق اور خود ہمارے ملک کے متعلق یہودیوں کے کچھ عزائم ہیں اور وہ عزائم یہ ہیں۔ کہ اس خطے سے...... اور اس علاقے سے...... دین کے نام لیواؤں کو ختم کیا جائے، اور اسکی وجہ یہ ہے کہ اس خطے کے اندر ان کی جو مفادات ہیں، ان کے جو عزائم ہیں۔ وہ مفادات اُسوقت تک حاصل نہیں ہو سکتے اور اُن کے وہ عزائم اُس وقت تک پورے نہیں ہو سکتے جب تک اس خطے کے اندر اہلِ دین موجود ہو......

اللہ تبارک وتعالی کی ذات پر ایمان رکھنے والے، اور انبیاء کرام علیہم السلام کے ماننے والے یہاں موجود ہوں۔ یہود جانتے ہیں کہ اس وقت تک اس خطے کے اندر ہمارے عزائم مکمل نہیں ہوسکتے، اس سے پہلے انہوں نے سب سے پہلے مذہب کے نام پر دہشت گردی کروائی، اور مذہب کے نام پر دہشت گردی اس لئے کروائی تا کہ عام مسلمانوں کے نظر میں مذہبی طبقہ بدنام ہو، اور لوگوں کا اپنے مذہب سے اور مذہبی رہنماؤں سے تعلق کٹ جائے۔

اس کے بعد یہاں انہوں نے دینی مدارس کے خلاف پروپیگنڈہ کرنا شروع کیا کہ ان مدارس کے اندر دہشت گردی کی تعلیم دی جاتی ہے۔ یہاں دہشت گرد بنتے ہیں، یہاں فرقہ واریت کی تعلیم دی جاتی ہے، یہاں تنگ نظری کی تعلیم دی جاتی ہے۔ اس پروپیگنڈہ کا مقصد یہ تھا کہ...... لوگوں کا دین سے تعلق کٹ جائے اور دین سے لوگ دور ہوجائیں اسلئے یہاں پر جتنے اللہ والے لوگ تھے، اور دینی جماعتوں سے تعلق رکھتے تھے، یا وہ لوگ جو اللہ تبارک وتعالی کے اس دین کو پوری دنیا میں غالب رکھنے کا جذبہ رکھتے تھے، ان کے خلاف پروپیگنڈہ کیا گیا اور ان کو اس علاقے سے ختم کرنے کی کوشش کی گئی کہ وہ اس علاقے سے ختم ہوجائے تا کہ ہم اپنے عزائم کو پورے کرسکیں اور اپنے مفادات حاصل کرسکیں مثلاً میں آپ کے سامنے ایک بات عرض کرتا ہوں اس بات سے آپ اندازہ لگا دیجئے کہ انکے عزائم یہاں کیا ہیں......؟

یہودی منصوبہ بندی

امریکہ کے اندر ان کے ماہرین ارضیات نے انہیں یہ رپورٹ دی کہ مغرب کی جو صنعتی ترقی ہے وہ ترقی بجلی کی وجہ سے ہے اور بجلی وہاں پیدا ہوتی ہے تیل سے...... اور یہ خلیج ہی کے مسلمانوں کے پاس ہے، انکا دولت ہے، وہاں ہو تو ہم قبضہ کرچکے لیکن خلیج کا تیل زیادہ سے زیادہ پچیس تیس سال بعد ختم ہوجائے گا اس کے بعد بھی تاریکی ہوگی۔ تو ان کے ماہر ارضیات نے ان کو یہ رپورٹ دی کہ دنیا کے ایک اور مقام پر تیل کے ذخائر موجود ہیں اور وہ وسط اشیاء کی ریاستوں کے نیچے موجود ہیں وہ اتنا تیل ہیں...... اتنا زیادہ گیس ہے کہ وہ دوسال تک دنیا کی

ضرورت کو پورا کرسکتا ہے۔

یہودیوں نے ......اور امریکہ نے منصوبہ بندی کی ...... کہ ایک جو تیل وسطی ریاستوں میں ہیں اس پر قبضہ ہو۔

دوسرے نمبر پر منصوبہ بندی کی یہ تیل جو اس مقام پر موجود ہیں یہ محفوظ طریقے سے یورپ اور امریکہ تک پہنچا سکے۔ اب اس تیل کو یورپ تک بظاہر دو راستے تھے۔ ایک راستہ تو ایران سے ہو کر گزرتا ہے، بندر عباس کے راستے اس سے یورپ منتقل ہوتا تھا یہ راستہ پُرخطر بھی تھا اور مہنگا بھی تھا۔ دوسری صورت یہ تھی کہ وہ تیل افغانستان کے راستے پاکستان میں یہ گوادر کی بندر گاہ تک پہنچے اور یہاں سے یورپ منتقل کر دیا جائے۔ لیکن اس صورت میں تیل تب محفوظ طریقے سے افغانستان کے علاقے سے گزریگا جب طالبان حکومت ختم ہو جائے، پاکستانی علاقے میں یہ پائپ لائن اسوقت محفوظ رہے گی ...... جب یہاں پر دیندار طبقہ موجود نہیں ہوگا اور دیندار طبقہ یہاں پر ختم ہو جائے۔

لاکھوں مسلمانوں کا خون بہایا گیا

اپنی اس مفاد کو حاصل کرنے کے لئے اُنہوں نے افغانستان کے اندر لاکھوں مسلمانوں کا خون کیا ......اور لاکھوں مسلمانوں کا خون کر کے بھی یہ لوگ انسانیت کی چمپئین اور علمبردار کہلاتے ہیں ...... پاکستان کے اندر مذہبی دہشت گردی کے لئے اپنے ڈالر خرچ کئے یہاں پر جتنی بھی دہشت گردی ہوتی اس کے پیچھے درحقیقت یہودیوں کی دولت ہوتی ہے......اور یہودیوں کی دولت کے ذریعے سے یہاں پر مسلمانوں کو آپس میں پاکستانی شہریوں کو آپس میں لڑوانے کی کوششیں کی جاتی ہیں۔

ابھی دو دن پہلے واقعہ ہوا (رمپہ پلازہ میں سات عیسائیوں کو جو قتل کیا گیا) مجھے یقین ہے کہ اگر اسکی تحقیق کی جائے تو یہ بات ثابت ہو جائے گی کہ اسکے پیچھے یہودیوں کا ...... یا

ہندوؤں کا ہاتھ ہے۔ اور وہ اس ملک میں رہنے والے افراد کے درمیان تفریق چاہتے ہیں لڑوانا چاہتے ہیں تا کہ ملک کے استحکام کو نقصان پہنچے۔ یہاں یہ صورت حال ہے دوسری طرف سیاسی طور پر ہمارے فوجی حکمران یہودیوں کی خدمت گزاری میں حد سے بڑھے ہوئے ہیں۔ جب فوجی حکمران حد سے بڑھے تو یہاں ہمارے جو سیاسی رہنما تھے۔ مختلف جماعتوں کے تو اُنہوں نے بھی یہودیوں کے سامنے امریکہ کے سامنے اپنے خدمات کو بڑھ چڑھ کر پیش کرنے شروع کئے۔

پیپلز پارٹی کے رہنماؤں نے، مسلم لیگ کے رہنماؤں نے اور دیگر سیاسی رہنماؤں نے اپنی خدمات انکی خدمت پیش کرنی شروع کئے۔ اور اخبارات بھی گواہ ہیں کہ ان سب نے یہودیوں کی خدمت گزاری، اور امریکہ کی خدمت گزاری کے لئے اپنی خدمات پیش کیں۔

یہودیوں کا مقابلہ کرنے والی قوت

یہاں پر یہودیوں اور امریکی قوت کا مقابلہ کرنے والی اگر کوئی قوت تھی تو وہ یہی مذہبی قوت تھی...... یہی علماء کی قوت تھی، دینی اور مذہبی جماعتوں کی قوت تھی، یہ اُٹھ کھڑی ہوئیں اور اُنہوں نے اعلان کیا کہ ہم یہودیوں کی حاکمیت، یا امریکہ کی حاکمیت تسلیم نہیں کرتے۔ جب اُنہوں نے یہ اعلان کیا تو یہودیوں کے ساتھ ساتھ یہاں کے بے دین طبقہ بھی یہ چاہتے ہیں کہ پاکستان میں مذہبی طبقہ مؤثر نہ رہے اور یہ کسی طریقے سے ختم ہو جائے یہ صورت حال ہے۔

مسلمانوں...... !اب ذرا جاگو

میں سمجھتا ہوں کہ مسلمانوں کو اب جاگنے کی ضرورت ہے کہ ہمارے ملک کے فوجی حکمران پرویز مشرف اس ملک میں جو ایجنڈا چلا رہے ہیں۔ اگر وہ لوگ برسرِ اقتدار آ گئے مشرف سے بھی بڑھ کر امریکہ کو اپنی خدمات پیش کریں گے۔ تو آپ یقین جانئے نتیجہ پھر اسکا یہ

ہوگا کہ۔ نہ آپ کا ایمان محفوظ رہے گا نہ یہ ملک محفوظ رہے گا۔ نہ اسلام محفوظ رہے گا۔ اور نہ اسلامی غیرت محفوظ رہے گی یہ سب کچھ وہ ختم کرنا چاہتے ہیں ...... بے حیائی کا معاشرہ قائم کرنا چاہتے ہیں۔ وہ معاشرہ جو یہودیوں کے سامنے اور امریکہ کے سامنے اپنی غلامی کا اقرار کریں۔

نظام کی تبدیلی کے لئے مجلس عمل کو ووٹ دیں

اگر آپ یہ چاہتے ہیں کہ اس ملک کے اندر مسلمان باقی رہیں۔ اگر آپ یہ چاہتے ہیں کہ اس ملک کے اندر اسلام باقی رہے۔ اگر آپ یہ چاہتے ہیں کہ اس ملک کے آئین میں اسلامی شقیں (دفعات) محفوظ رہیں۔ اگر آپ یہ چاہتے ہیں کہ اس ملک کے اندر امن وامان ہو۔ اگر آپ یہ چاہتے ہیں کہ اس شہر کے اندر امن وامان ہو۔ اگر آپ یہ چاہتے ہیں کہ اس ملک کے باسی ایک دوسرے سے دست وگریبان نہ ہو۔ اگر آپ یہ چاہتے ہیں کہ اس ملک کے رہنے والے بھائی چارے اور محبت کے ساتھ ایک دوسرے کے ساتھ بھائی بن کر رہے۔ تو اس کے لئے ضروری یہ ہے کہ...... آپ متحدہ مجلس عمل کو ووٹ دیں ...... متحدہ مجلس عمل کے اُمیدوار پاکستان میں کسی بھی حلقے سے ہوں چاہے وہ کسی بھی جماعت سے تعلق رکھتے ہوں کیونکہ انکا تعلق ایک نظریے کے ساتھ ہے۔ انکا تعلق ایک منشور کے ساتھ ہے۔

مجلسِ عمل کا نظریہ ومنشور

آپ کا ووٹ اس منشور کے لئے ہے آپ کا ووٹ اس نظریے کے لئے ہے، اور وہ نظریہ ہے اللہ تبارک وتعالی کی کتاب کا نظریہ۔ اور وہ نظریہ ہے نبی اکرم ﷺ کی سُنت کا نظریہ۔ یہاں پر وہ مسیحی برادری نے بھی یہ اعلان کیا ہے کہ ہم علماء کرام کو ووٹ دیں گے۔ قومی اسمبلی کے لئے بھی اور صوبائی اسمبلی کے لئے بھی۔

اقلیتیں اور مجلسِ عمل

میں ان مسیحی حضرات سے یہ عرض کرونگا کہ۔ آپ کا یہ فیصلہ نہایت دانش مندانہ

نہایت عاقلانہ اور بروقت فیصلہ ہے۔ اس لئے کہ جس ملک کے اندر آپ رہتے ہیں ۵۵ سال گزرے۔ اس ملک کی اکثریت مسلمانوں کی ہے...... مسلمانوں کو اُن کے حقوق نہیں ملے تو ظاہر ہے آپ حضرات کو کیسے حقوق ملے ہونگے۔ اسلام ہی دنیا کا وہ واحد مذہب ہے، جس نے سب سے پہلے انسانی حقوق کا تصور پیش کیا...... اللہ تبارک وتعالی کا تصور پیش کیا...... اسلام سے پہلے کسی معاشرے کے اندر، کسی قانون کے اندر، کسی مذہب کے اندر انسان کے حقوق کا تصور نہیں تھا۔ اسلام سے پہلے خدا تعالی کی مخلوق کے حقوق کا تصور نہیں تھا، اسلام وہ پہلا مذہب ہے جس نے انسانوں کی حیثیت سے ان کے حقوق کا تذکرہ کیا۔ پڑوسیوں کے حقوق کا تذکرہ کیا مسلمانوں کے حقوق کا تذکرہ کیا، حتٰی کہ چرند اور پرند کے حقوق کا تذکرہ کیا، اسلام درحقیقت حقوق کا مذہب ہے، جو لوگوں کو انکے حقوق مہیا کرتا ہے اور انکے حقوق ان تک پہنچاتا ہے۔ اسلئے میں ان مسیحی حضرات سے عرض کررہا ہوں کہ اگر متحدہ مجلس عمل پاکستان کامیاب ہو جاتی ہے اور انشاء اللہ کامیاب ہوگی تو انشاء اللہ آپ دیکھیں گے کہ آپ اس ملک کے ایک باعزت شہری اور فرد کی حیثیت سے اس ملک میں زندگی گزاریں گے، اور پچھلے ادوار کے اندر اور آئندہ دور کے درمیان آپ فرق محسوس کریں گے۔

مجلس عمل نے حجت قائم کردی

اگلی بات میں آپ لوگوں کی خدمت میں یہ عرض کردوں کہ پہلے بھی علماء الیکشن کے موقع پر آتے تھے۔ پارلیمانی سیاست کرنے والی مذہبی جماعتیں مختلف مواقع میں الیکشن میں آتے رہتے تھے۔ جمعیت علماء اسلام کے لوگ الگ۔ پلیٹ فارم سے، جماعت اسلامی والے حضرات الگ۔ پلیٹ فارم سے، اہل حدیث والے حضرات الگ۔ اپنے پلیٹ فارم سے آتے رہتے تھے۔

اس لئے پاکستان کے مسلمان بعض دفعہ یہ حجت اور دلیل پیش کرتے تھے کہ ہم تو دین کو چاہتے ہیں لیکن ہمارے پاس دین کے نام سے اتنے لوگ آتے ہیں کہ ہماری سمجھ میں نہیں

آرہا کہ ہم کس کو ووٹ دیں؟ بعض دفعہ وہ کہتے تھے کہ۔کیا مولانا نورانی صاحب کا اسلام الگ ہے؟ کیا مولانا فضل الرحمن صاحب کا اسلام الگ ہے؟ کیا قاضی حسین احمد صاحب کا اسلام الگ ہے......؟ یہ صورت حال تھی۔اللہ تبارک وتعالی نے آپ حضرات اور اس ملک کے مظلوم طبقے کی دعا قبول فرمائی۔اور تمام دیندار اور دینی سیاست کرنے والی جماعتوں کو اللہ تبارک وتعالی نے متحد کیا اب وہ اتحاد کے ساتھ اور اتفاق کے ساتھ آپ کے سامنے پیش ہوئے ہیں۔میں سمجھتا ہوں کہ......

علماء کو کامیاب نہ کرنے کی صورت میں عذاب کا اندیشہ

اگر ہمارے پاکستانی بھائیوں نے ہمارے مسلمان بھائیوں نے اب بھی علماء کرام کی اس قوت کا ساتھ نہ دیا تو اس ملک پر اور اس کے باشندوں پر آئندہ اللہ کا عذاب نہ آجائے۔آپ لوگ اللہ تبارک وتعالی کے عذاب کو دعوت نہ دیں۔اس لئے کہ جو دلیل آپ پیش کرتے تھے کہ یہ لوگ الگ الگ ہیں۔ہم کس کو ووٹ دیں؟ ہم کس کے اسلام کو ووٹ دیں وہ دلیل ختم ہوگئی۔ اب وہ اتفاق واتحاد کے ساتھ آپ کے سامنے ہیں اب بھی اگر ان کا ساتھ نہ دیا گیا......اگر اب بھی اللہ تعالی کے دین کے علمبرداروں کو اس امت نے ......اس پاکستانی قوم نے ان کا ساتھ نہیں دیا۔تو مجھے یہ خوف ہے کہ آئندہ اللہ تبارک وتعالی کا عذاب نہ آجائے۔حقیقت یہ ہے کہ ہم اس وقت بھی عذاب ہی میں مبتلا ہیں۔یہ جو یہودیوں کی حاکمیت ہم پر مسلط کی جارہی ہے امریکہ کی حاکمیت ہم پر مسلط کی جارہی ہے یا کسی طور پر ہمارے درمیان لسانی تعصبات جو موجود ہیں۔لسانی تعصبات اور زبان کی بنیاد پر لوگ ایک دوسرے کے دشمن بنے ہوئے ہیں یہ سب کچھ درحقیقت اللہ تعالی کا عذاب ہی تو ہے۔ہم پرویز مشرف کی حکومت کو تو سوچتے ہیں لیکن یہ نہیں سوچتے کہ یہ ہمارے اعمال کا نتیجہ ہے۔ہمارے اعمال ہی کی بدولت اس قسم کے لوگ ہم پر مسلط ہوئے ہیں اور آئندہ بھی اگر ہوشیاری سے کام نہیں لیں گے تو اس قسم کے لوگ ہم پر مسلط ہونگے میں بات آپ سے کہدوں کہ پاکستان عوام نے کئی مرتبہ فوجی حکومتوں کو آزمالیا ایوب کی فوجی

حکومت ازمالی گئی ...... جنرل یحیٰ خان کی حکومت ازمالی گئی ...... جنرل ضیاء الحق صاحب کی حکومت کو بھی لوگوں نے دیکھا اور سکے بعداب تین سال سے پرویز مشرف صاحب کی حکومت کولوگ دیکھ رہے ہیں۔تو مجموعی لحاظ سے اگر دیکھا جائے تو تیس، پینتیس سال تک فوجی حکومتیں اس ملک پر رہی۔لیکن اس تیس، پینتیس سالہ فوجی حکومتوں نے عوام کی بھلائی کے لئے اس کے رہنے والوں کے لئے ایک ذرہ برابر بھی کام نہیں کیا یہاں پر مسلم لیگ کی حکومتیں رہی ...... جب سے پاکستان بنا ہے ابتداء ہی سے مسلم لیگ کی حکومت رہی ...... جنرل ایوب خان فوجی وردی اتار کر سامنے آئے تو وہ بھی مسلم لیگ کے نام سے آئے۔جونیجو صاحب کی حکومت بھی مسلم لیگ کے نام سے تھی۔اسکے بعد دومرتبہ نوازشریف صاحب کی حکومت آئی تو وہ بھی مسلم لیگ کے نام سے۔مجموعی لحاظ سے اگر دیکھا جائے تو تقریباً پندرہ، بیس سال مسلم لیگیوں کی حکومت رہی لیکن انہوں نے بھی یہاں کے عوام کیلئے، مسلمانوں کیلئے، اس ملک کے رہنے والے کسی فرد کے لئے چاہے اسکا کسی بھی مذہب سے تعلق ہو اسکی خوشحالی کے لئے کچھ نہیں کیا اور دھوکہ ہی دھوکہ دیا یہاں پیپلز پارٹی کی حکومت رہی بھٹو صاحب کی حکومت رہی، پھر دودفعہ بے نظیر بھٹو کی حکومت رہی ہے۔مجموعی لحاظ سے انکی حکومت کا عرصہ دس سال سے کم نہیں بنتا۔انہوں نے بھی روٹی، کپڑا، مکان کے نعرے لگائے۔اور غریبوں، مزدوروں کو اپنی طرف متوجہ کیا۔لیکن آپ نے دیکھا کہ انہوں نے غریبوں کے لئے، مزدوروں کے لئے، اس ملک کے پسے ہوئے طبقے کے لئے کچھ نہیں کیا۔یہاں مختلف مواقع پر ایم کیو ایم بھی صوبائی اور مرکزی حکومتوں میں شریک رہی۔اس طرح اے این پی اور دیگر علاقائی جماعتیں جو سامنے ہیں۔صوبہ سرحد میں کئی حکومتوں میں ان کے لوگ مؤثر قوت کے طور پر شریک رہے۔لیکن آپ جانتے ہیں کہ وہاں کے عوام کے لئے انہوں نے کیا کیا؟ کونسے حقوق انہوں نے دلائے؟ اور انکی غیرت کا عالم یہ ہے۔کہ یہ جو پشتونیت کا اور پشتو کا نام لیتے ہیں لیکن پشتو کا عالم یہ ہے کہ جہادِ افغانستان میں ظاہر شاہ برسرِ اقتدار تھا یہ کہتے تھے کہ ولی خان اور ظاہر شاہ بھائی بھائی ہیں داؤد نے ظاہر شاہ کی حکومت کا

تختہ الٹا کر دیا، یہ کہنے لگے کہ ولی خان اور داؤد بھائی بھائی ہیں۔ پھر نور محمد ترکئی کی کمیونسٹ حکومت آئی اس نے داؤد کو قتل کر دیا۔ یہ کہنے لگے کہ ترکئی اور ولی خان بھائی بھائی ہیں۔ غیرت کا عالم دیکھو کہ قاتل کو بھی بھائی کہتے تھے اور مقتول کو بھی بھائی کہتے تھے۔ پھر نور محمد ترکئی کو حفیظ اللہ امین نے قتل کیا تو حفیظ اللہ امین بھی ولی خان کا بھائی تھا۔ پھر حفیظ اللہ امین کو ببرک کارمل نے قتل کیا پھر یہ کہتے تھے کہ ولی خان اور کارمل بھائی بھائی ہیں۔ پھر ببرک کارمل کو ڈاکٹر نجیب نے بھگایا۔ پھر یہ کہتے تھے کہ ڈاکٹر نجیب اور ولی خان بھائی بھائی ہیں۔ انکی عجیب غیرت ہے کہ مقتول بھی انکا بھائی تھا اور قاتل بھی انکا بھائی تھا۔ ان کے اندر کونسی پشتو ہے؟ انکے کونسی پشتو نیت ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ ولی خان کے والدِ محترم باچا خان جو تھے۔ یقیناً آزادی کے لئے اُنکی خدمات تھیں۔ لیکن باچا خان کے بعد انکی جو نسل چلی انہوں تو وہ کارنامے انجام دئے کہ باچا خان کو قبر میں شرم آئیگی۔ قبر میں وہ شرماتا ہوگا کہ پشتو کے نام پر میری اولاد یہ کیا کر رہی ہے؟

کسی کے دھوکے میں نہ آئیں

اس لئے میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ آپ اس قسم کے کسی دھوکے میں مزید نہ آئے۔ پچپن سال آپ نے یہ دھوکے کھائے ہیں اس لئے میں سمجھتا ہوں کہ موجودہ دور میں آپ کا یہ شرعی اور اخلاقی فریضہ ہے۔ کہ آپ متحدہ مجلسِ عمل کے نامزد کردہ امیدوار، جس حلقے میں ہو اور جو بھی ہو آپ ان کو ووٹ دیں تا کہ یہ ملک مستحکم رہے اور یہ باقی رہے۔ اس ملک کے اندر اسلام اور مسلمان باقی رہے، ایمان اور غیرت باقی رہیں۔ اس قوت کو جب آپ آگے بڑھائیں گے تو یہی قوت امریکہ کے سامنے، یہودیوں کے سامنے، اس ملک کے بے دینوں کے سامنے کھڑی ہوگی۔ اور یہی قوت ان سے مقابلہ کریگی۔ یہی قوت ہمارے ایمان کی حفاظت کریگی۔ اس لئے یہ آپ کا شرعی فریضہ ہے، ملی فریضہ ہے، اخلاقی فریضہ ہے۔ کہ علماء کی اس قوت کو، اہلِ دین کی اس قوت کو آپ کامیاب کریں۔ اللہ تبارک وتعالی ہمیں عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین - (از خطبات نامزتی)

علماء اور سیاست

حضرت مفتی صاحبؒ کا یہ بیان جمعیت طلباء اسلام کے زیر اہتمام
پیغام جمعیت کانفرنس گلشن مسجد سبزی منڈی کراچی میں ہوا۔
وقت۔۔۔بعد نمازِ عشاء تاریخ۔۔۔۱۹ اگست ۲۰۰۲ء

الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل عليه ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيآت اعمالنا من يهده الله فلا مضل له ومن يضلله فلا هادى له ونشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له ونشهد ان سيدنا وحبيبنا ومولانا محمداً عبده ورسوله ارسله بالحق بشيرا و نذيرا و داعيا اليه باذنه وسراجا منيرا۔ اما بعد۔۔۔۔فاعوذ بالله من الشيطان الرجيم

بسم الله الرحمٰن الرحيم

قل بفضل الله و برحمته فبذالك فليفرحوا هو خير مما يجمعون -

(سورہ یونس آیت ۵۸)

انقلاب مصطفیٰ ﷺ برپا کریں

محترم قابل صد احترام علماء کرام اور میرے عزیز طلباء......

یہ جمعیت طلباء اسلام کا پروگرام ہے اور ہمارے لئے اس اعتبار سے خوشی کا باعث ہے کہ الحمد للہ ہمارے بچوں میں اور طلبہ میں یہ احساس پیدا ہو چکا ہے کہ ہم اپنے اکابر کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے اس دُنیا میں وہ انقلاب برپا کرنے کی کوشش کریں جو جناب نبی اکرم ﷺ کے ذریعے برپا ہوا تھا اور دُنیا اس سے واقف ہو چکی تھی۔

ہر انسان کو ایک انسان کی حیثیت سے اور اللہ پاک کے بندے کی حیثیت سے اپنی تخلیق کا مقصد سمجھنا چاہیئے کہ اس کی زندگی کا ایک مقصد ہے جس کیلئے اس کو وجود بخشا گیا، اور بندگی کا مفہوم بھی یہی ہے کہ انسان کے اندر یہ احساس پیدا ہو جائے کہ میں مخلوق ہوں اور میرا ایک خالق ہے۔ اس خالق کے احکامات کے تحت اور اس خالق کے دیئے ہوئے قوانین کے تحت مجھے خود بھی زندگی گزارنی ہے اور اس خالق کے دیئے ہوئے قوانین کے مطابق اس معاشرے کو بھی چلانا ہے۔

خیر کی ہر تحریک میں ہمارے اکابر کا کردار

پوری دُنیا میں پچھلی صدی اور جاری صدی میں خدمتِ دین کی غلبے کی محنت اگر کسی نے کی ہے تو ہمارے اکابرِ علماء دیو بند ہیں۔

وہ قرآنِ کریم کی خدمت ہو...... نبی اکرم ﷺ کی احادیث کی خدمت ہو......

وہ استعمار سے آزادی کی محنت ہو......

وہ اس برِ صغیر کے اندر بلکہ پوری دُنیا کے اندر وہ کونسی (Movement) مومنٹ ہے جس میں ہمارے علماء کا حصہ نہ ہو۔ میں نے کہا کہ قرآنِ کریم کی خدمت ہو اس وقت آپ پوری دُنیا میں دیکھ لیجئے ہندوستان میں...... پاکستان میں...... افغانستان میں...... بنگلہ دیش میں ......سری لنکا میں...... پھر عرب ممالک کی صورتحال دیکھیں۔ پھر برِ اعظم افریقہ کے ممالک میں دیکھیں اور یورپ میں دیکھ لیں جتنے آزاد تعلیمی ادارے ہیں۔ قرآن وسنت کی خدمت کے لئے وہ تمام کے تمام ان علماء کے ہیں جو براہِ راست دیو بند کے پڑھے ہوئے ہیں یا بالواسطہ دیو بند سے پڑھے ہوئے ہیں۔ پوری دُنیا میں ان لوگوں کی خدمات ہیں آج اللہ تبارک وتعالیٰ کا یہ دین اپنی اصلی شکل وصورت میں آپ کے اور ہمارے سامنے جو موجود و محفوظ ہے۔ اب یہ آپکی طرف منتقل ہو رہا ہے۔

ہمارے اکابر اور دین کی حفاظت

آپ کے اکابر اور آپ کے اساتذہ نے، اس امانت کو آپکی طرف پوری حفاظت کیساتھ، پوری دیانت کے ساتھ، پوری امانت کے ساتھ منتقل کر دیا ہے۔ یہ جو اللہ تبارک وتعالی کا دین محفوظ ہے، کیا اس کے پیچھے کوئی قربانی نہیں ہے؟ اسکے پیچھے ہمارے اکابر کی عظیم قربانیاں ہیں۔

علماء اور سیاست

آج بھی اس ملک کی سیاست (نظام حکومت) میں علماء (علماء دیوبند) کا کردار ہونا چاہیئے۔ اگر علماء کا کردار اس کے اندر ہوگا تو یقیناً یہ ملک اور اسکا نظام حکومت صحیح ہوگا۔ علماء اگر اس نظام سے ہٹ جائے سیاست کے میدان کو یا نظام حکومت کے میدان کو وہ ان افراد کے حوالے کر دیں جو نہ اللہ کے دین سے واقف ہیں نہ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ سے واقف ہیں تو اسکا نتیجہ پھر یہی ہوگا جو اس ملک میں ہمارے سامنے ہے۔

تو پھر وہ لوگ جو اللہ کے دین سے واقف نہیں جب وہ برسرِ اقتدار آئے تو اُنہوں نے اس ملک کو نقصان پہنچایا اس ملک کو فائدہ نہیں پہنچایا۔ اُنہوں نے ملک کو دو ٹکڑے کیا۔ ملک کے مختلف حصے دوسروں کے حوالے کیے۔ ملک کو دوسروں کا غلام بنایا اور یہ ہماری موجودہ فوجی حکومت جو ہے انکی اقدامات کے نتیجے میں یہ ملک امریکہ کی کالونی اور ہم سب اب امریکہ کے غلام بن چکے ہیں یہاں تک صورت حال بگڑ چکی ہے کہ اگر کوئی پاکستانی بیرونی ملک جانا چاہتا ہے تو ائرپورٹ سے نکلتے وقت اگر امریکی اجازت دیتے ہیں تو اسکو باہر نکلنے کی اجازت ہوتی ہے ورنہ نہیں اس قسم کے اقدامات سے اس ملک کو نقصان پہنچے گا، اس لئے اس ملک کے نظام حکومت میں، نظام سیاست میں علماء کا حصہ اور ان کا کردار ہونا چاہیئے۔

سیاست کی اصلاح علماء کے ذریعے

اور انشاء اللہ اسی کے ذریعے اصلاح ہوگی، اس ملک کا فائدہ ہوگا، اس ملک کے اندر

مسلمان اور جو لوگ بھی رہتے ہیں انکا بھی اس میں فائدہ ہے۔ اب الحمدللہ موجودہ حالات میں اللہ تبارک و تعالیٰ کے دین کے جتنے بھی نام لیوا ہیں ان تمام کو اللہ تبارک و تعالیٰ نے ایک پلیٹ فارم پر (متحدہ مجلس عمل) جمع کر دیا ہے عام لوگ جو اشکال یا اعتراضات کیا کرتے تھے کہ دینی سیاست کرنے والے خود متفرق ہیں۔ خود الگ الگ ہیں کس کا ساتھ دیا جائے؟ وہ اشکال اور وہ اعتراضات اب باقی نہیں رہے۔ الحمدللہ اب دین کے سارے نام لیوا ایک ہی ساتھ ہیں اس لئے اب میں سمجھتا ہوں کہ اس ملک کے مسلمان عوام کے لئے اس کے بعد پھر اللہ تبارک و تعالیٰ کے ہاں کوئی عذر باقی نہیں رہے گا۔ اب بھی اگر وہ نہیں جاگیں اور ملک کی تقدیر پھر ایسے لوگوں کے حوالے کی جنھوں نے پہلے اس کو نقصان پہنچایا تو یقیناً پھر ان عوام کا، ان مسلمانوں کا اللہ تبارک و تعالیٰ کے ہاں کوئی عذر باقی نہیں رہے گا۔

اسلام کی غلبے کی محنت کریں

بہرصورت میں آپ کی خدمت میں یہ عرض کرتا ہوں کہ۔ آپ اپنے اکابر کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے۔ ان کے نقشِ قدم پر رہتے ہوئے ملک کے اندر اور پوری دُنیا میں اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے جو محنت مختلف شکلوں میں مختلف صورتوں میں اور ہر مقام پر ان کے تقاضے الگ ہیں ان تقاضوں کے مطابق اپنے آپ کو ان کے لئے تیار کر دیں۔ کہ ہم! اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے اللہ کی مخلوق کو اللہ کا غلام بنانے کی محنت کرتے رہیں گے۔ تا کہ اسلام غالب ہو، اللہ سے میں دُعا کرتا ہوں کہ آپ سب کو عالم باعمل بنا دیں۔ اور اپنے اکابر کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے

(آمین)

وآخر دعوانا ان الحمدللہ رب العلمین

(از جنابِ شامزئی)



پاکیزہ زندگی پاکیزہ ماحول سے بنتی ہے

بیان......مولانا محمد عمر پالن پوری صاحبؒ
ترتیب......لطیف الرحمن ہارون / طارق سعید

خطبہ مسنونہ کے بعد فرمایا......

ا۔ دُنیا دار الاسباب ہے

اللہ رب العزت نے اس دنیا کو دار الاسباب بنایا ہے اور جو کچھ کرتے ہیں، اللہ کرتے ہیں۔ اپنی قدرت کے ساتھ کرتے ہیں، اسباب کے پردے میں کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اسباب کے محتاج نہیں، لیکن اپنی قدرت کا مظاہرہ اسباب کے پیچھے کرتے ہیں اور خود دکھائی نہیں دیتے۔ انسان کا ذہن مخلوقات کی طرف جاتا ہے۔ اس لئے انسان مخلوقات میں اُلجھ کر رہ جاتا ہے۔ اللہ کی طرف انسان کا ذہن نہیں جاتا، کیونکہ اللہ دکھائی نہیں دیتے۔ حالانکہ دنیا کے اندر بہت سی چیزیں دکھائی نہیں دیتیں، لیکن انسان ان کو نشانیوں سے مانتا ہے۔ انسان کی جان دکھائی نہیں دیتی، لیکن مانتے سب ہیں۔ اس لئے کہ جس آدمی میں روح ہوتی ہے، چلتا ہے، پھرتا ہے، بولتا ہے، کھاتا پیتا ہے۔ یہ اس کی جان اور زندہ ہونے کی نشانی ہے۔ حالانکہ جان دکھائی نہیں دیتی، لیکن تمام انسان اسے مانتے ہیں۔ عقل دکھائی نہیں دیتی، لیکن انسان اسے نشانیوں سے مانتا ہے کہ یہ آدمی ڈھنگ کا کام کرتا

ہے، ڈھنگ کی باتیں کرتا ہے، لہٰذا عقل ہے۔ اگر عقل نہ ہوتی تو کپڑے پھاڑتا، گالیاں دیتا۔ تو نشانی سے عقل کو مانا اور بغیر دیکھے مانا۔ کسی جنگل میں آدمی مکان بنا ہوا دیکھ کر فوراً سمجھتا ہے کہ اس کا بنانے والا کوئی ہے، اگرچہ بنانے والے کو نہیں دیکھا۔ لیکن یہ مکان نشانی ہے کہ اس مکان کو کوئی بنانے والا ہے۔ یہاں تک کہ جنگل کے اندر اونٹ کی مینگنی کے نشانات دیکھے اور بغیر دیکھے اونٹ کو مانا... مینگنی کی نشانی... تو یہ انسان اتنا بڑا آسمان، چاند، سورج، ستارے اور یہ ساری مخلوقات جو کہ اس رنگ برنگی کائنات میں پھیلی ہوئی بستی ہے، اس کو دیکھ کر کیا یہ نہیں جان سکتا کہ اس کا بھی کوئی بنانے والا ہے۔ جیسے اس جنگل کے اندر بنے ہوئے مکان کا بنانے والا دکھائی نہیں دیتا اور بغیر دیکھے اس کو مانا، کیونکہ مکان نشانی ہے۔ اسی طرح یہ زمین، آسمان، سورج، چاند پوری کائنات اس بات کی نشانی ہے کہ اس کا کوئی بنانے والا ہے۔

اور زمین، آسمان، چاند، سورج کے پیدا کرنے کی جہاں بہت سی مصلحتیں ہیں، وہاں یہ بھی ایک بڑی مصلحت ہے کہ اس کے ذریعے آدمی اللہ تعالیٰ کو پہچانے اور خدا کی وحدانیت اور موجود ہونے کا یقین کرے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَمِنْ اٰیٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ وَاَلْوَانِكُمْ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّلْعٰلَمِیْنَ۔

یہ اللہ پاک نے نشانیاں بنائی ہیں، اللہ تعالیٰ کو پہچاننے کے لئے، زمیں، آسمان، سورج، چاند، اللہ نے اس لئے نہیں بنائیں کہ اللہ تعالیٰ کو اس کی ضرورت تھی۔

۲۔ پرورش کرنے میں اللہ تعالیٰ کسی کے محتاج نہیں

اللہ تعالیٰ نے زمین، آسمان، چاند، سورج کو اس لئے نہیں بنایا کہ اس کے بغیر وہ انسان و مخلوقات کو پال نہیں سکتے تھے۔ نہیں! ایسا نہیں ہے۔ پالنے میں اللہ زمین و آسمان، سورج چاند کے محتاج نہیں۔ دکان، کھیت، روپے پیسے، سونا چاندی کے وہ محتاج نہیں۔ وہ چیونٹی سے لے کر جنگل کے بڑے بڑے شیروں اور سمندر کی بڑی بڑی مچھلیوں کو بغیر کاروبار کے پالتے ہیں۔ ماں کے پیٹ میں انسان کو بغیر کاروبار کے پالا۔ جو کاروبار سامنے ڈالا، یہ اس لئے نہیں ڈالا کہ وہ اس کاروبار کے بغیر پل نہیں سکتے۔ وہ تو پالنے میں زمین، آسمان، سورج، چاند کے بھی محتاج نہیں۔ اللہ کو ان میں سے کسی چیز کی ضرورت نہیں۔ اللہ نے پھر بنایا کیوں؟ یہ سارا سلسلہ جو ہے یہ سلسلہ تربیت نہیں ہے۔ تربیت تو خدا اپنی قدرت سے کرتے ہیں اور اپنے ارادوں سے کرتے ہیں۔ جو کام اللہ تعالیٰ کرتے ہیں وہ اپنے ارادے، اپنی قدرت اور اپنی چاہت سے کرتے ہیں۔ وہ کسی چیز کے محتاج نہیں۔

جس چیز کا وہ ارادہ کرتے ہیں، وہ چیز ہو جاتی ہے۔ پالنے کا ارادہ کریں، پرورش ہو جاتی ہے۔ اور اگر پرورش کو بگاڑنے کا ارادہ کرتے ہیں تو پرورش کو بگاڑ دیتے ہیں۔ زمین، آسمان بنانے کا ارادہ کرلیا تو بن گیا۔ اور جس دن توڑنے کا ارادہ کریں گے تو توڑ دیں گے۔ تو خدا کسی مخلوق اور ظاہری اسباب کے محتاج نہیں۔ یہ ساری چیزیں خدا نے تربیت کے لئے نہیں بنائیں۔ اللہ تعالیٰ اس کے بغیر بھی تربیت کر سکتے ہیں۔ یہ بات الگ

ہے کہ خدا کی قدرت ان ساری چیزوں کو استعمال کرے۔ سورج کو گرمی پہنچانے کے لئے، بادل کو برسانے کے لئے۔ اللہ کی قدرت اگر ان کو استعمال کرے تو یہ الگ بات ہے، مگر خدا ان چیزوں کا محتاج نہیں۔ لہٰذا یہ تمام سلسلہ تربیت کے لئے نہیں ہے بلکہ سلسلہ معرفتِ قدرت ہے۔ اللہ تعالیٰ کو پہچاننے کے لئے یہ ساری چیزیں پیدا کیں۔ کرنے والی ذات اللہ تعالیٰ کی ہے۔ وہ دکھائی نہیں دیتا۔ اُن کو پہچاننے کے لئے ان ساری چیزوں کو دیکھو اور دیکھ کر خدا کی پہچان کرو۔

۳۔ کائنات کی تخلیق، اللہ کی معرفت کی نشانی

اللہ تعالیٰ نے اِن ساری چیزوں کو اس لئے پیدا فرمایا کہ اِن چیزوں کو دیکھ کر میری طاقت کو تسلیم کرو اور میری بات مانو۔ اگر میری طاقت موافقت میں آگئی تو دنیا و آخرت میں چمکو گے اور اگر میری طاقت و قدرت تمہارے خلاف ہوگئی تو دنیا و آخرت میں مٹ جاؤ گے۔ ان ساری حیرت انگیز چیزوں کو دیکھ کر تم مجھے پہچانو۔ لیکن یہ کم سمجھ انسان بجائے خدا سے جُڑنے کے یہ زمین و آسمان، چاند و سورج سے جڑ گیا اور کروڑوں انسان زمین و آسمان، چاند و سورج کی پوجا کرنے والے بن گئے

لیکن کلمہ پڑھنے والے خدا کی طاقت تسلیم کرنے والے اور ایمان کی طاقت رکھنے والے ان چیزوں کی پوجا نہیں کرتے۔ خدا نے انسان کو اپنی منوانے کے لئے پیدا فرمایا اور اس انسان کے پاس زمین، آسمان، سورج، چاند اپنی معرفت کی چیزیں دکھائیں۔ اللہ تعالیٰ تو دکھائی نہیں دیتا تو یہ اس

نے اپنی معرفت کی چیزیں انسان کو دکھائیں کہ ان چیزوں کو دیکھ کر میری مانے۔ لیکن انسان بجائے خدا کے ماننے کے اُن چیزوں سے جڑ گیا اور گمراہ ہوگیا۔

مثال کے طور پر ایک بادشاہ نے پبلک سے کہا کہ میری بات مانو اور پبلک بغاوت کر رہی ہے اور بادشاہ کی بات نہیں مانتی۔ بادشاہ نے اپنی طاقت دکھانے کے لئے بڑے بڑے چار پانچ پہلوان پبلک کے پاس بھیجے کہ ان پہلوانوں کو دیکھو اور میری طاقت سمجھو اور میری طاقت تسلیم کرو۔

چار پہلوان آئے تو پبلک اتنی کم سمجھ نکلی کہ چار پہلوانوں سے جڑ گئی۔ پہلوانوں کے سروں کو تیل لگانا، ان کی ٹانگوں کو دبانا، ان کی خوشامد کرنا کہ ہم کو مارنا مت، ہمارے بچے یتیم ہوجائیں گے۔ ہم کمزور ہیں، ہمیں ہرگز نہ ماریو۔ بادشاہ نے دیکھا کہ یہ تو بہت نکمے نکلے۔ ان کو بھی ختم کرنا چاہئے۔ تو اس بادشاہ نے دو اور بڑے پہلوان بھیجے۔ ان دونوں نے آکر ان چار پہلوانوں کو بھی ختم کردیا اور پبلک کو بھی ختم کردیا تاکہ سب کو معلوم ہوجائے کہ پبلک کے ساتھ ساتھ چاروں پہلوانوں کی بھی بادشاہ کے سامنے کوئی حیثیت نہیں۔ تو یہ زمین آسمان، سورج چاند پہلوان ہیں، جن کو اللہ تعالیٰ نے بنایا۔ تو آدمی ان کو دیکھ کر اللہ کی طاقت کو تسلیم کرے اور اللہ کی بات کو مانے اور کامیاب ہو۔ مگر کروڑوں انسان ان پہلوانوں زمین، آسمان، سورج، چاند سے جُڑ گئے اور اللہ تعالیٰ سے نہیں جڑے۔

لیکن چونکہ کلمہ پڑھنے والے اللہ سے جُڑے ہوئے ہیں تو اس لئے اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان، چاند سورج کو باقی رکھا۔ ایک دن ایسا آئے گا کہ

ایک آدمی بھی اللہ سے جُونے والا نہیں رہے گا۔ ایک آدمی بھی اللہ اللہ کہنے والا نہیں ہوگا، ایمان والا نہیں ہوگا۔ تو اس دن اللہ تعالیٰ ایک بہت بڑے پہلوان کو لائیں گے، جس کا نام حضرت اسرافیل علیہ السلام ہے۔ اس سے اللہ کہہ دیں گے کہ صور پھونکو۔ وہ پھونک دیں گے تو زمین و آسمان، سورج چاند سب ٹوٹ پھوٹ کر ختم۔ اور اس وقت بھی جو انسان ہوں گے، سب ختم ہو جائیں گے اور چالیس سال بالکل سناٹا ہوگا اور چالیس سال کے بعد پھر دوسری مرتبہ حضرت اسرافیل علیہ السلام (صور) پھونکیں گے تو حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر آخر تک تمام انسان زندہ ہو کر حشر کے میدان میں آجائیں گے اور اللہ تعالیٰ کے سامنے حساب کتاب کے لئے سب جمع ہو جائیں گے۔

لیکن ابھی تک یہ زمین آسمان سورج چاند اللہ تعالیٰ نے برقرار رکھے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کا نام لینے میں اتنی طاقت ہے کہ ایک آدمی بھی اللہ تعالیٰ کا نام لیتا رہے گا، ساری دنیا اگر خدانخواستہ کافر ہو جائے اور صرف ایک آدمی ہو، اور وہ بھی صرف اللہ اللہ کا نام لیتا رہے، نماز، روزہ، زکوٰۃ کسی کی خبر نہ ہو، صرف اللہ کا نام لیتا رہے تو زمین آسمان سورج چاند کا پورا نظام چلتا رہے گا اور جس دن یہ بھی نہیں رہا تو اس پورے نظام کو ختم کر کے درہم برہم کرے گا اور قیامت کا دن قائم ہوگا۔

تو کرنے والی ذات اللہ کی ہے۔ وہ کرتے ہیں، اپنے ارادہ و قدرت سے کرتے ہیں۔ کسی چیز کے وہ محتاج نہیں۔ لیکن دنیا کو اس نے دارالاسباب بنایا ہے اور اسباب کے پردے میں اللہ اپنی قدرت کا مظاہرہ فرماتے ہیں۔

۴۔ اسباب کی دو قسمیں ہیں

اسباب ظاہری و اسباب باطنی۔ اسباب ظاہری کیا ہیں؟ ملک مال، روپیہ پیسہ، سونا چاندی، دکان کھیت، عہدہ ڈگری، فوج، پولیس، کاروبار، یہ سارے ظاہری اسباب ہیں۔ اور اسباب غیبی یا اسباب حقیقی کیا ہیں؟ دین، ایمان، اعمال صالحہ، توکل، صبر شکر، سخاوت ہیں۔ یہ تمام خوبیاں انسان کی کامیابی کے اسباب ہیں۔ غیبی اسباب انسان کی کامیابی کے اسباب ہیں۔

ظاہری اسباب ملک و مال پیسہ روپیہ اور پھیلی ہوئی چیزوں کے ذریعے انسانی زندگی کا بننا یہ انسانی تجربہ ہے، اللہ کا وعدہ نہیں۔ اس کے ذریعے کبھی زندگی بنتی بھی ہے اور کبھی بگڑتی بھی ہے۔ ملک اور مال میں فرعون و ہامان کی زندگی بگڑی۔ ملک و مال میں حضرت سلیمان و داؤد علیہ السلام کی زندگی بنی۔ وزارت کی کرسی میں ہامان کی زندگی بگڑی اور وزارت کی کرسی میں حضرت یوسف علیہ السلام کی زندگی بنی۔ مصر کی حکومت سے فرعون کی زندگی بگڑی اور مصر کی حکومت میں حضرت ابن العاص رضی اللہ عنہ کی زندگی بنی۔ جن چیزوں میں انسان کی زندگی انسان کو بنتی ہوئی نظر آتی ہے، ان چیزوں میں اللہ کبھی زندگی بناتے ہیں اور کبھی بگاڑتے ہیں۔ زمین پھٹی قارون اندر گھسا، اللہ کی لعنت برسی اور ناکام ہوا۔

زمین پھٹی حضرت اسماعیل علیہ السلام کے لئے اور زم زم کا پانی نکل آیا۔ خدا کی رحمت برسی اور کامیاب ہوئے۔ ایک کے لئے زمین کا پھٹنا ناکامی اور دوسرے کے لئے پھٹنا کامیابی۔ تو معلوم ہوا کہ دنیا کے اندر جتنی پھیلی ہوئی

چیزیں ہیں، ان سے انسان کا ذہن ہے کہ میری زندگی بنے گی۔

۵۔ چیزوں سے زندگی کا بننا انسانی تجربہ ہے، خدائی وعدہ نہیں

دنیا کے اندر پھیلی ہوئی چیزوں سے زندگی کا بننا انسانی تجربہ ہے، خدا کا وعدہ نہیں۔ اس لئے کبھی کبھی ان میں زندگی بن بھی جاتی ہے اور کبھی کبھی زندگی بگڑ بھی جاتی ہے۔ مال سے کبھی انسان کے کام بنتے ہیں اور کبھی یہی مال ڈاکوؤں کے آنے کا سبب بن جاتا ہے۔ اور گولی مال کی وجہ سے ماردی جاتی ہے۔ دونوں کام ہو جاتے ہیں۔ دنیا کے اندر پھیلی ہوئی چیزوں سے زندگی بننے کی کوئی گارنٹی نہیں۔ روپیہ پیسہ، سونا چاندی، عہدہ ڈگری کے اندر زندگی کا بننا کوئی گارنٹی نہیں۔ کیونکہ یہ انسانی تجربہ ہے، خدا کا وعدہ نہیں۔ کبھی بنتی ہے اور کبھی بگڑتی ہے۔ لیکن وہ جو اسبابِ حقیقیہ اور غیبیہ اور اصلی ہیں، اس میں انسان کی زندگی کا بننا یہ خدا کا وعدہ ہے۔ ایمان پر زندگی کا بننا، اعمال صالحہ پر، تقویٰ، شکر، سخاوت، توکل، صبر پر زندگی کا بننا، نمازوں پر، زکوتوں پر، غربا پروری پر، سچائی اور امانت داری پر زندگی کا بننا یہ خدائی وعدہ ہے۔

۶۔ اسبابِ حقیقی پر زندگی کا بننا یہ خدائی وعدہ ہے

اگر یہ اعمال اچھے بن گئے، ایمان میں طاقت آگئی، زندگی میں

دینداری آ گئی تو زندگی کا بننا یہ خدا کا وعدہ ہے۔ دنیا کے اندر بھی بنے گی اور آخرت کے اندر بھی بنے گی۔ لیکن یہ اسبابِ غیبی سے زندگی کا بننا انسان کو دکھائی نہیں دیتا، کیونکہ اسبابِ غیبی کے اختیار کرنے میں بعض مرتبہ اسبابِ ظاہری کم ہوتے یا بعض مرتبہ چھوڑنے پڑتے ہیں اور بعض مرتبہ اسبابِ ظاہری زیادہ ہوتے ہیں۔

اور یہ انسان کے مشاہدات کے خلاف ہوتا ہے۔ اس بناء پر انسان کو مجاہدہ کرنا پڑتا ہے۔ اس مجاہدے کے لئے انسان تیار نہیں ہوتا۔ انسان ظاہری اسباب میں اُلجھ جاتا ہے اور اسبابِ غیبیہ اس کے خلاف ہو جاتے ہیں۔ ایمان کی طاقت کمزور پڑ جاتی ہے، اعمال خراب ہو جاتے ہیں، ذہن اس کا یہ ہوتا ہے کہ پیسہ کتنا زیادہ ہو اور میری زندگی بنے گی۔ اب سُود، جھوٹ، رشوت، غبن، خیانت، خراب کام کر کے اور اپنے اعمال خراب کر کے اسبابِ غیبیہ کو اپنے خلاف کر دیتا ہے اور اسبابِ ظاہریہ اس کے سامنے آتے رہتے ہیں۔ اور اُسی میں وہ اپنی زندگی کا بننا خیال کرتا ہے اور سمجھتا ہے۔ اور یہ اللہ کا فیصلہ ہے کہ جو آدمی اللہ کی بات نہ مانے اور اللہ کا نافرمان اور باغی ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ شروع میں اُسے ڈھیل دیتے ہیں اور آخر میں اس کی پکڑ کرتے ہیں۔ اور جو آدمی اللہ کو مانتا ہے اور اس کی فرمانبرداری کرتا ہے اور اسبابِ حقیقیہ کو پکڑ لیتا ہے، ایمان والی زندگی، دین والی زندگی، اعمال والی زندگی جب وہ اختیار کرتا ہے، احکامات کی پابندی کرتا ہے، جھوٹ نہیں بولتا، سچائی کے ساتھ رہتا ہے تو ایسے آدمی کی زندگی کو عام طور سے اللہ تعالیٰ شروع میں امتحان والی بناتے ہیں، اس پر امتحانات آتے ہیں

اور آخر میں اللہ تعالیٰ ایک جھلک ایسی بھی دکھا دیتے ہیں کہ دیکھنے والے دیکھ کر کہہ جاتے ہیں کہ لو اس کی تو زندگی بن گئی۔ سارے انبیائے کرام علیہم السلام کی زندگی اس کے لئے ہمارے واسطے نمونہ ہیں۔ شروع کے اندر بڑے بڑے امتحانات کا دور گزرا۔ بڑی تکلیفوں میں زندگی گزری۔ حضرت نوح علیہ السلام پر تکالیف آئیں، حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر بڑی بڑی تکلیفیں آئیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ مجھے اتنا ستایا گیا کہ کوئی اتنا نہیں ستایا گیا اور مجھے اتنا ڈرایا دھمکایا گیا کہ کوئی اتنا ڈرایا دھمکایا نہیں گیا۔ یہ تمام تکلیفیں ابتدائی دور کے اندر آئیں اور آخر میں اللہ تعالیٰ کی مددیں آئیں۔ ایسی برکتیں و نصرتیں آئیں کہ جس کو دنیا بھر نے دیکھا۔ کہ جو قوم تیرہ سال تک بات کو ماننے کے لئے تیار نہیں تھی اور وہی قوم پانچ سال تک لڑنے کے لئے مدینے گئی، بدر، اُحد، خندق میں، اور چھٹے سال بادلِ نخواستہ مکہ کے منافقوں نے صلح (صلح حدیبیہ) کی۔ اندر سے عداوت تھی، اس لئے انہوں نے صلح نامہ توڑ دیا اور اس پر مکہ فتح ہوا۔ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم دس ہزار کے مجمع کو لے کر مکہ تشریف لائے تو گویا آٹھ ہجری تک تیرہ سال مکہ اور آٹھ سال مدینہ میں اس قوم نے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کو نہیں مانا۔ جو نبی پورے عالم کے لئے بھیجے گئے، جو بات پورے عالم سے منوانی تھی، اس بات کو پوری قومِ قریش ۲۱ سال تک ماننے کو تیار نہیں اور ماننا تو درکنار لڑنے مرنے کو تیار تھے۔ ظاہری اسباب میں پاکیزہ دین پورے عالم میں کیسے پھیلتا؟ لیکن اللہ تعالیٰ نے آخر کے اندر فتح مکہ کے موقع پر ایسی جھلک دکھا دی کہ سارے کے سارے بے ایمان ایمان والے بنے۔ اور پورا عرب اسلام کے اندر

داخل ہوا، اور ایسی پاکیزہ زندگی بنی کہ دیکھنے والے حیرت میں پڑ گئے کہ مختصر اور تھوڑے وقت کے اندر ماحول کا ملنا اور پورے عالم کے اندر دین پھیلنا یہ حیرت کی بات تھی۔

۷۔ پاکیزہ زندگی پاکیزہ ماحول سے بنتی ہے

رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی پاکیزہ زندگی آدمی اُس وقت لے گا جب اس پاکیزہ زندگی کا پاکیزہ ماحول سامنے آئے گا۔ مکہ مکرمہ میں رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو ماحول نہیں ملا اور ماحول نہیں بن سکا، اس لئے کہ افراد اسلام میں آئے، کوئی قبیلہ اسلام کے اندر نہیں آیا۔ کسی قبیلے نے مکمل اسلام قبول نہیں کیا اور اسلامی زندگی اجتماعی ہے۔ اسی اجتماعی زندگی کو بنانے کے لئے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم حج کے زمانے میں آپ ایک ایک قبیلے کے پاس تشریف لے جاتے تھے اور یہ فرماتے تھے کہ میں پاکیزہ زندگی لے کر آیا ہوں اور دنیا و آخرت کی کامیابی اسی پاکیزہ طریقے میں ہوگی۔ آپ فرماتے "وہ کون سا قبیلہ ہے جو میرے کو اپنے پاس ٹھہرائے تاکہ میں اس پاکیزہ زندگی کو قبیلے کے اندر لاؤں اور قبیلے کی زندگی پاکیزہ اصولوں پر آجائے اور ساری دنیا اور قیامت تک کے لئے نمونہ بن جائے، کیونکہ مکے والے تو میری بات ماننے کے لئے تیار نہیں، لہٰذا تم میرے کو ساتھ لو اور اس پاکیزہ طریقہ کو قبول کرو۔" تو وہ قبیلے والے کہتے تھے کہ تمہاری قوم تم کو ہم سے زیادہ جانتی ہے، جب وہ تمہاری بات نہیں مانتے تو ہم تمہاری بات کیوں مانیں؟ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم مختلف قبیلوں میں تشریف لے جاتے تھے اور یہ فرماتے کہ میرے کو اپنے

قبیلے میں لے جاؤ تاکہ میں یہ پاکیزہ طریقہ تم میں چالو کرسکوں۔ مختلف قبیلوں میں آواز دیتے تھے کہ کون ہے جو میرے کو ساتھ لے لے اور میرا ساتھ دے دے، کیونکہ یہ کام ہے اجتماعی زندگی کا۔ کام کرنا ہے اجتماعی۔ ایک آدمی اگر اکیلا دین کا کام کرتا جائے تو پورے عالم کے اندر اثر نہیں ڈالے گا۔ جب تک ایک پورے کا پورا مجمع سامنے نہ آئے، اس وقت تک پورے عالم کے اندر اثر نہیں پڑے گا۔

لیکن لوگ ماننے کو تیار نہیں تھے۔ یہاں تک کہ آپ ﷺ دعوت لے کر جاتے تھے تو آپ کو ستانے کے لئے کئی شریر پیچھے سے آکر آپ پر بدبو ڈالتے تھے۔ کوئی سامنے سے آکر آپ پر تھوکتا تھا۔ کوئی آتا اور آپ کی اونٹنی کو مارتا۔ وہ پھدکتی اور آپ زمین پر گر پڑتے، پھر اٹھتے، کپڑے جھاڑ کر چلتے اور دوسرے خاندان قبیلے کی طرف متوجہ ہو جاتے تھے۔ اسی طرح رسول پاک ﷺ ایک خاندان اور قبیلے کے پاس جاتے تھے اور دعوت پیش کرتے تھے۔ مدینے والوں کی سعادت مندی اور خوش نصیبی کہ انہوں نے یہ طے کیا کہ اے اللہ کے رسول! ہم آپ کو اپنے خاندان میں، اپنے شہر میں اور اپنے قبیلے میں ٹھہرانے کے لئے تیار ہیں اور آپ کی بات کو لینے کے لئے اور اسے ماننے کے لئے ہم تیار ہیں۔ مدینے والے اس کے لئے تیار ہوئے اور بہتر آدمی رسول پاک کی خدمت میں آئے، بیعت ہوئے اور انہوں نے کہا کہ اے اللہ کے رسول! آپ اور آپ کے سب ماننے والے مدینہ منورہ ہجرت کر آئیں۔ مدینہ والوں نے جب آپ ﷺ کو آنے کی دعوت دی تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے جو کہ اس وقت ایمان نہیں لائے تھے، مدینے والوں کو ایک

طرف جمع کر کے یوں کہا کہ میرے بھتیجے کو تو لے جاتے ہو، مگر سوچ کر لے جانا، اگر تم ان کو لے جاؤ گے تو سارے عرب سے جھگڑا مول لو گے۔ اور وہ جھگڑا ایسا زبردست ہوگا کہ تمہاری عورتیں بیوہ ہو جائیں گی، بچے یتیم ہوں گے، تمہاری گردنیں تنوں سے جدا ہوں گی اور کاروبار تمہارے فیل ہو جائیں گے۔ اگر ان سب کچھ کو برداشت کرنے کے لئے تیار ہو تو پھر میرے بھتیجے کو لے جانا، اگر نہیں تو ہم خود یہاں سنبھال لیں گے۔ مدینہ والوں نے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری دی اور کہنے لگے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ یوں کہتے ہیں کہ اگر آپ کو لے جانا ہے تو یوں حالات پیش آئیں گے۔ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ٹھیک کہتے ہیں، یہی ہوگا۔" اب انہوں نے عرض کیا کہ حضرت اتنی بڑی قربانی دینے کے بعد ہم کو کیا ملے گا۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان قربانیوں کے بدلے اللہ تمہیں جنت دیں گے۔ جب جنت کا نام سنا تو اس زمانے میں جنت صرف جنت یعنی (ج ن ت) اتنی بات نہیں تھی، بلکہ جنت سنتے ہی جنت کا وہ سارا منظر فوراً آنکھوں کے سامنے آجاتا تھا۔ قرآن کی وہ ساری آیتیں سامنے آجاتی تھیں جن کے اندر جنت کے تذکرے تھے۔ انہوں نے کہا کہ اگر جنت مل گئی تو پھر سودا سستا ہے، ہم اس قربانی کے لئے تیار ہیں۔

جیسے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینے والوں کا لے جانا اور سارے عرب سے جھگڑا مول لینا تھا اور مدینے والوں کے لئے پورا مجاہدہ تھا اور اس کے لئے تیار ہو گئے، آج بھی اگر کوئی آدمی رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے کو اپنے خاندان میں یا اپنے گھر میں یا اپنے کاروبار میں داخل کرے گا تو مدینے

والوں نے جو تکلیفیں اُٹھائیں ہیں، اتنی تو نہیں لیکن کچھ نہ کچھ آدمی کو تکلیف اُٹھانی ہی پڑے گی۔ اور انسان کو اس کا ارادہ کر لینا چاہئے کہ جو تکلیف آئے گی، جو قربانی کی ضرورت پڑے گی، میں وہ دے دوں گا لیکن نبی کا دامن کبھی نہیں چھوڑوں گا۔ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا لایا ہوا دین کبھی نہیں چھوڑوں گا۔

۸۔ دینداری لانے میں تکالیف برداشت کرنی پڑیں گی

آج بھی یہی ہے، پورے عالم کے اندر اگر گھرانے میں ایک نوجوان تبلیغ میں لگ کر پورا دیندار بنا تو پورے گھر میں اور خاندان میں اُسے کتنی قربانی دینی پڑتی ہے۔ ہر لائن میں اسے تکالیف اور قربانیاں اُٹھانی پڑتی ہیں۔ ناپ تول میں کمی نہیں کرتا، دودھ میں پانی نہیں ملاتا۔ مثال کے طور پر ایک نوجوان دیندار بنا اور یہ خواص اس کے اندر آگئے۔ ناپ تول میں کمی نہیں، دودھ میں پانی ملاتا نہیں تو اباجان خفا ہو گئے۔ آمدنی کم ہوگئی۔ دکان پر بیٹھا ہے، اذان ہوگئی، گاہکوں کو چھوڑ کر نماز کے لئے گیا تو اباجان خفا ہو گئے کہ گاہک کو چھوڑ کر نماز کے لئے چلے گئے۔ چہرے پر اگر سنت نبوی آئی تو جس لڑکی سے شادی کی اس نے انکار کر دیا۔ ماں باپ نے بھی طعنے دینے شروع کر دئے کہ تجھے کالج بھیجا تھا ماڈرن ٹائپ کا بننے کے لئے اور تو معلوم نہیں ملاّ ٹائپ کیوں بن گیا۔ تیری وجہ سے بہنوں کی شادی رُک گئی۔ یعنی اتنا انتشار گھر میں آیا کہ صرف ایک آدمی نے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کو لیا تو پورا گھر اس کے پیچھے پڑ گیا۔ تو میرے محترم دوستو! ابتداء میں دین زندہ کرنے میں تو یہی ہوگا اور یہ قربانیاں دینی پڑیں گی۔ پھر رسول

پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا پاکیزہ طریقہ پورے عالم کے اندر زندہ ہوگا۔

رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو لے جانے کے وقت شروع میں تو یہ ہوا۔ زبردست قربانیاں مدینے والوں کو دینی پڑیں۔ تکالیف برداشت کرنی پڑیں۔ یہ امت کے لئے قیامت تک کے لئے نمونہ ہے۔ دین کو زندہ کرنے کے لئے زبردست قربانی دینی پڑے گی اس آدمی کو جو دین کو اپنے بدن کے اندر لائے، اپنے کاروبار ئیں لائے، اپنے گھر میں لائے، ان قربانیوں کو برداشت کرنے کے لئے ہر وقت تیار ہو۔

۹۔ آج دین بالکل یتیم بچے جیسا بن چکا ہے

آج پورے عالم کے اندر دین بالکل یتیم بچے جیسا بن چکا ہے۔ جیسے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یتیم تھے اور کوئی دودھ پلانے والی عورت تیار نہیں تھی، کیونکہ انعام اُس کو دودھ پلانے میں کیا ملے گا؟ باپ تو ہے نہیں، دادا ہے وہ پتہ نہیں کہ پوتے کے ہوتے ہوئے جئے گا یا مرے گا تو کوئی انعام کی امید نہیں تھی۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دودھ پلانے کے لئے کوئی عورت تیار نہیں تھی۔ ایسے ہی آج دین کو غیر مسلم تو در کنار مسلمان بھی اپنے اندر داخل کرنے کے لئے تیار نہیں۔ اپنے ملک، کاروبار اور گھر میں داخل کرنے کے لئے کوئی مسلمان تیار نہیں۔ کیونکہ اگر دین کو ہم نے کاروبار کے اندر داخل کر دیا تو پھر ہم جھوٹ، سُود، رشوت اور غبن نہیں کر سکتے۔ پھر ہماری آمدنی کم پڑ جائے گی تو پھر ہماری زندگی پھیکی بن جائے گی۔ لہٰذا اس یتیم دین کو ہمارے گھر کے اندر مت لاؤ۔ ہمارے کاروبار میں مت لاؤ۔ اس لئے کہ کچھ ملے گا تو نہیں، اس

میں کچھ لگے گا۔ بجائے کچھ ملنے کے کچھ لگے گا، اس لئے دین کو مت آنے دو۔

اللہ کی شان دیکھئے کہ حضرت حلیمہ کی چھاتی میں دودھ نہیں تھا۔ اونٹنی میں دودھ نہیں تھا۔ قحط زدہ علاقے کی رہنے والی تھی۔ اس کو کسی نے بچہ نہیں دیا کہ تیرا بچہ ساری رات بھوک سے روتا ہے، ہمارے بچے کو تو کیا پلائے گی۔ تو حضرت حلیمہ کو کوئی بچہ نہیں ملا غربت کی وجہ سے۔ اور رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو یتیم ہونے کی وجہ سے دایہ نہیں ملی۔ اب حضرت حلیمہ نے اپنے شوہر سے پوچھا کہ گود خالی جانا تو ٹھیک نہیں۔ یتیم بچہ مل رہا ہے۔ انعام ملنے کی تو کوئی امید نہیں، ثواب ملے گا۔ کہو تو لے لوں۔ شوہر نے کہا کہ لے لو۔ اور یہ بھی بڑا مجاہدہ تھا کہ یتیم بچے کی پرورش کریں۔ کوئی انعام کی امید نہیں۔ بس مفت کا خرچ کرنا ہے۔

بس! یہی نوعیت دین کی ہے کہ ظاہر میں کچھ نہیں ملتا دکھائی دیتا۔ اور خرچ کرو۔ لیکن اس میں ملنے والی چیز جو غیب میں ہے اور اس کا نام ثواب ہے۔ اور ثواب کو اس زمانے کے لوگ جانا کرتے تھے۔ حضرت حلیمہ نے ثواب کی نیت سے یتیم بچے کو اپنی گود میں لے لیا کہ ثواب ملے گا۔ ثواب تو مرنے کے بعد ملے گا لیکن اللہ تعالیٰ تھوڑی سی جھلک دنیا میں بھی دکھا دیتے ہیں اور وہ یہ کہ حضرت حلیمہ کی دونوں چھاتیاں دودھ سے بھر گئیں اور اونٹنی کو چارہ کھلانے کے لئے گئی تو دیکھا کہ چاروں (تھن) اس کے بھی دودھ سے بھرے ہوئے ہیں۔ اب جو دودھ نکالا اور برتن بھر گیا۔ شوہر نے کہا کہ یہ دودھ کہاں سے آیا تو جواب دیا کہ یہ بچہ ہے تو یتیم، لیکن ہے بڑا برکتی۔

آتے ہی برکتیں نازل ہوگئیں۔

محترم دوستو! رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے گھر کے اندر داخل کرنا یہ تو مشکل ہے۔ اس لئے کہ آپ تو قبر کے اندر تشریف لے گئے ہیں۔ لیکن جو دین آپ دے کر تشریف لے گئے ہیں، وہ دین بھی آج ایسا ہی یتیم ہے جیسے آپ دنیا میں تشریف لائے ہوئے یتیم تھے۔ جو آدمی اس یتیم دین کو اپنے سینے سے لگائے گا اور دنیا کے اندر اس یتیم دین کو شروع کے اندر تو مجاہدہ کرنا پڑے گا اور قربانیاں دینی پڑیں گی، لیکن بعد میں قوم کے قوم اور ملک کے ملک جب اللہ کی طرف پلٹا کھائیں گے تو یہ اُن سب کے اندر دنیا میں محبوب بنے گا اور آخرت کے اندر جب جائے گا تو جتنی جنت ان دینداروں کو ملے گی جن کو اس کے ذریعے دین پہنچا تھا تو اتنی بڑی جنت اس اکیلے کو ملے گی۔ اس یتیم دین کو گود میں لینے سے اور سینے سے لگانے سے تکلیف تو ہوگی اور جو لوگ دین کو سینے سے لگاتے ہیں اور اپنے گھر کے اندر داخل کرتے ہیں اور جو تکلیف مدینے والوں کو ہوئی تھی، وہ تکلیفیں بھی برداشت کرنی پڑتی ہیں۔ جونسے گھر اور جونسے خاندان کے اندر دین آجاتا ہے، تکلیف تو ضرور اس پر آجاتی ہے۔ دین کے کام سے بدن کو جو تکلیف ہوگی، لیکن روح خوش ہوگی۔ دین کے کام کرنے میں اور دین کے پھیلانے میں بدنی تکالیف تو ہوں گی لیکن روح بہت خوش ہوگی اور روح کو بڑا چین ملے گا۔ اور جو لوگ بے دین قسم کے ہوں گے، اُن کو ظاہری اسباب میں سہولتیں تو میسّر ہوں گی لیکن اُن سہولتوں کے اندر بھی وہ بے چین ہوگا۔ اسے بالکل سکون اور چین نہیں مل سکے گا۔

رسول پاک ﷺ مدینہ منورہ تشریف لے گئے اور مہاجرین بھی ساتھ مدینہ تشریف لے گئے۔ دین کی خاطر سب کچھ قربان کر کے مدینہ ہجرت کر گئے۔ یہ ساری کی ساری قربانیاں جو دی جا رہی ہیں، یہ دین کے پھیلانے کے لئے دی جا رہی ہیں۔ ان کے ذہنوں میں یہ بیٹھ چکا ہے کہ دین والی زندگی اگر آ گئی تو دنیا و آخرت کی زندگی اللہ تعالیٰ بنائے گا۔ تو دین کے لئے قربانیاں دی جا رہی ہیں۔ دین کے لئے مال لگایا جا رہا ہے۔ دین کی بنیاد قربانی ہے۔ دین کی بنیاد ملک و مال، پیسہ روپیہ، سونا چاندی نہیں اور اس کا انکار سب سے پہلے رسولِ پاک ﷺ نے کیا۔ پہلے ہی صاف کہہ دیا۔ حالانکہ مال ملتا تھا اور اللہ کی طرف سے بالکل حلال ملتا تھا کہ مکہ کے پہاڑ سونا بننے کے لئے تیار ہیں۔ سونا کاٹ کاٹ کر لوگوں کو دیتے اور دین کا کام ان سے کرواتے۔ فاقے نہ آتے، پیٹ پر پتھر نہ باندھتے اور آرام سے کھاتے پیتے اور دین کا کام کرتے۔ لیکن رسول پاک ﷺ نے انکار کر دیا اور مکہ کے پہاڑوں کو سونا بننے نہیں دیا۔ ایک دن کھانا ملے گا تو شکر کروں گا۔ دوسرے دن کھانا نہیں ملے گا تو صبر کروں گا۔ اور یہ دو سواریاں خدا تک پہنچانے کے لئے ہیں۔ ایک صبر اور دوسرا شکر۔ اللہ نعمتیں دیں تو شکر، اگر اللہ تکلیف ڈالے تو صبر۔

۱۰۔ اللہ طبیعت کے موافق و خلاف حالات لا کر آزمائش کرتے ہیں

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ طبیعت کے موافق و طبیعت کے خلاف حالات

لا کر ہم تمہاری آزمائش کریں گے۔ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم قیامت تک کے لئے ایک نمونہ بنانا چاہتے تھے۔ آپ اس بات کو جانتے تھے کہ اگر سونا چاندی دے کر لوگوں سے اللہ کے دین کا کام لیا تو پھر لوگ دین کا کام سونا چاندی کے لئے کریں گے، اللہ کی رضا کے لئے نہیں کریں گے۔ جب مقصد سونا چاندی ہوگا تو دین کے اندر دین پنا باقی نہیں رہے گا۔ جب دین کے اندر دین پنا باقی نہیں رہے گا تو پھر دین کے اندر اللہ کی طاقت ساتھ نہیں رہے گی۔ پھر یہ دین اتنا طاقتور نہیں بنے گا کہ قیصر وکسریٰ بھی گھٹنے ٹیک لے۔ بنی اسرائیل کے اندر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی محنت سے جو دین آ گیا اور صحیح طور پر حقیقتاً دین آیا تو فرعون و ہامان نے گھٹنے ٹیک لئے۔ حالانکہ یہ بہت بڑے طاقتور تھے اور ظاہری اسباب میں ان کے ساتھ پوری طاقت تھی، لیکن وہ مقابلہ نہ کر سکے۔ دین کی طاقت کا مقابلہ دنیا کی بڑی سے بڑی طاقت نہیں کر سکتی، اس لئے کہ دین کے ساتھ خدا کی طاقت ہوتی ہے۔ لیکن بشرطیکہ دین حقیقی ہو، اصلی دین ہو۔ اور دین حقیقتاً اس وقت بنتا ہے کہ جب دین کا کام خالص اللہ کی رضامندی کے لئے کیا جائے۔ اس میں دنیا کی کوئی غرض نہ ہو۔ دین کا کام ملک اور مال کے لئے نہ کیا جائے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جو دین کا کام کیا، وہ ملک و مال کے لئے نہیں کیا بلکہ اللہ کو خوش کرنے کے لئے اور خدا کو راضی کرنے کے لئے کیا اور اللہ پاک فرماتے ہیں:

يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا ط

اللہ کا فضل اور اللہ کی رضامندی چاہتے ہیں۔ یعنی ملک اور مال کی طلب اور چاہت نہیں۔ یہ بات الگ ہے کہ ملک و مال اللہ نے اپنے فضل و کرم سے

دیا۔ لیکن ان کا مقصد ملک و مال نہیں تھا بلکہ اللہ کی رضامندی اور اللہ کی خوشنودی۔ تو جب اللہ راضی ہو تو یہ ملک و مال کا آنا ان کی رضامندی کے انعامات ہیں۔ اللہ تعالیٰ راضی ہوئے اور دین میں طاقت آئی۔ اتنی طاقت آئی کہ قیصر و کسریٰ نے گھٹنے ٹیک دیئے۔ دین میں اتنی طاقت ہے جبکہ وہ دین اللہ کی رضامندی کے لئے اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے ہو۔

۱۱۔ دین کے کام کی بنیاد جان و مال کی قربانی ہے

اس لئے رسول پاک ﷺ نے فرمایا کہ دین کا کام قربانیوں کے ساتھ جو آدمی دین کا کام کرے گا، وہ آدمی اپنی جان کو بھی قربان کرے اور مال کو بھی قربان کرے اور جان کی قربانی اور مال کی قربانی بھی کافی نہیں بلکہ

تُجَاهِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَ اَنْفُسِكُمْ.

(سورۂ صف آیت ۱۱ پارہ ۲۸)

اپنی جان کو بھی قربان کرو، اپنے مال کو بھی قربان کرو اور نبی کے طریقے پر قربان کرو اور اللہ کے یقین کے ساتھ قربان کرو، تب جا کے کہیں:

نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَ فَتْحٌ قَرِیْبٌ. (سورۂ صف آیت ۱۳ پارہ ۲۸)

ترجمہ: اللہ کی طرف سے مدد اور جلدی فتح یابی۔

اور جب اللہ کی مدد اور نصرت آئے گی تو پھر:

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَ الْفَتْحُ ۙ وَرَاَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا ۙ (سورۃ النصر آیت ۱،۲ پارہ ۳۰)

پھر تو لوگ جوق در جوق دین کے اندر داخل ہوں گے۔ پھر پوری دنیا کے

اندر امن وامان آئے گا، جبکہ وہ دین دنیا میں زندہ ہو جائے۔

دین کی بنیاد مال نہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے کو ہم دلیل نہیں بنا سکتے، کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا زمانہ شروع کا زمانہ نہیں۔ شروع کا زمانہ دورِ نبوی اور دورِ صدیقی ہے۔ دورِ نبوی اور دورِ صدیقی دین کے لئے جڑ بنیاد کا زمانہ ہے اور دورِ فاروقی دین کے لئے پھلوں کا زمانہ ہے۔ باغ اگر لگاتا ہے تو پہلے جڑ بنیاد لگاؤ تو پھر پھل آتے ہیں۔ دین کے لئے جڑ بنیاد کیا ہیں؟ جان کو قربان کرنا، مال کو قربان کرنا۔ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے طریقے پر اور اللہ کی خوشنودی و رضامندی کے لئے۔ اس سے دین زندہ ہوگا اور دین کے زندہ ہونے سے فضا دینی بنے گی اور دنیا کے اندر امن وامان ہوگا۔ خدا کی نعمتیں اور برکتیں برسیں گی۔ غریب آدمی بھی اپنا مال قربان کرتا تھا اور غریب آدمی کا ذہن یہ نہیں تھا کہ میں غریب ہوں، میرے کو کوئی کھانا کھلائے گا تو دین کا کام کروں گا۔ یہ بالکل اُن کے ذہن میں نہیں تھا۔ اس لئے کہ اس بات کا کوئی قانون یا ضابطہ نہیں تھا کہ تم دین کا کام کرو تو ہم تم کو روٹی دیں گے۔ کوئی ضابطہ یا قانون نہیں تھا۔ یہ بات الگ تھی کہ جس کو اللہ نے دیا، وہ اکیلا نہیں کھاتا تھا۔ وہ دوسرے کو بھی کھلاتا تھا۔ اخلاقی طور پر دینا الگ بات ہے اور قانونی طور پر دینا الگ بات ہے۔ قانونی طور پر دینا بالکل طے نہیں تھا۔ اخلاقی طور پر سب کھلاتے تھے۔ اخلاقی طور پر تو دینا یہاں تک تھا کہ گھر کے اندر صرف ایک آدمی کا کھانا ہے اور مہمان آیا تو چراغ کو بجھا دیا... ٹھیک کرنے کے بہانے... اور اُس ایک آدمی کو پیٹ بھر کر کھلایا۔ اخلاقی طور پر دینا یہاں تک پہنچا تھا۔ لیکن قانونی طور پر دینا کوئی ضابطہ یا قانون

نہیں تھا۔ اتنی قربانیاں دینے کے بعد جب دین زندہ ہوا۔ اور جب دین زندہ ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ دنیا کو قوموں پر ڈالتے ہیں، کیونکہ دین کے کام کرنے والوں کے دلوں سے جب دنیا کی محبت نکل جاتی ہے تو یہ دنیا بجائے سروں پر چڑھی رہنے کے پیروں پر پڑ جاتی ہے۔ دنیا تو مقدر میں ہر آدمی کی لکھی ہوئی ہوتی ہے، چاہے دین کا کام کریں یا نہ کریں۔ اگر مقدر میں زیادہ لکھی ہے تو زیادہ ملے گی اور اگر تھوڑی لکھی ہے تو تھوڑی ملے گی۔ یہ بالکل طے شدہ ضابطہ ہے۔

۱۲۔ دین کے کام کرنے والوں کے لئے دنیا کی کوئی حیثیت نہیں

جس آدمی نے دین کے کام کو کر کے دنیا کو دل سے نکالا تو اُس آدمی کے لئے دنیا پیروں میں پڑ جائے گی اور دنیا اس کے پیچھے پیچھے چلتی ہوگی اور جس آدمی نے دنیا کی محبت کو دین کے کام میں داخل کر دیا اور دین کا کام نہ کیا تو بھی مقدر کی دنیا اسے ملے گی، لیکن وہ دنیا اس کے سر کے اوپر چڑھی رہے گی اور اس آدمی کے آگے آگے ہوگی۔ جو آدمی دنیا کو آگے کر دے گا اور دین کو پیچھے کر دے گا تو اس کا دین بھی دنیا بن جائے گا۔ چاہے وہ شہید بن جائے، سخی بن جائے یا قاری بن جائے، اسے دنیا دار کہہ کر جہنم میں ڈالا جائے گا، کیونکہ اس نے دنیا کو آگے کر دیا اور دین کو پیچھے کر دیا اور محبتِ دنیا کو اندر کر دیا۔ دین پیچھے اور دنیا کی محبت اندر تو اس صورت میں دین کا کام بھی کرے گا تو دنیا کی خاطر۔ دنیا ملے گی تو دین کا کام کرے گا، نہ ملے تو

نہیں لڑے گا۔ تو ایسے آدمی کا جو دین ہے وہ بھی دنیا بن جاتا ہے۔ دنیا میں تو وہ کہتا رہے گا کہ میں دیندار ہوں اور دین کا کام کرنے والا ہوں، لیکن قیامت کے دن وہ دنیادار کہلائے گا۔ کیونکہ دل کے اندر اس کی محبت بھری تھی اور دنیا کو اس نے اصل قرار دیا تھا۔ اور جو آدمی دین کو آگے کر دے اور دنیا کو پیچھے کر دے اور دل سے دنیا کی محبت نکال دے تو مقدر کی دنیا کہیں بھی نہیں جاسکتی، وہ اسے ملے گی۔ فرق صرف اتنا ہوتا ہے کہ بجائے سر چڑھی کے وہ پیر پڑی بن جاتی ہے۔ جیسا کہ ایک آدمی دھوپ کی طرف چلتا ہے تو سایہ اس کے پیچھے پیچھے رہے گا تو اس طرح یہ آدمی اللہ کی طرف چلتا رہے گا۔ دین کی طرف چلتا رہے اور دین کے تقاضوں کو پورا کرتا رہے تو دنیا اس کے پیچھے پیچھے آتی رہے گی۔ اس طرح اگر اس نے دین کی طرف پیٹھ کردی اور دنیا کی طرف منہ موڑا تو دنیا اس کے آگے آگے رہے گی اور یہ آدمی اس کے پیچھے پیچھے رہے گا۔ جیسے سایہ آگے اور یہ پیچھے۔ پندرہ میل چلے گا سایہ کے پیچھے تو بھی سایہ آگے آگے رہے گا۔ تو جتنا وہ ترقی کرے، دنیا اس کے آگے آگے رہے گی اور وہ اس کے پیچھے رہے گا۔ اور اگر دنیا کو پیچھے کر دیا اور دین کو آگے کر دیا تو دنیا کے آگے وہ ہوگا اور دنیا اس کے پیچھے ہوگی۔

۱۴۔ دین کا تقاضا ہے بجائے دنیا کے دین کی محبت دل میں ہو

ہم دنیا کو چھوڑنے کی دعوت نہیں دیتے بلکہ دنیا جو سر چڑھی ہے، اسے

پیر پڑی بنادو۔ دنیا جو سر پر چڑھی ہے، اسے اُتار کر پیروں پر ڈال دو اور دنیا کی محبت جو دل کے اندر ہے، اسے نکال دو اور اللہ کی محبت کو دل کے اندر داخل کردو اور اس دنیا کو آگے کے بجائے پیچھے کردو۔ دنیا اتنی ملے گی جتنی کہ مقدر میں ہے اور دین اتنا ملے گا جتنی محنت کریں گے۔

۱۴۔ دینداری کا زیادہ ہونا محنت پر منحصر ہے

دین کو محنت پر رکھا ہے۔ جتنی محنت کریں گے، دین ملے گا اور آخرت بنی رہے گی اور دنیا کے بارے میں اللہ نے یہ کہہ دیا کہ جتنی ہم نے مقدر میں لکھی ہے، وہ ملے گی، چاہے پوری طاقت لگا دو۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهٗ فِيْهَا مَا نَشَاۗءُ لِمَنْ نُّرِيْدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهٗ جَهَنَّمَ ۚ يَصْلٰىهَا مَذْمُوْمًا مَّدْحُوْرًا. (سورۂ بنی اسرائیل آیت ۱۸ پارہ ۱۵)

جو آدمی دنیا کا ارادہ کرتا ہے، اس کو دیں گے۔ جتنا ہم چاہیں گے اتنا دیں گے۔ یہ نہیں کہا کہ زیادہ محنت کرے گا تو زیادہ دیں گے۔ جتنی ہم چاہیں گے اتنا اسے دیں گے اور یہ بھی نہیں فرمایا کہ زیادہ عقل والا ہوگا تو زیادہ دیں گے یا زیادہ محنت کرے گا تو زیادہ دیں گے۔ نہیں! جتنا ہم چاہیں گے، اتنا ہم دے دیتے ہیں۔

غریب آدمی زیادہ محنت کرتا ہے مگر اسے ملتا کم ہے اور تاجر دس منٹ ٹیلیفون کرتا ہے، پچاس ہزار کماتا ہے۔ مزدور نے سارا دن محنت کی، تھوڑا ملا۔ تاجر نے کچھ نہیں کیا، زیادہ ملا۔ اور یہ بھی نہیں کہ تاجر میں عقل ہے تو زیادہ ملا۔ نہیں! ایسا نہیں ہے۔ مسئلہ عقل پر بھی نہیں۔ ایک انگوٹھا لگانے والا

تاجر کروڑ پتی ہے۔ اس نے پندرہ بی کام اور ایم کام کے تعلیم یافتہ ملازم عقلمند رکھے ہوئے ہیں۔ وہ سب تعلیم میں اس سے زیادہ ہیں اور عقل میں زیادہ، مگر وہ ہزار روپیہ مہینہ کے ملازم ہیں اور یہ کروڑ پتی آدمی صرف انگوٹھا لگاتا ہے اور ہزاروں روپے کے حساب سے دن کی آمدنی ہے۔ اگر عقل کی بات ہے تو ملازم کو کروڑ پتی پر لاؤ اور اسے ملازم والے مقام پر لے جاؤ۔ عقل بھی معیار نہیں، مسئلہ محنت پر بھی نہیں۔ زمین آسمان کے بننے سے پچاس ہزار سال پہلے اللہ نے قلم تیار کیا اور لوحِ محفوظ پر آدمی کی عمر اور روزی لکھ دی۔

۱۵۔ دنیا محنت اور عقل پر منحصر نہیں بلکہ مقدر میں ہے

دنیا مقدر کی ملے گی، یہ طے شدہ بات ہے، چاہے پندرہ کاروبار کرلو یا دو کاروبار کرلو۔ چاہے گھر میں چار آدمی کاروبار کریں یا دو آدمی کاروبار کریں یا ایک آدمی کاروبار کرے۔ دنیا تو اتنی ملے گی جتنی کہ مقدر میں ہے۔ ایک آسان مثال سے سمجھیں۔ گھر کے اوپر ایک پانی کی ٹینکی رکھی ہے۔ مالک مکان چوبیس گھنٹے میں معیّن پانی اس میں ڈال دیتا ہے۔ اب نل چاہے چار لگائیں یا چاہے پندرہ لگائیں، پتلے لگائیں یا موٹے لگائیں، جتنا ٹینکی کے اندر پانی ہے، وہ طے شدہ ہے اور وہ پانی ملے گا۔ تو یہ دنیا کے ساتھ، ستر سالہ زندگی میں جو طے شدہ ہے، وہ ملے گا، چاہے دین کی تبلیغ کریں یا نہ کریں۔ دین کی تبلیغ ایک مخصوص وقت میں کریں یا ساری زندگی کریں، ملے گا وہی جو مقدر میں ہے۔

کاروبار سے آدمی نہیں پلتا۔ پالنے والے اللہ ہیں، مگر یہ کاروبار اس

لئے ہے کہ اس کاروبار میں اللہ کے حکموں کو لائیں۔ دنیا والوں کو بتادیں کہ کاروبار میں خدا کا حکم یہ ہے اور اگر ملک آجائے تو ملک میں خدا کا قانون یہ ہے۔

دورِ فاروقی میں ملک اور مال آیا تو انہوں نے حضور ﷺ کا پاکیزہ طریقہ ملک و مال میں چلا کے دکھادیا کہ یوں ملک و مال کو اللہ کے نبی ﷺ کے طریقے پر چلاؤ۔ اگر یہ ملک و مال آجائے تو نبی ﷺ کا پاکیزہ طریقہ میں اس طرح چلاؤ۔ تو اس ملک و مال چلانے پر بھی تم جنت میں جاؤ گے۔ تو یہ کاروبارِ ملک و مال اس میں نبی ﷺ کے طریقے کو چلانے کے لئے ہیں، پلنے کے لئے نہیں۔ اس لئے جب اللہ کہیں گے کہ چھوڑ دو تو چھوڑ دیں گے، کیونکہ ہمارا تو یہ عقیدہ ہے کہ پالنے والے ہیں۔ نماز کا وقت آیا، کاروبار چھوڑ کر مسجد کی طرف رُخ کریں۔ حج آیا اور حج فرض ہے تو کاروبار چھوڑ کر حج کی طرف رُخ کریں۔ جب بھی دین کا تقاضا آئے، کاروبار و گھر رکاوٹ نہ بنیں۔

۱۶۔ دین کا تقاضا کاروباری تقاضوں سے مقدم ہے

تبوک کا تقاضا آیا تو کاروباری سیزن چھوڑ کر تمام صحابہ رضی اللہ عنہم جہاد کے لئے میدانِ جنگ چلے گئے۔ کاروباری سیزن ان کے لئے رکاوٹ نہیں بنا، کیونکہ یہ یقین تھا کہ پرورش اللہ تعالیٰ کرتے ہیں اور یہ ظاہر شکلیں ہیں۔ اللہ ان شکلوں کو تبدیل کرسکتا ہے۔ دنیا جتنی مقدر کی ہے، وہ ملتی ہے۔ اگر دنیا میں حکم اللہ کا ٹوٹا تو اس کا ٹھکانہ جہنم اور اگر دنیا میں حکم اللہ کا پورا ہوگیا تو

آگے جنت ملے گی۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهٗ فِيْهَا مَا نَشَاءُ لِمَنْ نُّرِيْدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهٗ جَهَنَّمَ ۚ يَصْلٰهَا مَذْمُوْمًا مَّدْحُوْرًا. (سورۂ بنی اسرائیل آیت ۱۸ پارہ ۱۵)

اللہ تعالیٰ نے دنیا کے بارے میں بھی فرمایا اور آخرت کے بارے میں بھی فرمایا:

وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَ سَعٰى لَهَا جو آخرت کا ارادہ کرے تو کوشش ایسی کرے جیسے ہونی چاہیے۔ اب یہاں اللہ تعالیٰ نے کوشش کا ذکر کیا۔

۱۷۔ اللہ کی قدرت کا عجیب مظاہرہ

اللہ تعالیٰ کی قدرت کا مظاہرہ کہ بیک وقت اللہ کیا کر رہا ہے۔ بیک وقت اللہ کروڑوں بچوں کو ماں کے پیٹ میں تیار کر رہا ہے۔ اپنے اپنے وقت میں ہر بچے کو وقت پر تیار کر رہا ہے اور اس دنیا میں کروڑوں قسم کے بیج کا اللہ تعالیٰ بیک وقت کس طرح انتظام کر رہے ہیں۔ دیکھو! بیج سے انگور، انار، ناشپاتی، سیب نکال رہا ہے۔ یہ اللہ کی قدرت کا مظاہرہ ہے۔ اور خدا نے خزانوں کا مظاہرہ کیا کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر آخر تک تمام انسانوں کو دو دو آنکھ دے رہا ہے۔

اب معلوم نہیں کہ خدا کے خزانوں میں کتنی آنکھیں ہیں۔ دو دو آنکھیں، دو دو پیر، دو دو کان، دو دو ہونٹ لگاتے چلے جا رہے ہیں۔ نہ جانے کتنے ہوں گے، بے حساب ہیں۔ بیج تربوز کا زمین میں ڈالا، پودا تیار ہوگیا اور اُس میں دس بڑے بڑے تربوز تیار ہوگئے۔ چار مہینے کی قلیل مدت

میں سارے تیار ہو گئے۔ اب یہ کہاں سے آئے؟ اللہ کے خزانوں سے آئے۔ پھر ان تربوزوں کے اندر ہر تربوز میں بیسیوں بیج اور ہر بیج میں بیسیوں تربوز، پھر ہر تربوز میں بیسیوں بیج، پھر ہر بیج میں بیسیوں تربوز۔ حساب لگاتے چلے جاؤ۔ یہ تو ہماری کمزوری ہے کہ ہم سارے بیج نہیں بوتے اور اگر ہم سارے بیج بو دیں تو اللہ تعالیٰ یہ نہیں کہے گا کہ میں اتنے تربوز کہاں سے لاؤں۔ اور یہ جو اللہ تعالیٰ دھیمے دھیمے سے اُگاتے ہیں، اگر اللہ یکدم سے اُگائے تو زمین آسمان کا سارا خلاء تربوزوں سے بھر جائے گا۔ پھر طیارے اور جہاز اُڑنے مشکل ہو جائیں گے۔ جو بیج ایک تربوز سے نکلے ہیں، زمین آسمان کا خلاء اُس ایک تربوز کے بیج سے بھر جائے۔ تو معلوم ہوا کہ خدا کے خزانوں میں تربوز بے حساب ہیں۔ اس طرح آم، انگور، سیب، سب بے حساب ہیں۔ اور یہی حساب انسانوں کا لگاؤ۔ جتنے انسان ماں کے پیٹوں میں بنائے، ہر ایک کو شکل الگ دے دی۔ ہر ایک کو آواز الگ دے دی۔ تو اللہ تعالیٰ کے خزانوں میں صورتیں بے حساب، خدا کے خزانوں میں آوازیں بے حساب، ہر ایک کو الگ الگ دے دی۔

ایک آدمی کی صورت سے دوسرے آدمی کو نہیں بنایا۔ اگر ایسا بناتے تو ہم پریشان ہوں گے۔ گھر کے اندر مرد آیا۔ باپ اور بیٹے کی ایک جیسی صورت بن گئی تو عورت کو پتہ نہیں چلے گا کہ میرا خاوند کون ہے اور بیٹا کون ہے۔ اسی طرح اگر ماں بیٹی کی شکل ایک ہوتی تو پتہ نہیں چلے گا کہ کون سی ماں ہے اور کون سی بیٹی ہے۔

یہ تو کائنات کی صورتیں ہیں جو خدا عنایت کرتا ہے اور نبیوں کی تعلیم یہ

ہے کہ اے انسانو! تم بجائے صورتوں کے مصور سے جڑو۔ اس لئے کہ اُس کے سامنے بہت سی صورتیں ہیں۔ انسان کے سامنے تو پلنے کی صورت صرف کاروبار ہے اور اللہ تعالیٰ کے سامنے پالنے کی بہت سی صورتیں ہیں۔ چاہے انسان کو اس کاروبار سے پالے یا کوئی اور صورت نکالے۔ کروڑوں قسم کے ذرات کو اللہ نے جمع کیا اور جمع کر کے اس انسان کو زندہ بنایا اور پھر اس انسان کو مارا اور اس کے ذرّات قبر کے اندر بکھر گئے۔ تو کیا اللہ ان ذرّات کو پھر سے جمع کر کے انسان کو دوبارہ زندہ نہیں کر سکتا۔

۱۸۔ حشر میں ہر آدمی سے پانچ سوال ہوں گے

حشر میں اللہ تعالیٰ ہر آدمی سے پانچ باتیں پوچھیں گے:

۱۔ تیری عمر کہاں گزری؟

۲۔ تیری جوانی کہاں گزری؟

۳۔ مال کہاں سے کمایا؟

۴۔ مال کہاں پر خرچ کیا؟

۵۔ جتنا جانتا تھا، اس پر کہاں تک عمل کیا؟

براہِ راست خدا بندے سے یہ باتیں پوچھیں گے۔ درمیان میں کوئی ٹرانسلیشن کرنے والا نہیں ہوگا۔ کوئی ترجمان ترجمہ کرنے والا نہیں ہوگا۔ خدا خود پوچھیں گے۔ اور یہ پانچ باتیں پوچھیں گے۔ ہر آدمی کو اس کا جواب دینا ہوگا۔ آخرت میں جس کے درجات اونچے ہوں گے، ہمیشہ اونچے رہیں گے اور جس کے درجات نیچے ہوں گے ہمیشہ نیچے رہیں گے۔ اور جو آدمی بے

ایمان اور کفر کی حالت میں جہنم میں چلا جائے گا، ہمیشہ جہنم میں رہے گا اور اگر اعمال کی خرابی کی وجہ سے جہنم میں گیا تو بداعمالیوں کی سزا بھگت کر ایک دن جنت میں جائے گا اور ہمیشہ پھر جنت میں رہے گا۔ اللہ فرماتے ہیں کہ دنیا میں اتنی دوں گا جتنا میں لکھ چکا ہوں اور جو تیرے مقدر میں ہے، لیکن آخرت اتنی دوں گا جتنی تو محنت کرے گا۔ آخرت کے درجات اتنے بلند ہوں گے جتنا تو محنت کرے۔ یہاں دنیا میں اللہ نے انسان کو محنت کا مکلف بنایا۔ انسان جتنا آخرت کے لئے محنت کرے گا، اتنا اللہ اس کی آخرت بنائے گا۔ مگر دنیا کے لئے جتنا محنت کرے گا، دنیا اتنی نہیں ملے گی بلکہ جتنی اللہ چاہے اتنی دیں گے۔ تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جو آخرت کا ارادہ کرے، اس کے لئے محنت کرے جیسے محنت کرنی چاہئے اور اس کے دل میں خدا کا یقین بھی ہو تو اللہ ارشاد فرماتے ہیں کہ پھر تمہاری محنتوں کی قدر ہوگی اور قدر کرنے والا اللہ ہوگا۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اے اللہ آخرت کا کام تو ہم کریں، دین کا کام کریں تو دنیا بھی تو ہے، پیٹ بھی ہے، کاروبار بھی تو ہے، آخر بیوی بچے بھی تو ہیں۔ یہ بات تو ٹھیک ہے کہ آخرت کا ارادہ کرلیا اور اس کے لئے خوب کوشش کریں اور اللہ قدر کر کے جنت بھی دیں گے۔ مگر دنیا کا کیا ہوگا؟ تو اللہ پاک ارشاد فرماتے ہیں کہ دنیا بھی ہم دیں گے اور آخرت بھی دیں گے۔ جو آدمی دنیا کے لئے ساری طاقت خرچ کرے، اس کو بھی دنیا دیں گے۔ جو آدمی آخرت کے لئے ساری طاقت خرچ کرے، اس کو بھی دیں گے۔ جتنی لکھی ہے ہم کسی کو محروم نہ کریں گے۔ جتنی لکھی ہے اُتنی دیں گے۔

كُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ وَ هٰٓؤُلَآءِ مِنْ عَطَآءِ رَبِّكَ وَ مَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا. (سورۂ بنی اسرائیل آیت ۲۱ پارہ ۱۵)

اُنْظُرْ كَيْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ط وَلَلْاٰخِرَةُ اَكْبَرُ دَرَجٰتٍ وَّ اَكْبَرُ تَفْضِيْلًا. (سورۂ بنی اسرائیل آیت ۲۲ پارہ ۱۵)

دیکھو! انسان کے ساتھ کیا اتار چڑھاؤ اللہ تعالیٰ نے روزی کے معاملے میں کیا۔ کسی کو کروڑ پتی بنا کر دال کھلادی، کسی غریب کو کروڑ پتی کا باروچی بنا کر مرغا کھلا دیا، اور کسی کو دس منٹ کے ٹیلیفون میں ۵۰ ہزار روپے دیئے، اور کسی کو صبح سے شام تک کام کروا کے پندرہ بیس روپے دیئے۔ یہ روزی کے معاملے میں کتنا اتار چڑھاؤ ہے۔ اُنْظُرْ كَيْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ (سورۂ بنی اسرائیل آیت ۲۱ پارہ ۱۵)

اس کو مت دیکھو کہ دنیا میں کیا ملا اور کتنا ملا۔ یہ دیکھ کہ آخرت میں کتنا ملے گا اور آخرت کے لئے تو نے کیا کیا؟

وَلَلْاٰخِرَةُ اَكْبَرُ دَرَجٰتٍ وَّ اَكْبَرُ تَفْضِيْلًا.

بڑے بڑے درجات تو آخرت کے ہیں، فضیلت تو آخرت کی ہے جو ہمیشہ کے لئے باقی رہے گی۔

اس لئے دل کے اندر جب اللہ تعالیٰ کی محبت آجاتی ہے اور دنیا کی محبت نکل جاتی ہے تو بعض مرتبہ اللہ تعالیٰ اس دنیا کو قدموں میں ڈال دیتے ہیں۔ دورِ نبوی اور دورِ صدیقی میں دنیا کی محبت سب نے دلوں سے نکال دی اور خوب دین کے لئے قربانیاں دیں تو دورِ فاروقی میں اللہ نے دنیا کو لا کر قدموں میں ڈال دیا۔ اور اللہ نے دنیا کو لا کر قدموں میں ڈالا تو حضرت عمر

فاروق رضی اللہ عنہ بہت روئے اور کہا کہ دنیا آ گئی اب میں کیا کروں؟ لیکن چونکہ خلیفۂ راشد تھے، اس بناء پر انہوں نے اس کا صحیح استعمال کیا اور خدا کے احکامات اس میں نافذ کئے۔

۱۹۔ بنی اسرائیل اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے قصے امتِ مسلمہ کے لئے نمونہ ہیں

رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے مال کو دین کی بنیاد نہیں بنایا بلکہ اللہ کی رضامندی کو بنایا۔ دین کے کام کو اللہ کی رضا کے لئے آدمی کرے تو طاقت والا دین اُسے ملتا ہے۔ بنی اسرائیل میں بڑا اُتار چڑھاؤ آیا اور بنی اسرائیل کے قصے اللہ تعالیٰ نے قرآن میں اس لئے ذکر فرمائے کہ قیامت تک کے لئے اس امتِ مسلمہ کے ساتھ وہی ہوگا جو بنی اسرائیل کے ساتھ ہوا۔ اور یہ واقعات نمونہ کے طور پر ہیں۔ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ''جیسے دو کھڑکیاں برابر ہوتی ہیں، اسی طرح جو بنی اسرائیل کے ساتھ ہوا، وہ میری امت کے ساتھ ہوگا۔'' حضرت یعقوب علیہ السلام کا دوسرا نام اسرائیل تھا۔ ان کی اولاد میں جو آئے، وہ بنی اسرائیل کہلائے۔ خدا کی رحمت نیک لوگوں کے قریب ہے۔ اللہ تعالیٰ نیک لوگوں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔ ان لوگوں نے جب نبیوں کی بات مانی اور قربانیاں دیں تو اللہ تعالیٰ نے ان کو بہت اوپر کیا۔ شروع کا وقت حضرت یوسف علیہ السلام کا کس طرح مجاہدات کا تھا۔ لیکن آخری انجام میں وزارتِ مصریہ کے تخت پر بیٹھ گئے اور بنی اسرائیل کو اللہ تعالیٰ نے بہت بڑی عزت دی۔ لیکن جب انہوں نے نبی کی بات کو نہ مانا اور نبی کی

بات سے بغاوت کر گئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو ذلیل کیا کہ مصر کا کفن چور فرعون کو ان پر مسلط کیا۔

عذاب کے طور پر اللہ تعالیٰ نے فرعون کو ان پر مسلط کیا۔

۲۰۔ اسبابِ ظاہریہ کے اختیار کرنے کا انسان مکلّف ہے

اسبابِ ظاہریہ کے اختیار کرنے کا انسان مکلّف ہے۔ ہم اسبابِ ظاہریہ کو چھوڑ نہیں سکتے۔ اللہ پاک نے حضرت نوح علیہ السلام سے سبب ظاہری اختیار کرایا اور حکم دیا کہ کشتی بناؤ۔ حضرت داؤد علیہ السلام کو زرہ بنانا سکھایا۔ اسبابِ ظاہریہ کا اختیار کرنا یہ قرآن کے خلاف نہیں۔ اسبابِ ظاہریہ کو ایسے طریقے پر اختیار کرنا کہ جو شریعت کے خلاف نہ ہو، یعنی اسباب ظاہریہ ایسے طریقے سے اختیار کیے جائیں کہ اسبابِ غیبیہ انسان کے خلاف نہ ہو جائیں۔ اور اسبابِ ظاہریہ اختیار کرو، تدبیر کرو، تقدیر کا یقین جما کر تدبیر کو مت چھوڑو۔ تدبیر ضرور کرو، لیکن تدبیر خدا کے کہنے کے مطابق کرو۔ اگر چل گئی تو بھی کامیاب، اگر نہ چلی تو بھی کامیاب۔ کیونکہ حکم خدا کا پورا ہوا تو آسمانوں پر انجام تمہارا اچھا لکھا گیا۔ اور اگر تدبیر حکم خدا کو توڑ کر کی، وہ چلی بھی تو انجام بُرا آئے گا اور اوپر کا فیصلہ خلاف ہوگا۔ تدبیر کی اور حکم خدا کا پورا کیا لیکن وہ تدبیر نہیں چلی، پھر بھی آسمانوں پر فیصلہ موافق ہوگا اور انجام کامیابی ہوگا۔ اس کا ارادہ مت کرو کہ کام بن جائے۔ کام تو اللہ کے ارادے سے بنے گا۔ اگر اللہ ارادہ نہ کرے تو کام نہیں بنے گا۔ لیکن تدبیر ضرور کرو جو

شریعت کے موافق ہو۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے تدبیر کی کہ باپ کے دل میں ہماری محبت آئے۔ کوئی حرج نہیں۔ باپ کی محبت کے حصول کے لئے تدبیر کرنا کوئی حرج نہیں۔ لیکن تدبیر جو کی وہ شریعت کے خلاف کی۔ بھائی کو کنویں میں ڈالا۔ تدبیر چل پڑی۔ بھائی دُور چلا گیا تو پھر باپ ہم سے محبت نہیں کرے گا تو کیا کرے گا۔ انہوں نے تدبیر کی اور تدبیر چلی، لیکن شریعت کے خلاف تھی تو آسمانوں پر فیصلہ اُن کے خلاف ہوا۔ لیکن ابھی اُن کو پتہ نہیں چلا۔ غلط کام کرنے پر اللہ کی طرف سے جو پکڑ آتی ہے وہ فوراً نہیں آتی۔ اللہ تعالیٰ غلط کرنے والوں کو شروع میں ڈھیل دیتے ہیں اور آخر میں جا کر پکڑتے ہیں۔ اور جب اللہ کی پکڑ آجاتی ہے تو پھر دنیا کی بڑی سے بڑی طاقت نہیں بچا سکتی، چاہے کتنی بڑی طاقت رکھنے والا آدمی ہو۔

۲۱۔ ظاہری اسباب کے غلط استعمال سے اسبابِ غیبیہ خلاف ہو جاتے ہیں

اسباب ظاہری کے غلط استعمال سے اسباب غیبیہ انسان کے خلاف ہو جاتے ہیں اور خدا بندے کی پکڑ کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی پکڑ فوراً نہیں آتی۔ اللہ ڈھیل دیتے ہیں۔ اللہ نے ڈھیل دی تو فرعون، قارون کو پتہ نہیں چلا۔ لیکن جس دن اللہ کی پکڑ آئی تو فرعون کی حکومت اُسے بچا نہ سکی اور قارون کا مال اُسے نہ بچا سکا۔ جب خدا کی پکڑ آجاتی ہے تو دنیا کی مادی طاقتیں تو کیا روحانی طاقتیں بھی انسان کو نہیں بچا سکتیں۔ جب خدا کی پکڑ آئی تو حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے کو حضرت نوح علیہ السلام کی روحانی طاقت نہیں بچا سکی۔ اس

بات میں مت رہنا کہ جب خدا کی پکڑ آ جائے گی تو بزرگوں کی دعا سے بچ جائیں گے۔ نبی کی دعا خدا کی پکڑ آنے سے نہیں بچا سکی تو بزرگوں کی دعا کیسے بچائے گی۔ روحانی طاقت کا کام یہی ہے کہ خدا کی پکڑ آنے سے پہلے انسانوں کے ذہنوں کو صحیح طرف موڑا جائے اور خدا کی گرفت سے بچایا جائے اور یہ کام پکڑ آنے سے پہلے پہلے کا کام ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام کو پہلے خدا نے کہا تھا کہ ہماری پکڑ آنے سے پہلے تم ان کو سمجھاؤ، کیونکہ جب پکڑ آئے گی تو پھر تم انہیں بچا نہیں سکتے۔

اِنَّآ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖٓ اَنْ اَنْذِرْ قَوْمَكَ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ (سورۂ نوح آیت ۱ پارہ ۲۹)

میری پکڑ آنے سے پہلے قوم کو سمجھاؤ اور یہی بات نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی کہی:

يٰٓاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۙ قُمْ فَاَنْذِرْ ۙ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ۙ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ۙ

(سورۂ مدثر آیت ۱ تا ۴ پارہ ۲۹)

اللہ تعالیٰ کا نبی کو خطاب ہے کہ اُن کو خدا کی بڑائی سمجھاؤ اور اللہ کی عظمت اُن کو سمجھاؤ۔ حضرت نوح علیہ السلام نے بھی تو یہی سبق دیا اور وہاں تو صاف کہہ دیا کہ میری پکڑ آنے سے پہلے سمجھاؤ۔ یہ بات اللہ نے بتائی کہ پکڑ آ گئی تو حضرت نوح علیہ السلام کی روحانی طاقت اپنے بیٹے کو بھی نہیں بچا سکی۔

۲۲۔ ہر کام اللہ تعالیٰ کے ارادے سے ہوتا ہے

اگر اللہ تعالیٰ نے ارادہ کیا تو کام ہو جائے گا اور اگر ارادہ نہیں کیا تو نہیں ہوگا۔ ہر چیز اللہ کے ارادے سے ہوتی ہے، چاہے جتنی تدبیریں کرلو۔

قرآن کہتا ہے:

۱۔ اِنَّ اللّٰہَ یَفْعَلُ مَا یَشَاءُ. (سورۃ الحج آیت ۱۸ پارہ ۱۷)

۲۔ اِنَّ اللّٰہَ یَفْعَلُ مَا یُرِیْدُ. (سورۃ الحج آیت ۱۴ پارہ ۱۷)

۳۔ اِنَّ اللّٰہَ یَحْکُمُ مَا یُرِیْدُ. (سورۃ المائدہ آیت ۱ پارہ ۶)

۴۔ فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ. (سورۃ بروج آیت ۱۶ پارہ ۳۰)

۵۔ اِنَّمَا اَمْرُهٗ اِذَا اَرَادَ شَیْئًا اَنْ یَّقُوْلَ لَهٗ کُنْ فَیَکُوْنُ.
(سورۃ یٰس آیت ۸۲ پارہ ۲۳)

خدا کا معاملہ یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتے ہیں تو کہتے ہیں ''ہو جاؤ'' تو وہ ہو جاتا ہے۔ وہ کسی کا محتاج نہیں۔ اس چیز کا اصرار نہیں کرنا چاہئے کہ کام بن جائے، کیونکہ بعض مرتبہ کام کا بننا ٹھیک ہوتا ہے اور بعض مرتبہ کام کا نہیں بننا ٹھیک ہوتا ہے اور اس کو اللہ جانتے ہیں۔ ہم کیوں اس پر اصرار کریں کہ ضرور کام ہو جائے۔

مثال کے طور پر آپ نے ہوائی جہاز سے سفر کرنا ہے اور اس کے لئے آپ تیار ہوئے۔ ٹکٹ، پاسپورٹ وغیرہ تیار۔ ان سب کو سوٹ کیس میں ڈالا اور ائیر پورٹ کی طرف روانہ ہو گئے۔ ہوائی جہاز کھڑا ہے اور ان کے جانے کا مکمل انتظام ہے۔ بس اتنے میں چور نے ہاتھ سے سوٹ کیس چھینا اور بھاگ گیا۔ اس میں آپ کا پاسپورٹ، ٹکٹ، ویزہ، دوسرے ضروری کاغذات، نقدی اور سفری ضروریات تھیں، وہ سب غائب ہو گئیں۔ اب ہوائی جہاز کھڑا ہے، لوگ چڑھ رہے ہیں اور لوگوں کو دیکھ کر تم نے شور مچایا کہ ہائے میرا پاسپورٹ، ہائے میرا ویزا، ٹکٹ، بہت چلائے لیکن کام نہیں بنا

اور سارا پلان فیل ہوگیا۔ اب ہوائی جہاز اُڑا اور تم دیکھ رہے تھے اور افسوس کر رہے تھے۔ اتنے میں وہ ہوائی جہاز کسی فنی خرابی کی وجہ سے ابھی چڑھا ہی تھا کہ دھڑام نیچے گر کر تباہ ہوگیا۔ اور ایسا گرا کہ ایک آدمی اُن میں سے نہیں بچ سکا۔ اب جو تم نے دیکھا تو بے اختیار زبان سے یہ نکلا کہ اے اللہ! شکر ہے کہ میرا کام نہیں بنا۔ اگر بنتا تو میں بھی ہلاک ہو جاتا۔ اب تم چور کے پیچھے اور اُس کو تلاش کر رہے ہو کہ اوپر سے دو ہزار انعام اُسے دے دوں۔

اللہ تعالیٰ جس حالت میں رکھے، اس پر انسان راضی ہو۔ کام بنے یا نہ بنے، بس احکام خدا کے پورے کرے۔ تدبیر کرنے کے انسان مکلف ہیں جو شریعت کے اندر ہو۔ اور کام کا نتیجہ اللہ تعالیٰ پر ہے جو چاہے کرے۔ کرنے والی ذات اللہ کی ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے باپ کی محبت کی خاطر تدبیر کی اور تدبیر چلی، لیکن چونکہ شریعت کے خلاف تھی تو انجام اس کا بُرا نکلے گا۔

۲۳۔ حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ

حضرت یوسف علیہ السلام پر تکلیفیں تو بہت آئیں، لیکن پھر اللہ تعالیٰ نے راحت کا سامان دیا۔ ایک گھر کے اندر بہت سی تمام قسم کی سہولیات مہیا کیں۔ بڑھیا کھانا، بڑھیا مکان، اچھا لباس، تمام سہولتیں میسر ہوگئیں۔ لیکن اس اچھے ماحول میں اُس عورت نے برائی کی طرف مائل کرنا چاہا۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے انکار کر دیا۔ عورت نے کہا کہ اگر بات نہیں مانو گے تو جیل خانے جاؤ گے۔ اب جیل جانا کون پسند کرتا ہے۔ اس کے لئے تدبیر چاہئے

تھی اور آسان تدبیر یہ تھی کہ اس عورت کی بات کو مانا جائے۔ لیکن حضرت یوسف علیہ السلام سمجھتے تھے کہ اس تدبیر سے جیل خانے سے تو بچوں گا، لیکن حکم خدا کا ٹوٹے گا اور آسمانی فیصلہ میرے خلاف ہوگا اور انجام اس کا بہت بُرا آئے گا۔ چنانچہ اس عورت کی بات کونہیں مانا اور جیل خانے تشریف لے گئے۔

خدا کی شان دیکھئے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے پیچھے وہ عوت پڑ گئی اور زبردستی حضرت یوسف علیہ السلام سے بُرائی کرانے لگی۔ حضرت یوسف نے انکار کر دیا تو عورت نے اسے پکڑنے کی کوشش کی۔ اب یوسف علیہ السلام آگے بھاگ رہے ہیں اور وہ عورت پیچھے بھاگ رہی ہے۔ دروازے تک جب پہنچے تو عورت نے حضرت یوسف کا دامن پکڑا اور وہ پھٹ گیا۔ دروازے میں آگے سے اس عورت کا شوہر سامنے آیا۔ عزیز مصر نے جب اس منظر کو دیکھا تو کہا کہ یہ کیا؟ تو عورت نے جلدی سے یوسف علیہ السلام پر الزام لگایا کہ اس نے میرے پر ہاتھ ڈالا ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے صاف کہہ دیا کہ اس عورت نے مجھے بُرائی کرنے کی طرف بلایا اور میرے پر ہاتھ ڈالا۔ اب عزیز مصر کس کو سچا مانے؟ وہ تو بیوی کو سچا مانے گا۔ لیکن ایک بچہ تھا، اس نے گواہی دی: إِنْ كَانَ قَمِيصُهُ قُدَّ مِنْ قُبُلٍ فَصَدَقَتْ وَهُوَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ. وَإِنْ كَانَ قَمِيصُهُ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ فَكَذَبَتْ وَهُوَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ.

(سورۂ یوسف آیت ۲۶، ۲۷ پارہ ۱۲)

اُس بچے نے یہ بات بتادی کہ اگر قمیص آگے سے پھٹا ہے تو عورت سچی اور اگر پیچھے سے پھٹا ہے تو مرد سچا۔ جب دیکھا تو قمیص پیچھے سے پھٹا ہے۔ عزیز مصر نے سوچا کہ اپنی بیوی خراب ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام سے

کہا کہ اس معاملے کو رفع دفع کرو اور بیوی سے کہا:

وَاسْتَغْفِرِیْ لِذَنْبِکِ اِنَّکِ کُنْتِ مِنَ الْخٰطِئِیْنَ.

(سورۂ یوسف آیت ۲۹ پارہ ۱۲)

توبہ کر! غلطی تیری ہے۔ عورت عزیز مصر کی بیوی تھی۔ پورے ملک میں بدنامی ہوئی۔ پورے مصر سے بدنامی کے الزامات آئے۔ اب بدنامی سے پورے مصر کو بچانا، بدنامی سے اتنی بڑی عورت، عزیز مصر کی بیوی کو بچانا، اور بدنامی سے عزیز مصر کو اپنے آپ کو بچانا۔ تدبیر کرو۔ تدبیر یہ کہ حضرت یوسف علیہ السلام جو بے گناہ تھے کو جیل میں ڈال دو۔ تدبیر کی، اور چلی لیکن شریعت کے خلاف تھی تو انجام بُرا آئے گا۔ اگر تدبیر ہو اور شریعت کے خلاف ہو اور تدبیر کامیاب بھی ہو جائے مگر انجام بُرا آئے گا۔ اگر راحت دینداری کے ساتھ آتی ہے تو یہ برکت اور رحمت ہے۔ جیسے حضرت سلیمان علیہ السلام اور حضرت داؤد علیہ السلام اور اگر راحت بے دینی کے ساتھ آئی تو یہ مہلت ہے، جیسے فرعون، ہامان، قارون۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کی آمدنی اللہ نے زیادہ کردی اور قارون کی بھی زیادہ کردی۔ دونوں میں فرق یہ ہے کہ اللہ کے حکموں کو توڑ کر اگر آمدن زیادہ ہو گئی تو یہ قارون، فرعون کی لائن ہے اور یہ مہلت اور خدا کی ڈھیل ہے۔ اور اگر اللہ کے حکموں کو پورا کرے، آمدن زیادہ ہوئی تو یہ برکت ہے، حضرت سلیمان علیہ السلام کی لائن ہے۔ خدا کی برکت و رحمت والی لائن ہے۔

میرے محترم دوستو! خالی دکان چلنے سے خوش نہیں ہونا، بلکہ یہ دیکھنا کہ حکم خدا کا پورا ہو رہا ہے یا نہیں۔ دین کے تقاضوں پر میں استعمال ہو رہا

ہوں یا نہیں۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ ایک طرف دین مٹ رہا ہو اور میں کاروبار میں لگا ہوں۔

۲۴۔ خالی نعمتوں کا آجانا یہ خدا کی رضا کی دلیل نہیں

خالی نعمتوں کا زیادہ ہونا یہ خدا کی خوشنودی اور رضا کی دلیل نہیں۔ اللہ تعالیٰ ناراض ہو کر بھی نعمتیں دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر حالت میں نعمتیں دیتا ہے، لیکن برکت اور مہلت کے ساتھ۔ اس فرق کے ساتھ دیتا ہے۔ مثال کے طور پر جیسے چوہا۔ انسان کو غصہ آیا کہ چوہا گھر میں ہے۔ کبھی برتن گرا دیتا ہے، کبھی چیزوں کو اِدھر سے اُدھر کرتا ہے۔ اب انسان نے پنجرے کے اندر نعمتیں رکھیں۔ ناراض ہو کر نعمتیں بھر دیں تا کہ اس چوہے کو پنجرے کے اندر پکڑا جائے اور پھر اس کو مارا جائے۔ اور دوسری طرف طوطے کو بھی پنجرے میں نعمتیں دی جا رہی ہیں۔ اور اس سے انسان دل بہلا رہا ہے۔ طوطے کے پنجرے کی نعمت رضامندی کے ساتھ، چوہے کے پنجرے کی نعمت ناراضگی کے ساتھ۔ اس طرح بے دین اور دیندار کو بھی نعمتیں دی جاتی ہیں۔ لیکن دیندار کی نعمتیں راضی ہونے سے، جیسے طوطے کے پنجرے میں نعمتیں رکھنا، اور بے دین کو نعمتیں دینا مگر ناراضگی کے ساتھ، جیسے چوہے کے پنجرے میں نعمتوں کا رکھنا۔ دونوں میں فرق ہے۔

بہت سے چوہے گھر میں آ گئے۔ بہت نقصان پہنچا رہے ہیں تو بہت سے پنجرے رکھے اور ہر ایک میں نعمتیں رکھیں۔ کسی میں لڈو، کسی میں برفی، کسی میں موتی، کسی میں مٹھائی۔ اب چاروں طرف سے نعمتیں ہی نعمتیں

دکھائی دیں گی۔ اب جو چوہا آئے گا، وہ ان نعمتوں کے لئے گھسے گا۔ لیکن انجام اس کا برا ہوگا۔ جو گھسے گا تو پنجرے میں بند ہو جائے گا اور پکڑ کر اسے مارا جائے گا۔ اس طرح نعمتیں تو ملیں لیکن جان بھی گئی۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی نافرمانی کرے گا تو یہ نہیں کہ نعمتوں کے دروازے اُس پر بند کر دیئے جائیں گے، بلکہ نعمتوں کے دروازے میں اور کھول دوں گا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ ؕ حَتّٰٓى اِذَا فَرِحُوْا بِمَآ اُوْتُوْٓا اَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً فَاِذَا هُمْ مُّبْلِسُوْنَ.

(سورۃ الانعام آیت ۴۴ پارہ ۷)

اللہ فرماتے ہیں کہ ہم نے دروازے کھول دیئے نافرمانوں کے لئے، ملک کا دروازہ، مال کا دروازہ، آمدن کا دروازہ، سب کھول دیئے ہیں۔

حَتّٰٓى اِذَا فَرِحُوْا بِمَآ اُوْتُوْٓا (سورۃ الانعام آیت ۴۴ پارہ ۷)

فرمایا "جو انہیں ملا، اس پر وہ اترانے لگے تو پھر ہم کیا کریں گے"

اَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً فَاِذَا هُمْ مُّبْلِسُوْنَ. (سورۃ الانعام آیت ۴۴ پارہ ۷)

ہم اچانک پکڑتے ہیں، یہاں تک کہ وہ حیران رہ جاتے ہیں کہ یہ کیا ہوگیا؟

یہ لفظ (بِمَا) یہاں پر عام ہے۔ اگر ملک، آمدنی، دولت، پیسہ، عہدہ، ڈگری ملی اور اس پر آدمی اترایا تو اللہ کی پکڑ آئے گی۔ اور اگر نعمت دین کی ہو، روحانیت کی ہو، علم کی ہو، تبلیغ کی ہو، دعوت کی ہو، ان نعمتوں پر بھی اگر اترایا تو یہاں پر بھی اللہ کی پکڑ ہوگی۔ یہ لفظ (ما) عام ہے۔ روحانی نعمت جس پر اترا جائے، وہ روحانی نعمت نہیں بن سکتی بلکہ نفسانی بن جاتی ہے۔

لیکن ہر نعمت کے بارے میں کہا جائے جیسے چوہے کا پنجرہ بھی ٹھیک نہیں ہے۔ دوسری جگہ اللہ نے فرمایا:

وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰىٓ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ط (سورۃ الاعراف آیت ۹۶ پارہ ۹)

اگر ایمان والے اور تقویٰ والے ہوں گے تو ہم برکتیں کھول دیں گے آسمان سے بھی برکتیں برسیں گی اور زمین سے بھی ہر طرف سے برکتیں ہوں گی۔

تو دیندار اور بے دین کی نعمتوں میں فرق ہے۔ اس طرح بے دین اور دیندار پر تکالیف بھی آتی ہیں۔ فرمانبردار پر اگر تکالیف آتی ہیں تو اس کی نوعیت جُدا ہے اور اگر بے دین پر تکالیف آتی ہیں تو اس کی نوعیت جُدا ہے۔

فرمانبردار پر اگر تکلیف آتی ہے تو بطورِ ابتلاء اور آزمائش کے آتی ہے اور خدا کو امتحان لینا مقصود ہوتا ہے۔ ان تکالیف کو اللہ تعالیٰ ابتلاء اور آزمائش کہتا ہے۔ جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر تکالیف آئیں۔

اِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهٖمَ (سورۂ بقرہ آیت ۱۲۴ پارہ ۱)

اُحد کے اندر صحابہ پر جو تکلیف آئی وہ بھی بطورِ ابتلاء کے۔ حنین کے اندر جو تکلیف آئی وہ بطور ابتلاء کے۔ یہ تمام تکالیف جو صحابہ رضی اللہ عنہم پر آئیں، یہ سب ابتلاء اور آزمائش کے طور پر آئیں۔

میرے محترم دوستو اور بزرگو! حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ بیان کر رہا تھا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے تدبیر کی باپ کے دل میں محبت پیدا کرنے کے لئے اور وہ تدبیر چلی لیکن شریعت کے خلاف تھی تو انجام اُس کا بُرا آئے گا۔ عزیز مصر نے تدبیر کی کہ اپنی عزت، بیوی کی عزت اور ملک

کی عزت بچانے کے لئے۔ وہ تدبیر یہ تھی کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو جیل میں ڈالا۔ تدبیر چلی، عزت بچ گئی، لیکن چونکہ شریعت کے خلاف تھی تو آسمانی فیصلہ خلاف ہوا۔ انجام بُرا آیا اور بُرا انجام کیا آیا؟ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی فلسطین میں تھے، عزیز مصر، مصر میں تھا اور آسمانی فیصلہ دونوں کے خلاف ہوا تو سات سال کا قحط مصر میں اور فلسطین میں بھی آ گیا۔

۲۵۔ تدبیر شریعت کے خلاف ہو اور کامیاب بھی ہو، لیکن انجام بُرا آئے گا

خدا کے حکموں کو توڑ کر جو کاروبار کئے جاتے ہیں، وہ کاروبار خوب چلے اور تدبیریں خوب چلیں، انجام اس کا بُرا آئے گا۔ خدا کے حکم کو پورا کر کے جو تدبیر کی جائے، وہ تدبیر چاہے نہ چلے لیکن اُس کا انجام اچھا آئے گا۔ حضرت یوسف علیہ السلام جب جیل میں گئے تو جیل کے اندر سے نکلنے کی تدبیریں کر رہے ہیں اور شریعت کے موافق کر رہے ہیں۔ جو ایک آدمی جیل سے نکل کر چلا گیا، حضرت یوسف نے جس کو خواب کی تعبیر بتائی تھی اور کان میں یہ بات بتائی تھی کہ بادشاہ سے جا کر میرا ذکر کرنا، یعنی میں کتنا بھلا آدمی ہوں، سارے جیل والے جانتے ہیں، میرے کردار سے سب جیل والے واقف ہیں، یہ تدبیر تھی اور تدبیر شریعت کے موافق تھی، لیکن خدا کی شان کو دیکھئے کہ تدبیر چلی نہیں۔ وہ شخص جیل سے جا کر حضرت یوسف علیہ السلام کی بات کو بھول گیا تو تدبیر نہیں چلی۔ لیکن تدبیر چونکہ شریعت کے موافق تھی تو انجام اس کا اچھا آیا۔ اور انجام کیا؟ کئی سالوں کے بعد بادشاہ نے خواب دیکھا اور حضرت یوسف علیہ السلام کو بلایا اور حضرت یوسف علیہ السلام نے خواب کی تعبیر

بتائی۔ تو یہ بات ذریعہ بنی کہ رات کے وقت جیل کی کال کوٹھڑیوں میں تھے اور جب صبح کا وقت آیا تو وزارتِ مصریہ کے تخت پر تھے۔ یہ انجام نکلا۔ جن کی تدبیر شریعت کے خلاف تھی اور چلی لیکن انجام سات سال کا قحط آیا اور جن کی تدبیر شریعت کے موافق تھی اور چلی بھی نہیں اور انجام اُس کا اچھا آیا کہ اُس سات سال کے قحط پر کنٹرول کرنے کے لئے حضرت یوسف علیہ السلام فُوڈ منسٹر بن گئے اور حضرت یوسف علیہ السلام کے لئے بدلہ لینے کا یہ بہترین موقع تھا۔ بادشاہ نے جو خواب کی تعبیر پوچھی، حضرت یوسف نہ بتاتے، بڑی آسانی سے بدلہ لے سکتے تھے۔ تعبیر نہ بتاتے، سات سال کا قحط آ جاتا، فلسطین تباہ ہو جاتا، مصر تباہ ہو جاتا۔ سات سال کے قحط میں مصر و فلسطین کا نام جغرافیہ سے ختم ہوتا اور نہ ملتا۔ وہ سات سال کا قحط اگر آ جاتا اور تدبیر نہ ہوتی تو مصر و فلسطین کا نام و نشان ختم ہو جاتا۔ لیکن حضرت یوسف علیہ السلام شریف تھے اور شریف آدمی کو جب موقع ملتا ہے، وہ بدلہ نہیں لیتا بلکہ معاف کرتا ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے بجائے بدلہ لینے کے خواب کی تعبیر صحیح بتائی اور تعبیر کے ساتھ ساتھ قحط سے بچنے کی تدبیر بتائی اور تعبیر بتا کر خود تدبیر کی۔ اپنے سر پر لے کر خود تدبیر کی اور پورے مصر و فلسطین پر احسان کیا اور آخری انجام یہ نکلا کہ سارے بھائیوں اور باپ کو بلالیا۔ یہ سارے کے سارے پورے مصر پر حاوی ہو گئے اور مصر پر فلسطین والوں کا بہت بڑا احسان ہوا، جب نبیوں والی ترتیب پر یہ بنی اسرائیل چلے تو اللہ تعالیٰ نے دنیا میں بھی بہت اونچا کر دیا۔ آخرت کی اونچائی تو ہے ہی، لیکن اللہ نے دنیا میں بھی ان کو عزت بخشی۔ مگر جب حضرت یوسف علیہ السلام اس دنیا سے پردہ فرما گئے اور

آخرت کی طرف چلے تو آہستہ آہستہ ان بنی اسرائیل کے اعمال بگڑتے گئے اور مشاہدات پر ان بنی اسرائیل کا یقین آتا گیا۔ غیب پر یقین کم ہوتا چلا گیا اور ان کی زندگیاں اللہ کے حکموں کے خلاف ہوگئیں۔ اور نبیوں والا طریقہ انہوں نے چھوڑ دیا۔ اللہ تعالیٰ ڈھیل دیتے رہے لیکن پتہ نہیں چلا اور آخر میں جا کر اللہ تعالیٰ نے ان بنی اسرائیل کو اتنا گرایا کہ کفن چور فرعون ان کے سروں پر مسلّط ہوگیا۔۔ ایک وقت پر پورے مصر پر اُن کی چلتی تھی اور اب کے وقت کفن چور فرعون کی چلی اور اتنی چلی کہ یہ سارے کے سارے ایسے بن گئے کہ ان کی لڑکیوں کو فرعون اور اُس کی فوج رات بھر اپنے گھر میں رکھتے تھے اور لڑکوں کو مارتے تھے اور کوئی ایکشن لینے والا نہ تھا اور کوئی ایجی ٹیشن چلانے والا نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اتنا ان کو ذلیل و رُسوا کیا۔ اور اللہ نے یہ بتایا کہ جب تم نے نبیوں کے طریقے کو پکڑا تو ہم نے تم کو کتنا اونچا کیا اور جب تم نے نبیوں کے طریقے کو چھوڑا تو ہم نے تم کو ذلیل و رسوا کیا۔

۲۶۔ نبیوں کے قصّے قیامت تک کے لئے خدائی ضابطے ہیں

یہ نبیوں کے قصّے اور واقعات کہانیوں کے طور پر کافی نہیں ہیں بلکہ یہ اللہ کے ضابطے ہیں۔ اور قیامت تک کے لئے وہی ہوگا جو نبیوں کے زمانے میں اللہ تعالیٰ نے کیا۔ ان نبیوں کے واقعات کو پڑھ کر قیامت تک کے لئے اُمتِ مسلمہ کے لئے قانون ہیں اور ان سے خدا کی مدد و غضب کے قوانین ملتے ہیں۔

۲۷۔ تمام انبیاء علیہم السلام کا آنا بطور تمہید اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا آنا بطور اصل

سارے نبیوں کا آنا بطور تمہید ہے اور رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا تشریف لانا بطور اصل کے ہے اور خلفاء راشدین کا آنا بطور تتمہ کے ہے۔

رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے پہلے نبیوں کو بھیج کر پورے عالم کے اندر فضا بنائی۔ اکثریت والوں نے نبی کی بات نہ مانی، طاقت والوں نے نہیں مانی، لیکن سب کے سب ناکام ہوئے۔ اقلیت والے جو نبیوں کی بات ماننے والے تھے، اُن کے سامنے اکثریت والے ناکام ہوگئے جو نبی کی بات کو نہیں مانتے تھے۔ قیامت تک کے لئے اللہ تعالیٰ نے بتادیا کہ ملک و مال، پیسہ، روپیہ، طاقت، سونا چاندی، عہدہ، ڈگری، اس سے زندگیاں نہیں بنتیں۔ زندگی اللہ بناتے ہیں اور زندگیاں اللہ بگاڑتے بھی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے زندگیوں کو بنانے کا ضابطہ انبیاء ہیں اور نبیوں کا طریقہ اگر چھوڑ دیا گیا تو اللہ تعالیٰ زندگیاں اُجاڑ دیں گے۔ جب نبیوں کا طریقہ چھوڑا گیا تو نتیجہ یہ نکلا کہ کفن چور فرعون کو اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر مسلّط کر دیا اور اس فرعون نے ان کو بڑا ذلیل کیا۔ اب ان میں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھیجا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام تشریف لائے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کو نبوت دی اور نبوت کوہِ طور پر ملی۔ اللہ تعالیٰ نے کوہِ طور پر موسیٰ علیہ السلام سے پوچھا:

وَمَا تِلْكَ بِيَمِيْنِكَ يٰمُوْسٰى. (سورۂ طٰہٰ آیت ۱۷ پارہ ۱۶)

اے موسیٰ! تیرے ہاتھ میں کیا ہے؟ موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا:

قَالَ هِيَ عَصَايَ ج (سورۂ طٰہٰ آیت ۱۸ پارہ ۱۶)

"یہ میرا عصا (ڈنڈا) ہے۔"

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا "میرے ہاتھ میں ڈنڈا ہے۔ اس سے میں بکریاں پالتا ہوں اور چھوٹے موٹے کام اس سے ہوتے ہیں۔"

اللہ تعالیٰ نے حکم دیا:

قَالَ اَلْقِهَا يٰمُوْسٰى (سورۂ طٰہٰ آیت ۱۷ پارہ ۱۶)

۲۸۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ

"اے موسیٰ! اسے چھوڑ دو۔ اسے زمین پر ڈال دو۔"

اب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ نہیں کہا کہ اے اللہ! اگر میں اس ڈنڈے کو ڈال دوں تو میرے بکریوں کے پلنے کا کیا ہوگا۔ یہ نہیں کہا کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نبوت سے پہلے بھی سمجھتے تھے کہ پالنے والا اللہ ہے۔ یہ ڈنڈا میری بکریوں کو نہیں پالتا۔ اس ڈنڈے کو اللہ استعمال کر رہے ہیں میری بکریوں کو پالنے کے لئے۔ پالتے تو اللہ ہیں۔ چنانچہ ڈنڈا ڈال دیا تو ڈنڈے سے اژدہا بنا اور طبیعت کے خلاف بنا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام ڈرے۔ اللہ کے حکموں کو آدمی اپنی طبیعت کے خلاف پورا کرے۔ اس کے بعد والے حالات اگر اور طبیعت کے خلاف آئے تو اُسے بھی اللہ کے حکم سے پورے کرے۔ اپنی طبیعت کے خلاف اللہ کے حکموں کو جو آدمی پورا کرے گا تو اللہ تعالیٰ غیب سے اس کی مدد فرمائیں گے۔ طبیعت کے خلاف حکموں پر قدم اُٹھانا تو

ظاہری حالت کے خلاف اللہ کی مدد کا اتروانا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام بھاگنے لگے اژدہے سے جان بچانے کے لئے۔

اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ: خُذْ وَ لاَ تَخَفْ اے موسیٰ! پکڑو اور مت ڈرو!

نفع والا ڈنڈا تھا تو فرمایا ''اسے چھوڑو۔'' نقصان پہنچانے والا اژدہا بنا تو فرمایا ''اسے پکڑو'' یہی معنی اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ کا ہے۔ اِیَّاکَ نَعْبُدُ میں ہم وہ مانتے ہیں جو اللہ فرماتے ہیں اور اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ میں جو ہم کہتے ہیں وہ آپ کریں گے۔ اور یہی معنی حی علی الفلاح اور حی علی الصلوٰۃ کا ہے۔ جو اللہ کہہ دے ہم وہ کریں گے۔ اور جو ہم کہہ دیں اللہ وہ کریں گے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اژدہے کو پکڑا۔ جب پکڑا تو ڈنڈا بن گیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام سمجھ گئے کہ ظاہری اسباب کا اپنی مرضی پر لگنا اصل اور نہ چھوڑنا اصل اور اللہ کے کہنے پر ظاہری اسباب کا لگنا بھی اصل اور چھوڑنا بھی اصل۔ ڈنڈا تھا، اپنی مرضی سے پکڑتے تھے، کئی دفعہ چھوڑا اور پکڑا اپنی مرضی سے۔ سوائے بکری چرانے کے کوئی کام نہیں دیتا تھا۔ اب اللہ کے کہنے پر چھوڑا اور پکڑا تو اب ڈنڈے سے صرف بکریاں نہیں پلیں گی بلکہ یہ ڈنڈا ایسا بنا کہ سمندر کو مارا تو بارہ راستے بن گئے اور بارہ خاندان پار ہوگئے۔ پتھر پر مارا تو بارہ نہریں جاری ہوگئیں اور قوم کو سیراب کیا۔ جادوگروں کے مقابلے میں ڈالا تو اژدہا بنا اور سارے جادوگروں کے جادو کو نگل گیا۔ چھ لاکھ جادوگر مسلمان ہوئے۔ فرعون کی بیگم آسیہ مسلمان ہوگئی۔

ڈنڈے کو اپنی مرضی سے استعمال کرتا تھا تو صرف بکریوں کے پلنے کا

کام دیتا تھا اور جب اللہ کے حکم پر استعمال کیا تو بارہ کے بارہ خاندان بچے۔ سمندر میں ڈنڈے کے راستوں سے چلے اور حفاظت ہو رہی ہے اور اللہ کا دین بھی پھیل رہا ہے۔ ہر چیز کا سبب بنا۔

۲۹۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں کاروبار اور گھر دو ڈنڈے دیئے ہیں

اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں بھی دو ڈنڈے دیئے ہیں۔ ایک کاروبار اور دوسرا گھر۔ مگر ہم اسے اپنی رائے سے استعمال کرتے ہیں۔ دن کے وقت کاروبار پکڑا، گھر کو چھوڑا۔ اور رات کے وقت کاروبار کو چھوڑا اور گھر پکڑا۔ کئی بیچارے تو رات کو بھی کاروبار نہیں چھوڑتے۔ یہ ہم اپنی مرضی سے پکڑتے اور چھوڑتے ہیں۔ لیکن اسے اللہ کی مرضی سے چھوڑنا اور پکڑنا۔ اللہ کے حکم سے جب کاروبار اور گھر کو چھوڑتے اور پکڑتے رہیں گے تو انشاء اللہ، اللہ کے حکم سے باطل کا جادو نگلتا جائے گا اور دین پھیلتا رہے گا۔ مگر شرط یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے پکڑیں اور اللہ کے حکم سے چھوڑیں۔ جب بھی دین کا تقاضا آ جائے، فوراً کاروبار اور گھر کو چھوڑیں اور دین کے تقاضوں کو پورا کریں۔ دین کے تقاضوں کو پورا کرنا اس وقت تک ممکن نہیں جب تک ایمان کی طاقت نہ ہو۔

دین کے سیکھنے کی کوشش کوئی اس وقت تک نہیں کرتا جب تک اُس کے دل کے اندر ایمان کی طاقت نہ ہو۔ اور جب ایمان کی طاقت آ جائے تو پھر ہر آدمی دین سیکھنے کی کوشش کرے گا اور دین پھیل جائے گا۔ آج لوگ یہ سمجھتے

ہیں کہ مال، روپیہ، پیسہ سے کامیابی ہے اور اسے طاقت سمجھتے ہیں۔ جب تک ان کی محبت دل سے نہ نکل جائے اور ایمان کی طاقت آجائے تو دین کی کوشش میں آسانی ہوگی اور دین پورے عالم کے اندر پھیلے گا۔ لیکن اگر دنیا، مال، روپیہ پیسہ سے محبت ہوگئی اور اپنے جذبات وخواہشات پر چلے تو یہ آواز جہنم کی ہے۔ جو اپنے جذبات اور خواہشات پر چلتے ہیں اور اپنے جذبات پورا کرتے ہیں، ان کے لئے جہنم ہے اور جہنم کے راستے پر چلتے ہیں۔ اور جہنم کا مزاج یہ ہے کہ (هَلْ مِنْ مَّزِيْد) ''اور لاؤ، اور لاؤ''۔ یہ مزاج جہنم کا ہے۔ تو جو جہنم کے راستے پر چلتا ہے اور یہی کہتا ہے کہ ''لاؤ لاؤ'' جھوٹ سے، رشوت سے، سُود سے، دھوکہ فراڈ سے، جس طریقے پر بھی ہو بس لاؤ۔ تو یہ جہنم کا مزاج ہے۔ (هَلْ مِنْ مَّزِيْد)

اور جو اپنے جذبات کو قربان کرے، اُن کے لئے جنت ہے۔ جو اپنے ہاتھ سے اپنی جان سے دوسروں کے لئے قربان کرے۔ جو آدمی اللہ کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا، اپنے جذبات کو قربان کیا تو اس کے لئے جنت اور جنت کی آواز ہے (وَلَدَيْنَا مَزِيْد) جہنم کی آواز ہے ''لاؤ اور لاؤ'' اور جنت کی آواز ہے ''لے لو''

۳۰۔ دنیا کی آواز

آج پوری دنیا کے اندر یہ آواز ہے کہ ''لاؤ بس لاؤ'' جھوٹ سے، فراڈ سے، حکومت، ٹیکسوں کے راستوں سے، آفیسرز، رشوت کے راستوں سے، سرمایہ دار، سُود کے راستوں سے، اور غریب سٹرائیک اور ڈاکہ کے راستے

ہے۔ بس لاؤ۔ اس آواز سے پوری دنیا پریشان کُن بنی ہوئی ہے۔ لیکن رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے آواز دی ہے کہ لے لو۔ ایسا پاکیزہ طریقہ لائے کہ جو بھی اس کو قبول کرتا ہے، بس اس کی آواز ہوتی ہے، لے لو، لے لو۔ زکوٰۃ ہے، صدقہ ہے، خیرات ہے، قربانی ہے، لے لو۔ مکہ والے جب مدینہ گئے تو مدینے والوں نے کہا کہ لے لو۔ مکہ والوں نے کہا، ہم نہیں لیں گے بلکہ ہمیں بازار کا راستہ بتادو۔ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کو یہ سکھایا کہ دے دو، بانٹو۔ اور یہ بھی نہیں کہ نہیں مانگتے تھے۔ مانگتے تھے مگر اللہ سے ''اے اللہ دے، اے اللہ دے'' اور اللہ نے تو شروع میں کھجوریں دیں، مگر آخر میں ہیرے جواہرات دیئے اور ایسے دیئے کہ ہر آدمی تقسیم کرنے والا تھا۔ ہر صحابی تقسیم کرنے والا تھا۔

میرے محترم دوستو! آج پوری دنیا جو جذبات کو پورا کرنے کے راستے پر چلی ہوئی ہے اور ہر شخص کی آواز ہے کہ لاؤ، اس سے تمام انسانوں کی زندگیاں تنگ ہوگئی ہیں اور ساری دنیا پریشان ہے اور نجات کا راستہ ڈھونڈ رہی ہے۔ نجات کا راستہ مسلمانوں کے پاس ہے، لیکن یہ راستہ نقوش میں ہے اور نفوس میں نہیں ہے۔ اس پاکیزہ طریقہ کو نقوش سے نکال کر نفوس میں لایا جائے اور اس پاکیزہ طریقہ کو زندہ کیا جائے اور پورے عالم کے اندر اسے پھیلایا جائے۔ جب یہ پاکیزہ طریقہ دنیا کے اندر پھیل جائے تو انشاء اللہ سب کی زندگیاں سکون والی، چین والی اور دین والی زندگیاں بنیں گی، اور رحمۃ للعالمین کا طریقہ دنیا کے اندر زندہ ہو جائے اور پورے عالم کے اندر امن و امان آئے گا۔ (انشاء اللہ)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

۱۔ انسان کو اللہ تعالیٰ نے دنیا میں مختصر وقت کے لئے بھیجا ہے

اللہ تعالیٰ نے ہم سب انسانوں کو اس دنیا میں تھوڑے وقت کے لئے بھیجا ہے اور زندگی بسر کرنے کا وہ طریقہ بتایا کہ جس طریقے پر چلنے سے دنیا کے اندر بھی ہم کامیاب ہو جائیں گے اور آخرت کے اندر بھی ہم کامیاب ہو جائیں گے، اور اللہ تعالیٰ کے خزانوں سے ہم خوب فائدہ اُٹھانے والے بن جائیں۔ زندگی بسر کرنے کا وہ طریقہ بتانا یہ کام نبیوں کا تھا اور اپنے اپنے علاقوں میں یہ کام کرتے تھے کہ انسانوں کا ذہن بنایا جائے۔ خدا سے تعلق پیدا کرنا اور آخرت کا فکر پیدا کرنا اور اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے اعمال پر چلنا، یہ نبیوں کا کام تھا۔ لیکن انبیائے کرام کی آمد رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد سے بند ہوگئی۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے سے نبوت کا دروازہ بند ہوگیا ہے، دعوت کا دروازہ بند نہیں ہوا۔ قیامت تک کے لئے اب کوئی نبی نہیں آئے گا۔

۲۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے سے نبوت کا دروازہ بند ہوگیا، دعوت کا دروازہ نہیں

رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے سے نبوت کا دروازہ بند ہوگیا اور اب نبیوں والا کام سارے کا سارا اس اُمت پر آیا۔ اللہ تعالیٰ نے انتخاب کیا

اس امت کو دعوت کے لئے۔ اب ہمارا کام اپنا ذہن بھی بنانا اور ہمارے اپنے علاقے والوں کا ذہن بھی بنانا اور پورے عالم کا ذہن بنانا جو نبیوں نے بنایا۔ اور وہ یہ کہ زندگیوں کا بنانا اور زندگیوں کا بگاڑنا یہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔

دکھائی تو دیتا ہے کہ دنیا کے اندر کی پھیلی ہوئی چیزوں سے، انسانوں کو عام طور سے دکھائی یہ دیتا ہے کہ فلاں آدمی کے ہاتھ میں مال بہت ہے تو اس کی زندگی بہت بن گئی۔ دیکھو کتنا آرام میں ہے۔

اور یہ بھی انسان کو دکھائی دیتا ہے کہ فلاں آدمی کو ڈاکوؤں نے پکڑ کر مار ڈالا، کیونکہ اس کے پاس مال بہت تھا۔ تو یہ بھی دکھائی دیا کہ مال سے زندگی بنی اور یہ بھی دکھائی دیا کہ مال سے زندگی بگڑی۔ روزانہ یہ ہم دیکھتے ہیں، مشاہدے کی چیزیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے پچھلے واقعات بیان فرمائے، کیونکہ پچھلے واقعات میں نتیجہ برآمد ہو چکا ہے۔ موجودہ زمانے کے آدمیوں کو دیکھ کر آدمی اپنی زندگی کی ترتیب قائم نہیں کرسکتا۔ پچھلے واقعات میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا کہ حضرت یوسف علیہ السلام وزیر تھے اور کامیاب ہوئے۔ دنیا و آخرت دونوں میں کامیاب ہوئے۔ اور ہامان بھی مصر کا وزیر تھا مگر دنیا و آخرت میں ناکام ہوگیا۔

مال حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس بھی تھا، وہ دنیا و آخرت میں کامیاب و سرفراز ہوئے۔ اور مال قارون کے ہاتھ میں بھی تھا، مگر وہ ناکام رہا۔ مال سے کامیابی و ناکامی نہیں۔ اس طرح سارے واقعات بتائے۔ انصاری صحابہ رضی اللہ عنہم سارے کھیتوں، باغیچوں والے تھے۔ اُن کی زندگیاں دنیا

و آخرت میں بنیں۔ اور قوم سبا یہ بھی کھیتوں والے اور باغات والے تھے اور بڑے عجیب وغریب باغات تھے۔ سایہ میں ایک مہینہ تک چلتے تھے مگر سایہ ختم نہیں ہوتا تھا۔ دھوپ نہیں ملتی تھی۔ اتنا گنجان سایہ ہوتا تھا۔ اور کھیتوں کی بہت آمدنی تھی۔ لیکن انجام یہ نکلا کہ اُن کی زندگی ان کھیتوں اور باغیچوں میں اُجڑ گئی، اور انصاری صحابہ رضی اللہ عنہم کی زندگیاں بن گئیں۔

۳۔ مال و دولت سے کامیابی و ناکامی نہیں

کھیتوں، باغیچوں سے زندگی نہیں بنتی اور نہ بگڑتی ہے۔ یا یوں کہو کہ ان سے زندگی بن بھی سکتی ہے اور بگڑ بھی سکتی ہے۔ دونوں باتیں ہیں۔ تجارت کی بہت بڑی منڈیاں حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کے ہاتھ میں تھیں اور مکہ مکرمہ کے رہنے والے صحابہ رضی اللہ عنہم میں بہت سے صحابہ ایسے تھے کہ جن کے ہاتھ میں بھی تجارت کی منڈیاں تھیں۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ لیکن اِن صحابہ کی زندگیاں بنیں اور حضرت شعیب علیہ السلام کی نافرمان قوم کی زندگی بگڑی۔ تو اس سے معلوم ہوا کہ انسان کو زندگی کا بننا اور بگڑنا مخلوقات میں دکھائی دیتا ہے۔ لیکن حقیقت میں زندگی کا بننا اور بگڑنا یہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ اللہ تعالیٰ جس کی زندگی بنانا چاہے، اُس کی تو بنتی ہے اور اللہ تعالیٰ جس کی زندگی بگاڑنا چاہے، اُس کی بگڑتی ہے۔ تھوڑا سا اگر آدمی ان واقعات اور موجودہ زمانے کے حالات کے اندر غور کرے تو بہت آسانی کے ساتھ یہ بات سمجھ میں آسکتی ہے کہ زندگی کا بنانا اور زندگی کا بگاڑنا اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ اور مخلوق

میں دکھائی دیتا ہے۔ اِن مخلوقات کو اللہ تعالیٰ یا زندگی کے بگاڑنے میں یا زندگی کے بنانے میں استعمال کرتے ہیں۔ اور یہ مخلوقات خدا کے لشکر ہیں۔

اللہ فرماتا ہے:

وَمَا یَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّکَ اِلَّا ھُوَ ط (سورۃ المدثر آیت ۳۱ پارہ ۲۹)

''اللہ تعالیٰ کا لشکر اللہ ہی جانتا ہے۔''

وَ لِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ط وَكَانَ عَزِيْزًا حَكِيْمًا.

(سورۃ الفتح آیت ۷ پارہ ۲۶)

''اور آسمان و زمین کا سب لشکر اللہ ہی کا ہے اور زبردست حکمت والا ہے۔''

۴۔ زمین و آسمان کے سارے لشکر اللہ کے ہاتھ میں ہیں

زمین اور آسمان کے تمام لشکر براہِ راست اللہ کے ہاتھ میں ہیں اور اللہ ہی ان لشکروں کو استعمال کرتے ہیں۔ ہوا، پانی، زمین، سورج، چاند سب اللہ تعالیٰ کے لشکر ہیں۔ یہاں تک کہ چیونٹی یہ بھی اللہ کا لشکر، طیر، پرندے، مچھر، یہ سب اللہ کے لشکر اور اللہ کے قبضے میں ہیں۔ ان سے اللہ جو چاہے گا وہ ہوگا۔ اصل اللہ کے ارادے سے ہوتا ہے، مگر دکھائی دیتا ہے پھیلی ہوئی چیزوں میں۔ زندگی بنانے کا اور حفاظت کا ارادہ کرے تو غارِ ثور میں مکڑی سے جالا تنوا کر نبیوں کے سردار حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کرتے ہیں۔ حالانکہ مکڑی کا جالا بہت کمزور چیز ہے۔ لیکن خدا کا لشکر ہے اور اس کمزور مخلوق کو اللہ تعالیٰ نے استعمال فرمایا نبیوں کے سردار حضرت محمد

مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کے لئے تو نبیوں کے سردار حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت ہوگئی باوجودیکہ اسباب سارے موت کے تھے۔ سب نے طے کر دیا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کر دیا جائے۔

لیکن سارے موت کے اسباب میں اللہ کا ارادہ حفاظت کا ہوا تو مکڑی کو استعمال فرمایا اور مکڑی سے جالا تنوا کر نبیوں کے سردار حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کر لی۔ اور جب اللہ تعالیٰ زندگی اُجاڑنے کا ارادہ فرماتے ہیں تو زندگی بننے کے سارے اسباب نمرود کے پاس موجود ہیں۔ طاقت وحکومت بہت بڑی، نمرود کے پاس پیسہ بھی بہت زیادہ اور کہیں سے اللہ تعالیٰ نے اس پر حملہ نہیں کروایا، کہیں اس کو پانی میں نہیں ڈبویا، اور زمین میں بھی نہیں دھنسایا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے یہ ارادہ کیا کہ اُس کی زندگی اُجڑ جائے تو ایک لنگڑا مچھر ناک کے راستے اندر گھسایا اور ساری زندگی بننے کے اسباب کے اندر ایک لنگڑا مچھر ناک کے راستے سے گھسا کر اس کی زندگی اُجاڑ دی۔ جب اللہ زندگی اُجاڑنے پر آئے تو الگ الگ راستوں سے اُجاڑتے ہیں اور جب اللہ زندگی بنانے پر آئے تو الگ الگ راستوں سے بناتے ہیں۔

۵۔ جونسی مخلوق کو اللہ چاہیں، زندگی بنانے یا بگاڑنے پر استعمال کرتے ہیں

اللہ تعالیٰ جس مخلوق کو چاہے زندگی بنانے میں استعمال کرے اور جس مخلوق کو چاہے زندگی اُجاڑنے پر استعمال کرے۔ زندگیوں کا بنانا اور

زندگیوں کا بگاڑنا یہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ کامیابی اور ناکامی، اطمینان اور پریشانی، عزت اور ذلت، موت و حیات، بیماری اور تندرستی، خوف اور امن، جتنے بھی انسانوں پر حالات آتے ہیں، طبیعت کے موافق یا طبیعت کے خلاف، جتنے بھی انسانوں پر حالات آتے ہیں، اُن حالات کے لانے والے اللہ تعالیٰ ہیں لیکن انسان کو چیزوں میں دکھائی دیتے ہیں۔ اب سوچنے کی بات یہ ہے کہ زندگی بنانے اور بگاڑنے کا خدائی ضابطہ اور قانون کیا ہے؟ دنیا کے اندر پھیلی ہوئی چیزیں تو ضابطہ نہیں ہیں۔ زندگی بنانے پر آئے تو آگ میں ڈال کر زندگی بنائی اور اگر زندگی بگاڑنے پر آئے تو سونا چاندی کے ڈھیر دے کر زندگی بگاڑ دی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زندگی آگ میں بنا دی اور قارون کی زندگی سونا چاندی کے ڈھیر میں اجاڑ دی۔ تو دنیا کی پھیلی ہوئی چیزوں سے زندگی بننے اور بگڑنے کا تعلق نہیں رہا۔ اللہ زندگی جس کی بنائے بنے گی اور جس کی بگاڑے بگڑے گی۔ مگر اللہ تعالیٰ مخلوقات کو اس میں استعمال کریں گے، چاہے جونسی مخلوق کو جیسے بھی استعمال کریں۔

۶۔ زندگی کے بننے اور بگڑنے کا خدائی ضابطہ و قانون

زندگی بسر کرنے کا جو طریقہ اللہ پاک نے نبیوں کے ذریعے بتایا اگر آدمی اس طریقے پر آجائے تو اللہ تعالیٰ زندگی بنا دیں گے، اور اگر اس طریقے کو چھوڑ دے تو اللہ تعالیٰ اس کی زندگی بگاڑ دیں گے۔ یہ خدا کا قانون و ضابطہ ہے۔ ہر زمانے میں نبیوں کو بھیجا اور تمام نبیوں نے وہ طریقہ

بتایا۔ اگر اسی آدمیوں نے اس طریقے کو مانا اور حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ کشتی میں سوار ہوئے اور بڑی بھاری اکثریت وہ تھی جو حضرت نوح علیہ السلام کے طریقے کے خلاف تھی اور حضرت نوح کی بات کو نہیں مانا تو اللہ تعالیٰ نے اکثریت والوں کی زندگیاں اجاڑ دیں اور ان کو ہلاک کر دیا اور ہم سارے ان اسی آدمیوں کی نسل میں سے ہیں اور قیامت تک آنے والے انسان اُن اسی آدمیوں کی نسل میں ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ہر زمانے میں نبیوں کو بھیج کر وہ طریقہ بتایا اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری پر اس پاکیزہ طریقہ کو بتایا اور یہ پاکیزہ طریقہ قیامت تک چلے گا۔ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم جو پاکیزہ طریقہ لے کر تشریف لائے وہ طریقہ پوری دنیا کے بسنے والے انسانوں کو قیامت تک کامیاب بنانے والا طریقہ ہے۔ ہر رنگ و ہر زبان والوں کو کامیاب بنانے والا طریقہ ہے۔ اسی پاکیزہ طریقے پر تاجر و کسان، حاکم و محکوم، کالے و گورے، سب کامیاب ہوں گے۔ اگر اسی پاکیزہ زندگی کو اختیار کریں اور قبول کریں اور پوری دنیا میں اس کی تبلیغ کریں۔

کامیابی والا طریقہ وہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے بتایا اور نبیوں کے ذریعے بتایا۔ جو کام ہم کریں، اُس میں دیکھیں کہ حکم خدا کا کیا ہے؟ اور طریقہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا ہے؟ یہ دو باتیں اگر آ گئیں تو آدمی اگر کچے مکان میں بھی ہے تو کامیاب اور اگر پکے مکان میں بھی ہوگا تو کامیاب۔ مالدار ہو یا غریب، کالا ہو یا گورا، اللہ اُسے کامیاب کریں گے، بشرطیکہ یہ پاکیزہ طریقہ اُس کی زندگی کے اندر آ جائے۔

۷۔انسانی اعضاء کا صحیح استعمال

اگر اس پاکیزہ طریقہ کے مطابق انسان کی آنکھوں کا، کان کا، زبان کا، ہاتھ کا، پیر کا، دل کا، دماغ کا استعمال صحیح ہو جائے تو اسی کو اعمال صالح کہتے ہیں۔ اسی کو نیک کام کہتے ہیں۔ اب یہ نیک کام اور اعمال صالحہ زندگیوں میں آئیں کیسے؟ جب آئیں گے تو آخرت کی زندگی، قبر کی زندگی اور حشر کی زندگی بنے گی اور انسان جنت میں جا کے داخل ہوگا اور ہمیشہ وہاں رہے گا۔یہ مبارک طریقہ انسانی زندگی میں آئے کیسے؟ اس کے لئے ایک ذہن بننا ضروری ہے۔نبیوں کا کام پہلے ذہن بنانا تھا۔پورے قرآن پاک میں زیادہ تر انسانی ذہن بنایا۔

ذہن بننے پر اس پاکیزہ طریقے پر آنا آسان ہوگا۔آدمی کا ذہن بن جائے اور غلط فہمی دور ہو جائے۔ انسان اپنی سمجھ کے مطابق زندگی بسر نہ کرے بلکہ خدا کے کہنے کے مطابق زندگی بسر کرے۔ اگر اپنی سمجھ کے مطابق انسان زندگی بسر کرے گا تو اس کے اندر کی کمزوریوں کا اثر پڑ کر زندگی اس کی اجڑے گی۔خدا کے کہنے کے مطابق اگر زندگی بسر کرے گا تو اللہ تعالیٰ کی طاقت اس کے موافق بن کر اس کی زندگی بنا دے گی اور اللہ کی نعمتوں کے خزانے اس کے ساتھ ہو کر دنیا و آخرت کی زندگی بنے گی۔

۸۔انسان کے اندر بڑی بڑی تین کمزوریاں

انسان کے اندر بڑی بڑی تین کمزوریاں ہیں اور اللہ تعالیٰ ہر لائن میں

کمال والے ہیں۔ اللہ ہر لائن میں قوت والے ہیں۔

اِنَّ اللّٰهَ قَوِیٌّ عَزِیْزٌ. (سورۂ مجادلہ آیت ۲۱ پارہ ۲۸)

''اللہ بہت بڑے طاقت والے ہیں۔''

اور انسان کے متعلق فرماتے ہیں:

وَ خُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِیْفًا. (سورۂ نساء آیت ۲۸ پارہ ۵)

''انسان ہر لائن میں ضعیف اور کمزور ہے۔''

انسان کی تین بڑی بڑی کمزوریاں:

ایک کمزوری تو انسان میں یہ ہے کہ اسے جہاں بھی ہو جگہ پوری دکھائی نہیں دیتی۔ مکان اسے پورا دکھائی نہیں دیتا۔ ماں کے پیٹ میں تھا تو پوری عورت دکھائی نہیں دیتی تھی۔ دنیا میں آ گیا تو ساتوں زمین آسمان دکھائی نہیں دیتے۔ دنیا کے اندر اسے قبر کے حالات دکھائی نہیں دیتے۔ قبر میں چلا گیا تو قیامت کے دن کیا تکلیف آنے والی ہے، وہ وہاں اسے دکھائی نہیں دیتی۔ قیامت کا دن آ گیا تو جہنم کی تکلیف کتنی بڑی ہے، وہ اس کے سامنے نہیں۔ تو انسان کے اندر ایک کمزوری یہ ہے کہ جگہ اسے پوری دکھائی نہیں دیتی اور دوسری کمزوری یہ ہے کہ اسے پورا زمانہ دکھائی نہیں دیتا۔ زمانے تین ہیں۔ ایک تو گزرا ہوا زمانہ، گزرا ہوا زمانہ تو انسان کے ہاتھ سے نکل گیا۔ اور ایک اگلا زمانہ ہے، وہ انسان کے ہاتھ میں نہیں ہے۔ اگلا زمانہ مستقبل اتنا لمبا چوڑا ہے کہ اس کی کوئی حد نہیں۔ عام طور پر انسانی ذہن یہ ہے کہ مر گئے تو زمانہ ختم ہو گیا۔ مٹی میں مل گئے، بات نمٹ گئی۔ حالانکہ یہ بات نہیں۔ بلکہ مرنے کے بعد بھی زمانہ باقی، جیسے دنیا میں انسان کو راحت و تکلیف ہے،

مرنے کے بعد بھی اگر راحت ہے تو دنیا کی ساری راحتوں سے زیادہ اور اگر تکلیف ہے تو دنیا کی ساری تکلیفوں سے زیادہ۔ پھر جہنم کی تکلیف تو بے حد اور وہ بڑھتی رہے گی۔ جنت کے اندر راحت بہت زیادہ اور وہ بڑھتی رہے گی۔ تو انسان کو زمانہ بھی پورا دکھائی نہیں دیتا۔ پچھلا زمانہ اس کے ہاتھ سے نکل چکا، اگلا زمانہ لامحدود اور بے حساب جو آنے والا ہے، وہ اسے پورا دکھائی نہیں دیتا۔ آنے والا زمانہ پورا تو کیا اُسے پانچ منٹ بعد کا زمانہ بھی دکھائی نہیں دیتا۔ جونسے مکان میں ہے، وہ مکان پورا دکھائی نہیں دیتا اور اس کے بعد پانچ منٹ بعد کیا ہوگا، وہ اسے پورا دکھائی نہیں دیتا۔ چاہے یہ انسان پلان سو سال کے بنادے، لیکن اسے پانچ منٹ کے بعد کا زمانہ بھی دکھائی نہیں دیتا۔

ایک مکان کے اندر بہت بڑی طاقت رکھنے والا عہدے دار انسان بیٹھا ہوا ہے اور اُس مکان میں دوسرے بھی بہت بڑے عہدیدار بیٹھے ہوئے ہیں اور آپس میں میٹنگ کر رہے ہیں اور اُس مکان کے اندر ایک ٹائم بم بھی رکھا ہوا ہے، لیکن دکھائی نہیں دیتا۔ چونکہ پورا مکان دکھائی نہیں دیتا تو وہ ٹائم بم جو پیچھے سے رکھا گیا تھا، وہ بھی دکھائی نہیں دیتا اور پانچ منٹ بعد وہ بم پھٹنے والا ہے، وہ بھی اسے دکھائی نہیں دیتا۔ اب یہ آدمی کیسے انتظام کریں؟ اور اگر انتظام کریں بھی تو کیسے کریں؟ کیونکہ نہ تو مکان پورا دکھائی دیتا ہے اور نہ زمانہ پورا دکھائی دیتا ہے۔ پانچ منٹ کے بعد بم پھٹنے واﷲ ہے۔

اب اگر اللہ کو منظور یہ ہے کہ اُن کی زندگیاں ابھی ختم نہ ہوں تو اللہ غیب سے کوئی انتظام فرمائے گا اور ایسا انتظام فرمائے گا کہ اُن کی زندگیاں

ختم ہونے سے بچ جائیں گی۔ وہ یہ سمجھتے رہیں گے کہ دیکھو ہم کیسے چوکنے، ہم کو معلوم ہوگیا۔ وہ یہ فخر میں کہتے رہیں گے۔ حالانکہ وہ خدا کا انتظام ہوگا۔ اور اگر اللہ تعالیٰ کو یہ منظور ہو کہ ان کا وقت پورا ہو چکا ہے، اب یہ مریں گے تو انہیں کوئی پتہ نہیں چلے گا اور وہ بم پھٹے گا۔ اب جس کے مقدر میں موت ہوگی، وہ مرے گا اور جس کے مقدر میں نہیں ہے، وہ کسی طریقے سے بچ جائے گا اور انسان کا مرجانا یہ ناکامی نہیں ہے۔

۹۔ انسان پر موت کا آجانا یہ خدا کی پکڑ نہیں

موت تو ایک ایسا پُل ہے جس پر سے ہر آدمی کو گزرنا ہے، چاہے آدمی بھلا ہو یا بُرا ہو۔ موت تو ایک پُل ہے، اس پر گزرنا سب کو ہے۔ موت کا آجانا اور آدمی کا مرجانا یہ خدا کی پکڑ نہیں ہے، بلکہ خدا کو ناراض کر کے موت کا آجانا یہ خدا کی پکڑ ہے۔ کیونکہ جاتے ہی فرشتے مارکٹائی شروع کریں گے۔ اور اللہ تعالیٰ کو راضی کر کے موت کا آنا یہ خدا کی بہت بڑی نعمت ہے، کیونکہ مرتے ہی فرشتے انعامات واحسانات کرنے شروع کر دیں گے۔

اُحد کے اندر ستر جلیل القدر صحابہ رضی اللہ عنہم شہید ہوئے اور بدر کے اندر ستر بڑے بڑے دشمن قتل ہوئے۔ موت ان پر بھی آئی اور ان پر بھی آئی۔ دونوں مرے۔ ایمان لانے سے پہلے ابوسفیان نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ ہم نے پورا بدلہ لے لیا۔ ستر تمہارے مرے اور ستر ہمارے بھی مرے۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ پورا بدلہ کیا ہوا؟ تمہارے جو ستر مرے وہ تو جہنم میں گئے اور ہمارے جو ستر مرے وہ شہید ہوئے اور جنت میں گئے۔ تم

تو خالی تعداد کے پورا ہونے کو پورا بدلہ کہتے ہو، بلکہ یہ دیکھو کہ اُن کا آخری انجام کیا ہوا۔ تو موت کا آنا یہ خدا کی پکڑ نہیں ہے۔ موت کا آکر پھر جہنم میں جانا یہ خدا کی پکڑ ہے۔

تو بم کا پھٹ کر موت کا آجانا ہم اس کو خدا کی پکڑ نہیں کہیں گے۔ اگر آدمی کی زندگی غلط ہے تو اسے ہم خدا کی پکڑ کہیں گے اور اگر آدمی کی زندگی صحیح ہے تو پھر یہ موت کا آجانا یہ خدا کی پکڑ نہیں ہوگی، بلکہ یہ موت کا آنا ایک سبب تھا اور موت کے پُل پر سے یہ آدمی گزرا اور اللہ پاک آگے لے جا کر اسے کامیاب کریں گے۔ اس کا مرنا ہی اس کی کامیابی ہے۔ تو دو کمزوریاں انسان کے اندر بڑی بڑی ہوگئیں۔ ایک تو زمانہ اسے پورا دکھائی نہیں دیتا اور ایک اسے مکان پورا دکھائی نہیں دیتا۔

۱۰۔ انسان خود اپنی زندگی کی ترتیب قائم نہیں کرسکتا

اگر یہ انسان اپنی زندگی کی ترتیب خود قائم کرے گا تو ادھوری سمجھ پر قائم کرے گا۔ سمجھ بھی اِس انسان کی ادھوری ہے۔ پوری سمجھ انسان کی نہیں ہے۔ اور اللہ تعالیٰ سارے مکان کو جانتے ہیں۔ سمندر کے اندر جو مچھلیاں ہیں، خدا وہ بھی دیکھتا ہے۔ اور ساتویں زمین پر جو کالے پتھر پر جو کالا کیڑا ہے، وہ بھی خدا کو نظر آتا ہے اور اللہ اُس کے چلنے کی آواز بھی سنتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا سننا کمال والا، اللہ تعالیٰ کا دیکھنا کمال والا، اللہ کے خزانے کمال والے، اللہ کی قدرت کمال والی، اللہ پاک کی نعمتیں کمال والی، اللہ کی پکڑ بھی کمال والی، اللہ کی ہر چیز کمال والی اور ہر چیز بہت بڑی ہے۔ چونکہ اللہ

بڑے تو اُن کی پکڑ بھی بڑی، اُن کی گرفت بھی بڑی، تو اُن کا جیل خانہ بھی بہت بڑا، جس کا نام جہنم ہے، اور اُن کا مہمان خانہ بھی بہت بڑا جس کا نام جنت ہے۔

۱۱۔ اللہ کا جیل خانہ جہنم اور مہمان خانہ جنت

اللہ تبارک وتعالیٰ کا جیل خانہ بہت بڑا ہے اور وہ جہنم ہے جس کے مختلف طبقات ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کا مہمان خانہ بھی بہت بڑا ہے جس کا نام جنت ہے اور اس کے درجات ہیں۔ چھوٹی سے چھوٹی جنت بھی اگر مومن کو اللہ تعالیٰ مرحمت فرمائیں گے تو پوری دنیا سے دس گنا بڑی جنت ہوگی۔ ستر، بہتر بیویاں ہوں گی، اسّی ہزار نوکر چاکر ہوں گے اور سونے چاندی کے مکانات ہوں گے۔ دودھ کی، شہد کی، پانی کی، پاکیزہ شراب کی نہریں چالو ہوں گی اور کبھی کوئی نعمت ختم نہیں ہوگی۔ تو اللہ پاک کا مہمان خانہ بہت بڑا ہے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَ السّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ ۙ أُولٰٓئِکَ الْمُقَرَّبُوْنَ ۚ فِیْ جَنّٰتِ النَّعِیْمِ ۝ ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِیْنَ ۙ وَقَلِیْلٌ مِّنَ الْاٰخِرِیْنَ ؕ عَلٰی سُرُرٍ مَّوْضُوْنَةٍ ۙ مُّتَّکِئِیْنَ عَلَیْهَا مُتَقٰبِلِیْنَ ۝ (سورۂ واقعہ آیت ۱۰ تا ۱۶ پارہ ۲۷)

جنت کے اندر تختوں پر بیٹھے ہوں گے اور آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے۔ کیونکہ وہاں پر نہ دین کا کام ہوگا اور نہ دنیا کا کام اور دنیا کا کام یعنی کھانا پینا تو ہوگا، لیکن ہل چلانا، کھیتوں میں جانا وغیرہ کوئی کام نہیں ہوگا۔ اور دین کا کام نماز پڑھنا، روزے رکھنا، تبلیغ کرنا، جہاد کرنا، یہ بھی وہاں پر نہیں ہوگا۔ وہاں

پر تو عیش کرنا اور آرام سے رہنا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

يَطُوْفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ ۙ بِاَكْوَابٍ وَّ اَبَارِيْقَ ۙ وَكَاْسٍ مِّنْ مَّعِيْنٍ ۙ لَا يُصَدَّعُوْنَ عَنْهَا وَلَا يُنْزِفُوْنَ ۙ

(سورۂ واقعہ آیت ۱۷ تا ۱۹ پارہ ۲۷)

اور گلاس بھرے ہوئے پاکیزہ شراب کے مشروب لے کر خدمت گزار سامنے آئیں گے اور وہ چھوٹی عمر کے ہوں گے اور ہمیشہ چھوٹی عمر کے ہوں گے اور یہ اس لئے کہ چھوٹے کو بے تکلّف کام بتانا ہوتا ہے۔ وہ شراب بالکل پاک اور صاف، جس کے پینے کے بعد آدمی بالکل بکواس نہیں کرے گا۔ نہ اُس کے سر میں درد ہوگا۔ دنیا کی شراب آدمی جب پیتا ہے تو بکواس کرنے لگتا ہے اور سر میں درد رہتا ہے۔ لیکن وہ شراب بالکل پاکیزہ اور صاف۔

وَ فَاكِهَةٍ مِّمَّا يَتَخَيَّرُوْنَ ۙ وَلَحْمِ طَيْرٍ مِّمَّا يَشْتَهُوْنَ.

(سورۂ واقعہ آیت ۲۰ تا ۲۱ پارہ ۲۷)

جونسے پھل کو پسند کرے اور کھالے اور جونسے پرندے کو شکار کر کے کھائے۔ جنت میں داخل ہونے سے پہلے تو روٹی کا تذکرہ ہر وقت دنیا میں ملتا ہے، لیکن جنت میں داخل ہونے کے بعد وٹامن ہی وٹامن، پرندوں کا گوشت، پھل اور عیش و آرام، اور خوبصورت بیویاں۔

وَحُوْرٌ عِيْنٌ ۙ كَاَمْثَالِ اللُّؤْلُؤِ الْمَكْنُوْنِ.

(سورۂ واقعہ آیت ۲۲ تا ۲۳ پارہ ۲۷)

خوبصورت بیویاں جو چھپے ہوئے ہیرے کی طرح ہوں گی۔ یہ تمام نعمتیں

کب ملیں گی؟

جَزَاءً بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ. (سورۂ واقعہ آیت ۲۴ پارہ ۲۷)

دنیا کے اندر جو عمل کیا ہوگا، یہ اس کا بدلہ ہے۔ یہ عمل کا بھاؤ ہے، چیزوں کا بھاؤ نہیں۔ اور ہاں چیزوں کا بھاؤ کب بنے گا، جب اُن سے عمل صحیح بنالو۔ دس روپے ہیں، اس کو کسی غریب کو دے دیئے یا کسی بھوکے کو کھانا کھلایا، تو پھر اس دس روپے پر جنت نہ ملی بلکہ دس روپے کے خرچ کرنے پر ملی اور خرچ کرنا ایک عمل ہے۔

جنت کی قیمت دنیا کا مال و دولت نہیں بلکہ جنت کی قیمت انسان کا عمل ہے۔

جَزَاءً بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ.

۱۲۔ جنت کی قیمت مال و دولت نہیں بلکہ انسانی عمل ہے

جنت کی قیمت دنیا کا مال و دولت نہیں بلکہ جنت کی قیمت انسانی عمل ہے۔ اور وہ عمل جو خدا کے حکم کے مطابق ہو اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے پر ہو۔ جب انسانی اعمال اس طریقے پر آجائیں تو جنت کی نعمتیں ساری آدمی کو حاصل ہوں گی اور اللہ کی رحمتیں و برکتیں برسیں گی۔

۱۳۔ جنت کی نعمتوں میں تین بڑی بڑی خوبیاں

جنت کی نعمتوں میں تین بڑی بڑی خوبیاں ہیں۔ ایک تو ہر نعمت مقدار

میں زیادہ ہوگی۔ جنت کی نعمتیں مقدار میں ہر وقت زیادہ ہوں گی۔ جنت کی نعمتوں کی قسم اعلیٰ ہوگی۔ اعلیٰ قسم کی نعمتیں ہوں گی۔ اور تیسری خوبی جنت کی نعمتوں میں یہ کہ وہ نعمتیں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ہوں گی۔ کبھی ختم نہ ہونے والی ہوں گی۔ جس نعمت کو جنتی کھائے گا اور استعمال کرے گا تو وہ نعمت کم نہیں ہوگی بلکہ اس کی مقدار زیادہ ہوگی اور ہمیشہ کے لئے ہوگی۔ جنت کی نعمتوں کی انتہا نہیں ہے۔

۱۴۔ دنیا کی ہر نعمت میں تین کمزوریاں

دنیا کی ہر نعمت تعداد و مقدار میں بھی کم اور زمانہ کتنا ہی لمبا ہوگا، ختم ہونے والا ہے۔ زمانہ دنیا کے اندر کتنا لمبا ہو، آخر ختم ہونے والا ہے۔ سب کچھ ایک دن ختم ہوگا۔ عزت، عیش و آرام سب کچھ اس دنیا کے اندر ایک وقت میں ختم ہوگا۔ لیکن جنت کی نعمتیں جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

خَالِدِیْنَ فِیْهَا اَبَدًا. ہمیشہ ہمیشہ وہاں پر رہنا ہے۔

اور ہر چیز وافر مقدار میں ہوگی۔ پچاس سال تک کھاتا رہے تو کوئی تکلیف نہیں اور اگر پچاس سال تک نہ بھی کھاتا رہے تو بھی کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔ جنتی جو نعمتیں کھائیں گے، وہ بھوک کے طور پر نہیں کھائیں گے بلکہ مزے کے طور پر کھائیں گے۔ اور جنتی جنت میں سیر کرتے رہیں گے اور ایک دوسرے کی جنت میں بغیر پاسپورٹ اور ویزا کے وہاں پر جانا جائز ہوگا۔ کوئی رکاوٹ نہیں ہوگی۔ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جنت میں بھی جانا جائز ہوگا اور ہر اُمتی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جنت میں جا سکے گا۔ تو اللہ تعالیٰ کا مہمان خانہ

بہت بڑا اور زبردست قسم کا بڑا ہے۔

۱۵۔ اللہ تعالیٰ کا قید خانہ جہنم بہت بڑا ہے

اللہ تبارک وتعالیٰ کا قید خانہ جہنم بھی بہت بڑا ہے اور اتنا بڑا کہ چاروں طرف سے اژدہوں کا کاٹنا، آگ کا جہنم میں جلانا اور فرشتوں کی مارکٹائی اور مارنے والے فرشتے ایسے ہیں کہ جن کو دکھائی بھی نہیں دیتا۔ یعنی وہ دیکھ نہیں سکتے کہ ان کے دلوں میں رحم آجائے۔ اور وہ بہرے ہیں، جہنمی کی چیخ وپکار بھی نہیں سن سکتے کہ چیخ و پکار سے دلوں-میں رحم آ جائے۔ جہنم میں اندھیرے کا ستانا، بھوک اور پیاس کا ستانا، آنکھوں سے آنسوؤں کی نہروں کا بہنا اور چیخ وپکار کا مچانا۔ اور یہ جہنمی شیطان سے کہے گا کہ بچالے۔ وہ کہے گا کہ میں خود عذاب میں گرفتار ہوں، میں تمہیں کیسے بچاؤں۔ جب یہاں سے مایوس ہوں گے تو پھر فرشتوں سے کہیں گے کہ ہمیں بچالو۔ وہ یہ کہیں گے کہ ہمیں تو اللہ تعالیٰ کا حکم ہے اور ہم تو خدا کے حکم کے خلاف نہیں کر سکتے۔ پھر جو جہنم کا بڑا فرشتہ داروغہ ہوگا، اسے کہیں گے۔ مگر وہاں سے بھی یہی جواب ملے گا۔ یہ پکاریں گے:

وَ نَادَوْا یٰمٰلِکُ لِیَقْضِ عَلَیْنَا رَبُّکَ ط قَالَ اِنَّکُمْ مّٰکِثُوْنَ.

(سورۂ زخرف آیت ۷۷ پارہ ۲۵)

اللہ سے دعا کریں کہ ہم مرجائیں لیکن آواز آئے گی کہ تمہیں تو ہمیشہ یہاں رہنا ہے۔ اب تو کوئی موت نہیں۔ موت کے پُل سے تم گزرے ہوئے ہو۔ شیطان سے بھی مایوس ہوں گے، فرشتے بھی ساتھ نہیں دیں گے۔ اور جو

بڑے بڑے چوہدری دنیا میں تھے، وہ بھی وہاں پر ساتھ نہیں دیں گے۔
پانچ مرتبہ جہنمی اللہ تعالیٰ سے گفتگو کریں گے اور آخر میں اللہ کہیں گے:
قَالَ اخْسَئُوْا فِيْهَا وَ لَا تُكَلِّمُوْنِ. (سورۂ مومنون آیت ۱۰۸ پارہ ۱۸)
"دفع ہو جاؤ ہم سے بات مت کرو۔"
مَا اَغْنٰى عَنِّيْ مَالِيَهْ ۚ هَلَكَ عَنِّيْ سُلْطٰنِيَهْ.

(سورۃ الحاقہ آیت ۲۸، ۲۹ پارہ ۲۹)

میرا مال میرے کام نہیں آیا اور میرا دبدبہ میرے کام نہیں آیا۔ دنیا میں میرا دبدبہ اور رعب بہت تھا، لیکن یہاں پر وہ کام نہیں آیا۔

تو محترم دوستو! پورے عالم کو اس جیل خانے سے بچانا ہے۔ اس جہنم میں جانے سے پوری انسانیت کو بچانا ہے اور اس کام کے لئے نیت بہت وسیع ہونی چاہئے۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم اس نیت کو لے کر دنیا میں مبعوث ہوئے کہ پورے عالم کے انسانوں کو زندگی بسر کرنے کا پاکیزہ طریقہ بتایا جائے اور قیامت تک انسان صحیح طریقے پر چل کر جہنم کے عذاب سے بچیں اور جنت کے اندر بھی داخل ہو جائیں۔ اور جب وہ پاکیزہ طریقہ زندگیوں کے اندر آئے گا تو دنیا کے اندر بھی امن و امان، چین و آرام اور سکون ہوگا۔ اس پاکیزہ طریقے کے زندگیوں سے نکل جانے کی بناء پر آج پوری دنیا کے اندر سے امن و امان ختم ہو چکا ہے۔ کسی کی جان محفوظ نہیں، کسی کا مال محفوظ نہیں اور کسی کی آبرو محفوظ نہیں، چاہے وہ آدمی کتنی بڑی طاقت اور عہدے والا ہو، لیکن باوجود پورے حفاظتی انتظامات کے دنیا کے اندر حادثے ہوتے چلے جا رہے ہیں اور کوئی شخص محفوظ نہیں۔ سب پریشانی کے عالم میں ہیں۔ ساری

دنیا پریشان و بے چین ہے اور نجات کا راستہ ڈھونڈ رہی ہے۔ لیکن اُن کے پاس نجات کا کوئی راستہ نہیں۔ راستہ مسلمان کے پاس ہے۔

۱۶۔ نجات کا راستہ مسلمان کے پاس لیکن بجائے نفوس کے نقوش میں ہے

نجات کا راستہ تو مسلمانوں کے پاس ہے، لیکن یہ نجات کا پاکیزہ راستہ کتابوں میں موجود ہے، مسلمان کی ذات میں موجود نہیں ہے۔ اس لئے اس پاکیزہ طریقے کا فائدہ دنیا نہیں دیکھ رہی اور ساری دنیا پریشان ہے۔ اور پھر سب سے زیادہ مسلمان پریشان ہیں، جبکہ اُس پاکیزہ طریقے کو رکھتے ہوئے اس پر نہیں چلتا۔ مسلمان کے پاس پاکیزہ طریقہ موجود ہے۔ لیکن بجائے نفوس کے نقوش میں ہے۔ عملی زندگی میں نہیں ہے۔

۱۷۔ طاقت دو قسم کی ہے

ایک طاقت وہ جس پر مخلوق کا نام آگیا ہو، جو بنی ہوئی ہو، جس پر مخلوق کا ہاتھ لگا ہوا ہو۔ اور ایک طاقت وہ ہے جو بنانے والے کی ذات میں ہے۔ بنی ہوئی طاقتیں بالکل چھوٹی اور بنانے والی ذات کی طاقت وقدرت بہت بڑی اور لامحدود۔ تو بنی ہوئی طاقتیں استعمال کریں گے، لیکن اب خدا کی مرضی کہ اس سے زندگی اُجاڑے یا آباد کرے اور بنائے۔ استعمال کرنے والی ذات اللہ تعالیٰ ہے۔ وہ قدرت سے استعمال فرماتے ہیں۔ جو طاقتیں بن چکی ہیں یہ ساری طاقتیں چھوٹی ہیں بڑی نہیں۔ بنی ہوئی طاقتیں آپس

میں چھوٹی بڑی ہوسکتی ہیں۔ آپس میں ایک دوسرے سے چھوٹی بڑی ہوسکتی ہیں۔ مثلاً ڈنڈا ایک طاقت، تلوار اس سے بڑی، پستول اس سے بڑی، توپ، ٹینک اس سے بڑی طاقت، بم اس سے بڑی اور راکٹ اس سے بڑی۔ بنی ہوئی طاقت آپس میں ایک دوسری سے بڑی ہوسکتی ہے۔ جن طاقتوں پر اللہ تعالیٰ نے انسان کا ہاتھ لگوایا، اس کی آخری طاقت ایٹم بم ہے۔ اس کے بننے میں اللہ تعالیٰ نے انسان کا ہاتھ لگوایا، اور اللہ تعالیٰ ہاتھ لگواتے ہیں ہمارے پالنے کے لئے ہم سے ہاتھ اللہ تعالیٰ لگواتے ہیں۔ ہلوں پر، دکانوں پر لگواتے ہیں۔ اللہ ان کے محتاج نہیں بلکہ ہمارے امتحان لینے کے لئے تھوڑا ہاتھ لگواتے ہیں۔ یہ دیکھتے ہیں کہ میری طاقت مانتا ہے یا اپنی طاقت مانتا ہے۔ اس لئے تھوڑا ہاتھ بھی لگواتے ہیں۔ کاروبار میں ہاتھ لگوالیا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ ہمیں یہ دکھارہے ہیں کہ ہاتھی شیر وغیرہ کو بغیر کاروبار کے پالتے ہیں۔

تو ایٹم بم انسان کی سب سے بڑی طاقت ہے۔ ایٹمی طاقت سے بڑی طاقتیں اللہ تعالیٰ نے بنائیں۔ زمین، آسمان، سورج، چاند یہ بڑی طاقتیں ہیں۔ لیکن اِن سے بڑی طاقت فرشتے۔ فرشتے زمین و آسمان سے بھی بڑی طاقت رکھتے ہیں۔ حضرت اسرافیل علیہ السلام کی پھونک سے زمین و آسمان ٹوٹتے ہیں۔ تو بتایئے کہ حضرت اسرافیل علیہ السلام کے سردار اور تمام فرشتوں کے سردار حضرت جبرئیل علیہ السلام کی کتنی بڑی طاقت ہے۔ تمام فرشتوں سے زیادہ طاقت حضرت جبرئیل علیہ السلام کی اور اس سے بڑی طاقت بھی اللہ تعالیٰ نے بنائی ہے، اور وہ طاقت ہے انسان۔

۱۸۔ انسان سب سے بڑی طاقت ہے

انسان کو اللہ تعالیٰ نے اپنا خلیفہ بنایا اور فرشتوں کو اس کے آگے جھکایا تو یہ انسان فرشتوں سے بھی بڑی طاقت ہے، بشرطیکہ یہ انسان خدا کی طاقت کو اپنے ساتھ کر لے۔ اور خدا کی طاقت انسان کے ساتھ کب ہوگی؟ جب یہ خدا کی خلافت والے کام کرے، یعنی خدا کی بات مانے۔ اگر یہ انسان اللہ تعالیٰ کی بات کو مانے تو پھر یہ انسان فرشتوں سے بھی بڑی طاقت ہے۔ صرف آدم علیہ السلام کے سامنے فرشتے نہیں جھکے بلکہ اگر خدا کے حکم کی تعمیل ہم اور تم کریں گے تو فرشتے بعد میں بھی خدمت میں لگے ہوں گے۔

آدمی مسجد میں نماز کے لئے انتظار کرے تو فرشتے کی ذمہ داری یہی ہے کہ وہ خدا سے یہ کہے کہ "اے خدا اس انسان کو معاف کر، اس پر رحم کر۔" انسان جب اللہ تعالیٰ کے دین کو سیکھنے سکھانے کے لئے نکلے تو فرشتے اس کے لئے پر بچھاتے ہیں اور اپنی پرواز کو روک لیتے ہیں اور تمام فرشتے زمین و آسمان اس کے لئے دعا کرتے ہیں:

فیصلّون علیٰ معلمون فاصی الخیر۔

اور اگر کسی مسلمان سے ملنے کے لئے نکلو گے تو فرشتے آپ کو رخصت کریں گے اور واپسی تک مغفرت مانگتے رہیں گے۔

جب اللہ کی طاقت انسان کے ساتھ ہوگئی تو وہ فرشتوں سے بھی زیادہ طاقت والا بنا، کیونکہ خدا کی طاقت اُس کے ساتھ ہوگئی۔

۱۹۔ انسان بے قیمت کب بنتا ہے؟

اگر انسان نے اللہ کے حکم کو نہ مانا اور نافرمان بنا تو پھر یہ فرشتوں سے تو کیا دوسری تمام مخلوقات کی طاقت سے بھی چھوٹی طاقت بلکہ کچھ نہیں بنے گا اور بے قیمت ہو جائے گا اور جانوروں سے بھی زیادہ ذلیل و خوار ہوگا۔

اُولٰئِکَ کَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ. (سورۃ الاعراف آیت ۱۷۹ پارہ ۹)

"جانوروں سے زیادہ بدتر یہ انسان بنے گا۔"

اگر اللہ کی بات مانتا ہے تو فرشتوں سے بھی آگے اور اگر اللہ کی بات نہیں مانتا تو جانوروں سے پیچھے۔ اور یہ انسان جب اللہ کی بات مانے گا تو پھر اللہ کے خزانوں کے ساتھ کنکشن ہوگا۔ فرشتے صرف بدر میں نہیں اُترے، فرشتے تو ہر وقت اترتے ہیں۔ جہاں کہیں بھی اللہ کی عظمت بیان کی جاتی ہو تو فرشتے وہاں پر جمع ہو جاتے ہیں۔

فرشتوں نے بھی بات کو مانا اور انسانوں نے بھی بات کو مانا۔ فرشتے تو رات دن عبادت کرتے ہیں اور ہزاروں سال سے عبادت کرتے ہیں اور انسان صرف ساٹھ، ستر سال عبادت کرتا ہے۔ لیکن اس کے باوجود کسی فرشتے کو جنت کی ایک نعمت نہیں ملے گی۔ اور کسی فرشتے کو جنت کی ایک حور نہیں ملے گی۔ اور اس انسان کو بہت بڑی جنت اللہ تعالیٰ دیں گے۔ اس کی وجہ کیا ہے؟ فرشتے جو عبادت کرتے ہیں، اُن کو کوئی مجاہدہ نہیں کرنا پڑتا۔ نہ تھکن، نہ نیند، نہ بھوک، نہ بیوی، نہ بچے، نہ پاخانہ، نہ کاروبار و گھر۔ کوئی نہیں۔ ان کو تو کام صرف بات کو ماننا ہے۔ مجاہدہ نہیں۔ اور انسان جب اللہ

کی بات کو مانے گا تو بغیر مجاہدے کے نہیں مانے گا۔ اسے طبیعت کے خلاف کرنا پڑتا ہے اور اسی مجاہدے کی وجہ سے انسان فرشتوں سے بھی آگے بڑھ جاتا ہے۔

۲۰۔ انسان کی عظمت وترقی کا راز اس کا مجاہدہ ہے

انسان کی عظمت وترقی کا راز اس کا مجاہدہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں میں صرف ایک بات رکھی ہے اور وہ ہے بات کا ماننا۔ دوسری بات ان میں ہے ہی نہیں۔ صرف ایک طاقت ہے، بات کو مانو، نہ ماننے کی طاقت اس میں خدا نے نہیں رکھی۔

اور انسان میں اللہ تعالیٰ نے دو طاقتیں رکھی ہیں۔ بات کے ماننے کی بھی طاقت اور بات کے نہ ماننے کی بھی طاقت رکھی ہے۔ جب یہ انسان اللہ کی بات کو مانے گا تو نہ ماننے والی طاقت کو دبائے گا اور اس کا نام مجاہدہ ہے اور اس سے یہ اللہ کے قریب ہو جاتا ہے اور یہاں تک کہ فرشتوں سے بھی آگے بڑھ جاتا ہے۔ طبیعت کے خلاف اللہ کے حکموں پر قدم اُٹھانا، یہ اس کی ترقی کا راز ہے۔ تو اللہ پاک ظاہر کے خلاف اس کی مدد فرماتے ہیں۔ فجر کی نماز نیند کے قربان کئے بغیر آدمی نہیں پڑھ سکتا۔ زکوۃ مال کے قربان کئے بغیر نہیں دے سکتا۔ کوئی کام بغیر قربانی کے ہو نہیں سکتا۔ جب اللہ کی بات کو مانے گا تو بغیر قربانی کے اور بغیر مجاہدے کے یہ آدمی اللہ تعالیٰ کی بات کو مان ہی نہیں سکتا۔ تکلیف اٹھائے بغیر، دین کا کام کوئی بھی ہو، آدمی نہیں کرسکتا۔ اور اس مجاہدے پر اللہ تعالیٰ نے یہ ساری نعمتوں کا وعدہ کیا

ہے۔ ساری ترقی مجاہدات پر ہے۔

وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا ط وَ اِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِیْنَ.

(سورۂ عنکبوت آیت ۶۹ پارہ ۲۱)

اللہ کی نسبت پر تکلیفوں کا اٹھانا یہ انسان کی ترقی ہے۔ خواہ مخواہ کی تکلیف اٹھانے سے کوئی ترقی نہیں ہوگی۔ خواہ مخواہ آدمی سردی برداشت کرے، خواہ مخواہ آدمی گرمی برداشت کرے، یہ کوئی ترقی نہیں۔ ترقی تو اس تکلیف سے ہوگی اور ترقی اُس تکلیف کے اٹھانے میں ہے جو اللہ کے حکموں کے مطابق ہو۔ اُس کے اندر اس انسان کے لئے ترقی ہے اور ہر آدمی کا الگ الگ مجاہدہ ہوتا ہے۔

۲۱۔ ایک صحابی رضی اللہ عنہ کا قصہ

حضرت عبداللہ ابن عمر ابن عاص رضی اللہ عنہما کی شادی ہوئی اور حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو عبادت کرتے کرتے خدا سے اتنا تعلق ہو چکا تھا کہ عبادت کو چھوڑنا اُن کے لئے مجاہدہ تھا۔ یعنی عبادات، تلاوت، روزہ اور دوسرے مجاہدات کرنے میں بڑا لطف آتا تھا۔ اور اتنا لطف آتا تھا کہ ان کو چھوڑنا یا کم کرنا اُن کے لئے سخت مجاہدہ تھا۔ جب شادی ہوگئی، بیوی کو چھوا تک نہیں اور بیوی کی طرف کوئی توجہ نہیں ہوئی۔ ان کی بیوی سے ایک دن ان کے باپ نے پوچھا کہ میرے بیٹے کو کیسے پایا؟ کہا، بہت اچھے ہیں۔ ساری رات عبادت کرتے ہیں اور کھڑے کھڑے ساری رات گزارتے ہیں۔ اور اس میں اشارہ کیا کہ مجھے چھوا تک نہیں۔ میرے قریب ابھی تک نہیں آیا۔

حضرت عبداللہ کے باپ عمرو ابن عاص رضی اللہ عنہ نے جا کر رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دی کہ میرا بیٹا ایسا کرتا ہے۔

رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے بلایا اور پوچھا۔ انہوں نے ساری بات بتا دی اور ان کا خیال تھا کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم اس عمل کو سراہیں گے۔ لیکن رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اس مجاہدے کو کم کرو۔ روزے کم رکھو، رات کو زیادہ مت جاگا کرو اور سویا بھی کرو، بیوی کے پاس بھی جایا کرو، کھانا بھی کھایا کرو۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے مجاہدے کو کم کرواتے تھے اور یہ کم کرنا ان کے لئے مجاہدہ تھا۔ کیونکہ عبادت و ریاضت میں انہیں اتنا لطف آتا تھا کہ چھوڑنا تو درکنار کم بھی نہیں کر سکتے تھے۔

تو مجاہدہ ہی ترقی کا راز ہے اور مجاہدہ کی نوعیت بدل جاتی ہے۔ ترقی انسان کی مجاہدہ میں ہے۔

۲۲۔ خدا کے اصول کے مطابق مجاہدات کرنا ہے

مجاہدہ انسان خود تجویز نہ کرے بلکہ خدا کے اصول کے مطابق مجاہدات کرے اور یہ جتنے احکامات آئے، یہ سب قیامت تک کے لئے اصول ہیں۔ اللہ کے دین کا تقاضا اس پر آئے گا جو دین کے کام کو اپنا کام بنائے، جس کے ذہن میں یہ بات ہو کہ میں دین کے کام کے لئے پیدا ہوا ہوں اور بھیجا گیا ہوں۔ کیونکہ نبیوں کا آنا بند ہو چکا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس امت کو منتخب کیا ہے اور اس کام کے لئے بھیجا ہے۔ دین کے تقاضوں کو پورا کرنے

کے لئے اس امت کو اللہ نے دنیا میں بھیجا ہے۔

اور حضرت ربیع ابن عامر رضی اللہ عنہ کا یہ جملہ ہے مبعوث ہونے والا انہوں نے رستم زماں کے دربار میں کھڑے ہو کر کہا:

اللّٰہ بعثنا لنخرج العباد من عبادة العباد الٰی عبادت رب الرّحمٰن و لنخرج الناس من جور الادیان الٰی عدل الاسلام و من فریق الدنیا الٰی صراطها.

''اللہ نے ہمیں بھیجا ہے تاکہ بندوں کو بندوں کی غلامی سے نکال دیں اور اللہ کی غلامی میں داخل کر دیں۔ اور مختلف قسم کے مظالم سے نکالیں اور اسلام کے صف میں داخل کر دیں اور دیا کی تنگی سے نکال کر دنیا کی فراخی میں داخل کریں۔'' تو ایسے آدمی کے سامنے دین کے تقاضے آئیں گے۔

تبوک، بدر، خندق، اُحد کے تقاضے اس وجہ سے آئے کہ دین کے کام کو اپنا تقاضا بنایا اور اگر وہ دین کے کام کو اپنا تقاضا نہ بناتے تو نہ بدر کا تقاضا ہوتا نہ احد کا اور نہ خندق کا تقاضا ہوتا۔

یہ سارے واقعات اس لئے ہوئے کہ انہوں نے دین کے کام کو اپنا تقاضا بنایا، اور اپنا کام بنایا۔ دورِ صدیقی میں صحابہ رضی اللہ عنہم نے دین کے کام کو اپنا کام بنایا۔ ان کے سامنے دین کے تقاضے آئے۔ دورِ فاروقی میں دین کے تقاضے آئے۔ ہر زمانے میں دین کے تقاضے آئے۔ کیونکہ انہوں نے دین کے کام کو اپنا کام بنایا اور جو کھانے کمانے کو کام بنائیں، پھر دین کے تقاضے اس کے سامنے کہاں آئیں گے۔ بلکہ اس کو تو سمجھ میں بھی نہیں آئیں گے کہ دین کے بھی کوئی تقاضے ہوا کرتے ہیں۔ تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے دین کے

کام کو اپنا کام بنایا تو اللہ کی طرف سے ان کو دین کے تقاضے آئے اور ان تقاضوں میں بعض موقعوں پر صحابہ رضی اللہ عنہم کو کمانے کا وقت نہیں ملا اور فاقے مقدر میں تھے تو فاقے میں رہے۔

۲۳۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کا سب سے زیادہ دین کے تقاضوں کو پورا کرنا

صحابہ رضی اللہ عنہم پر دین کے تقاضے اتنے آئے کہ انہوں نے طے کر دیا کہ فاقے برداشت کریں گے لیکن اللہ کے دین کے تقاضوں کو نہیں چھوڑیں گے۔ دین کے تقاضے اتنے تھے کہ سب بھوکے رہتے تھے۔ بھوک کے مارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نکلے۔ بھوک کے مارے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نکلے۔ بھوک کے مارے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نکلے اور سب حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے باغ میں گئے۔

انہوں نے کھجوریں لا کر سامنے رکھیں۔ بڑے خوش ہوئے۔ اور بکری کا بچہ ذبح کیا اور پکایا۔ گوشت روٹی سامنے رکھی۔ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے گوشت کی ایک بوٹی روٹی پر رکھ کر یوں فرمایا کہ اسے فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر دے آؤ۔ اسے تین دن سے کھانے کو کچھ نہیں ملا ہے۔

بیوی کا حق ادا کرنا رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم خود بتانے والے تھے اور ان کی بیٹی پر تین دن کا فاقہ اور کہیں پر یہ نہیں ملتا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یوں فرمایا ہو کہ قرآن کی کھلی آیتیں بیوی کا حق ادا کرنے کے لئے ہیں۔ لیکن علی! تو نے میری بیٹی کو اتنے فاقے میں رکھا کہ چکی خود پیستی ہے، مشکیزہ پانی کا خود

اٹھاتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یوں نہیں کہا بلکہ فاطمہ رضی اللہ عنہا ایک خادم لینے کے لئے تشریف لائی تو بجائے خادم دینے کے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے تسبیحیں بتا دیں اور خادم نہیں دیا۔ حالانکہ بہت سے خادم و غلام آئے تھے۔

حضرت علی اللہ کے دین کے تقاضوں کو پورا کرنے میں اتنے مصروف تھے کہ انہیں کاروبار کا وقت نہیں ملا۔ سستی کی بناء پر نہیں اور نہ کمزور تھے۔ حضرت علی بہت طاقتور تھے۔ اتنے طاقتور کہ خیبر کے ایک دروازے کو جس کو چالیس آدمی اٹھا سکیں، اکیلے حضرت علی نے اٹھا کر پھینک دیا۔ اتنے طاقتور تھے کہ اتنے بھاری دروازے کو اکیلے اٹھا کر پھینکتے ہیں۔ تو کاروبار نہیں کر سکتے تھے؟ ضرور کر سکتے تھے، لیکن وقت نہیں تھا کاروبار کرنے کا۔

حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں یہ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ وہ کاروبار کرنا نہیں جانتے تھے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے مال پر تجارت کر کے اور زیادہ نفع کما کر یہ دکھا دیا کہ نبی کاروبار کرنا بھی جانتے تھے۔ بکریاں چرانا عملاً کیا۔ چاہے نبوت سے پہلے ہی ہو لیکن کام تو کیا ہے اور کرنا اچھی طرح جانتے تھے۔ مگر تقاضے دین کے اتنے تھے کہ کاروبار کرنے کا وقت نہیں ملتا تھا اور فاقے گزارتے تھے لیکن دین کا کام کرتے تھے۔ خدا کے دین کے تقاضوں پر کھڑے ہوئے اور مقدر میں فاقہ تھا، کاروبار کا وقت نہیں ملا۔ اس فاقے کو برداشت کیا اور خدا کے دین کے تقاضوں کو کاروبار پر قربان نہیں کیا بلکہ کاروبار کو دین کے تقاضوں پر قربان کیا۔ آج اگر کوئی کسی کو کہہ دے کہ دین کا کام کرو تو وہ کہتا ہے کہ میرے پاس وقت نہیں، کیونکہ میرے کاروبار

بہت ہیں، الجھنیں بہت ہیں، وقت نہیں ملتا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی اگر کوئی کہتا کہ اہلیہ پر فاقہ ہے، کاروبار کرو تو ان کی زبان یہ بتا رہی تھی کہ ٹھیک ہے لیکن دین کے تقاضے اتنے ہیں کہ میرے کو کاروبار کرنے کی فرصت نہیں ملی۔

لیکن جب حد درجہ فاقہ پہنچا، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا فاقہ زیادہ ہوا اور حضرت امام حسین اور حسن دودھ پیتے، یہاں تک کہ ماں کی چھاتی میں دودھ بھی نہیں ملا اور بکری کا دودھ بھی نہیں ملا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ مزدوری کرنے کے لئے تشریف لے گئے اور ایک مٹھی بھر کھجوریں حاصل ہو گئیں۔

شدید ضرورت کے پیش نظر کاروبار کیا۔ باغ میں مزدوری کے لئے گئے۔ باغ والے نے کہا کہ ایک ڈھول پر ایک کھجور۔ حضرت علی راضی ہوئے اور کام کیا۔ مٹھی کھجوروں سے بھری، چلے آئے۔

باغ والے نے کہا کہ میرا کام تو نہیں بنا۔

فرمایا، تیرا کام بنے یا نہ بنے میرا کام تو بن گیا۔

تین دن کے فاقے کے بعد یہ کھجوریں۔ تین دن کا انتظام تو ہو گیا۔

باغ والے نے کہا کہ اب اگر ڈھول کھینچو تو ایک ڈھول پر دو کھجوریں دوں گا۔ مزدوری بڑھا دی۔ لیکن حضرت علی نے فرمایا کہ نہیں چاہئے۔ ڈبل مزدوری مل رہی ہے لیکن فرمایا کہ نہیں کرتا۔

مقصد دین کا کام تھا۔ کاروبار گھر کی ضرورت کی چیزیں تھیں۔ دین قربانی سے زندہ ہوگا اور دنیا کے اندر امن و امان آئے گا۔ اگر دینداری آ جائے تو دنیا کی ساری پریشانیاں اللہ تعالیٰ ختم فرمائیں گے۔ رحمتوں کا برسنا،

برکتوں کا آنا، دلوں کے اندر چین کا آنا، یہ سب دینداری پر منحصر ہے اور دینداری بغیر جان و مال کی قربانی کے نہیں آسکتی۔ دین کی بنیاد قربانی ہے۔

آج لوگوں کے ذہن میں دور فاروقی رہتا ہے کہ انہوں نے کسی کو پانچ ہزار، کسی کو دس ہزار، کسی کو بارہ ہزار دیا اور دین کا کام لوگ کرتے تھے۔ تو دورِ فاروقی پھلوں کا زمانہ ہے۔ دورِ نبوی اور دورِ صدیقی یہ جڑ بنیاد کا زمانہ ہے۔ جڑ بنیاد کے زمانے میں مال کو بنیاد بنا کر دین کا کام نہیں کیا بلکہ دین کا کام قربانیاں دینے پر کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ملک و مال آیا کہ حد سے زیادہ آیا۔ اب انہوں نے بیٹھ کر مشورہ کیا کہ اس کا کیا کیا جائے، تو وہ ترتیب مشورہ سے قائم کر دی۔ مال دے کر دین کا کام نہیں کرایا بلکہ قربانیوں سے دین کا کام کیا تو مال آیا۔ پھر اس ملک و مال کو بھی دین کے تقاضوں پر قربان کیا۔

دین کو اگر دنیا کے اندر لانا ہے تو دورِ نبوی اور دورِ صدیقی نمونہ بنے گا۔ دین کی جڑ بنیاد کا دور نبوی اور صدیقی دور ہے۔ کہیں ذہن میں یہ سوال نہ ہو کہ مال تو تھا ہی نہیں تو دیتے کہاں سے؟ یہ کہنا بھی غلط ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو پیش کش ہے کہ مکہ کے پہاڑ کو سونا چاندی اور ہیرے بنا دیں اور اللہ تعالیٰ کے لئے یہ آسان تھا، کوئی مشکل کام نہیں تھا۔ لیکن حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے انکار کیا۔ حالانکہ آخر اللہ کی طرف سے ہے اور بالکل حلال کا مال ہے، حرام کا بھی نہیں۔ مگر رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم یہ سمجھتے تھے کہ اگر مکہ کے پہاڑ سونا چاندی بنے اور پھر لوگوں کو سونا چاندی کاٹ کاٹ کر دے دیں اور دین کا کام لیں تو پھر دین کے اندر وہ طاقت نہیں

رہے گی جس سے اللہ کی طاقت ساتھ ہو۔ رسول پاک ﷺ نے یہ منظور نہیں کیا اور فرمایا کہ ایک دن کھانا ملے گا تو کھا کر شکر کروں گا اور دین کا کام کروں گا۔ دوسرے دن اگر کھانا نہ ملے تو صبر کروں گا اور دین کا کام کروں گا اس لئے کہ رسول پاک ﷺ قیامت تک کے لئے یہ بنیاد قائم کر رہے ہیں کہ اگر یہ سونا چاندی بن جاتا اور کاٹ کاٹ کر لوگوں کو دیتے اور ان سے دین کا کام لیتے تو پھر لوگ دین کا کام سونا چاندی کے لئے کرتے، اللہ کے لئے نہ کرتے۔ پھر دین میں وہ طاقت نہ ہوتی جس کے سامنے قیصر وکسریٰ کی طاقتیں زیر ہو گئیں۔

۲۴۔ دین میں طاقت اللہ کی نسبت سے آتی ہے

دین میں طاقت اللہ کی نسبت سے آتی ہے۔ اگر سونا چاندی دے کر دین کا کام کروایا تو پھر دین اللہ کے لئے نہ ہوگا۔ تو پھر دین میں اللہ کی طاقت نہ ہوگی۔ اس بناء پر رسول پاک ﷺ نے فاقوں پر، تنگی ترشیوں پر دین کا کام خود بھی کیا اور صحابہ رضی اللہ عنہم کو بھی ایسی حالت میں کرنے پر کھڑا کر دیا۔ قانونی طور پر کسی کو کچھ دینا نہیں تھا۔ اخلاقی طور پر جتنا ہو سکتا، لوگ کرتے تھے۔ کسی غریب کا ذہن مالدار کی طرف نہیں جاتا تھا۔ غریب یہ کہتا ہے کہ پتے چبا کر دین کا کام کروں گا۔ غریب کو کھلانا ضابطے میں نہیں تھا، اخلاقی طور پر تھا۔ اور اخلاقی طور پر تو پورا قرآن و حدیث کہتا ہے کہ اَنْفِقُوْا خرچ کرو۔ خرچ کرو لیکن قانونی طور پر ایسا نہیں تھا۔

۲۵۔ پورے قرآن وحدیث میں دو باتیں ہیں

پورے قرآن وحدیث میں دو باتیں ہیں۔ کچھ احکامات تو قانونی ہیں اور کچھ احکامات وہ ملیں گے جو اخلاقی ہیں۔ قانونی احکامات کو آجکل کی اصطلاح میں سمجھو، فتویٰ۔ اور اخلاقی احکامات کو آجکل کی اصطلاح میں سمجھو، تقویٰ۔ فتویٰ وتقویٰ۔ ایک ہوتا ہے حدود شریعت بارڈر اور ایک ہوتا ہے مزاج شریعت۔ مزاجِ شریعت سادگی ہے۔ شریعت کا مزاج تقوے کی لائن کا مزاج ہے۔ دنیا کے اندر اگر دین پھیلے گا تو وہ اخلاق سے پھیلے گا۔ اور فتویٰ تو حدودِ شریعت بتائے گا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں باوجودیکہ مال بے انتہا آیا لیکن حضرت عمر نے سادگی پر سب کو باقی رکھا۔ یہاں تک کہ ایک دفعہ بیٹے نے دعوت کی اور گوشت میں گھی ڈالا تو حضرت عمر نے کھانے سے انکار کر دیا کہ میں نہیں کھاؤں گا۔ اس لئے کہ دو سالن جمع ہو گئے ہیں۔ جہاں دو سالن ہوں گے وہاں عمر نہیں ہوگا۔

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ پانی مانگا۔ شہد ملا کر دیا گیا تو آپ نے انکار کر دیا اور رونے لگے کہ جب پانی سے ضرورت پوری ہوتی ہے تو شہد کیوں ملایا گیا۔ یہ تھی تقویٰ والی لائن... مزاجِ شریعت... ایک دسترخوان پر چار سالن جمع ہو گئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ اسے حرام نہیں سمجھتے تھے اور نہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اسے حرام کہتے تھے اور نہ یہ بات قرآن کے خلاف ہے۔ لیکن حرام کی حدود سے نکل کر حلال کے بارڈر پر آجانا یہ اس کے لئے نمونہ ہے

جو حرام میں ہو۔ اور جو پہلے سے حلال میں ہو، وہ حلال کے بارڈر سے نکل کر درمیان میں آ جائے۔ فتوے سے ہٹ کر تقوے کی طرف آ جائے۔ درمیان میں رہے گا تو حرام کے اندر مبتلا ہونے کا خطرہ نہیں ہوگا۔ اور اگر حلال کے بارڈر پر رہا تو خطرہ ہے کہ کہیں حلال کے بارڈر کو کراس کر کے حرام کے اندر چلا جائے۔ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ

الحلال بینٌ و الحرام بینٌ و بینھما مشتبھاتٌ۔ (حدیث نبوی)

جانور اگر تمہارے کھیت میں چرتا ہے اور درمیان میں چرے تو تمہارے کھیت میں رہے گا اور اگر کھیت کے کنارے چلا جائے تو خطرہ ہے کہ کسی دوسرے کے کھیت میں چلا نہ جائے۔ تو وہ دورِ صدیقی اور دورِ فاروقی تقوے والا دور ہے۔ مزاجِ شریعت والا دور ہے۔ پیسہ کتنا ہی ہو لیکن زندگی سادہ۔ اور جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انتقال فرمایا تو چھیاسی ہزار کا قرضہ اُن پر تھا اور بیٹے کو ادا کرنے کی وصیت کی۔

دورِ صدیقی اور دورِ فاروقی مزاجِ شریعت کو بتاتا ہے۔ سادگی کو بتاتا ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زمانے میں بیشک مکانات پکے بن گئے، مسجدِ نبوی پکی بن گئی۔ کھانا لوگوں کا بڑھیا بن گیا، مگر ان کی زندگی بذاتِ خود سیدھی سادی تھی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کوفے میں ہیں اور ایک چادر میں ہیں اور سردی سے ٹھٹھر رہے ہیں۔ کسی نے کہا کہ حضرت! بڑے بڑے کمبل آئے ہیں، ان میں سے ایک لے لو۔

فرمایا: ”جو چادر میں نے لی ہے وہ بھی مدینہ سے آئی ہے۔ اجتماعی مال کو میں نہیں لوں گا۔“

اجتماعی مال کو وہ لوگ لینا بہت بُرا سمجھتے تھے۔ جیسے یتیم کا مال ہو۔ اجتماعی مال اپنی ذات پر لگانا وہ لوگ بہت بُرا سمجھتے تھے جیسے یتیم کا مال ہو۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے ایک بچی آئی تو پوچھا: "یہ کس کی بچی ہے جو اتنی کمزور ہے۔"

صاحبزادوں نے کہا: "حضرت آپ کی بچی ہے۔"

فرمایا: "یہ کیوں اتنی کمزور ہوگئی؟

کہنے لگے: "آپ کی وجہ سے، آپ زیادہ تنگی کرتے ہیں۔"

فرمایا: "اپنی کمائی سے اس کا علاج کرو۔ اس انتظار میں مت رہنا کہ اجتماعی مال سے دوں گا۔" منع کر دیا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ و عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے میں مکان پکے بنے۔ کھانا بڑھیا بنا، کیونکہ قیامت تک اسلام کو چلنا ہے۔ بارڈر بھی بتانا ضروری ہے، ورنہ اگر چاروں خلفاء ایک بات پر آجاتے کہ بالکل سادہ زندگی ہونی چاہئے تو نئے نئے خوشحال قسم کے لوگ مسلمان بنتے تو بیچارے پریشان ہو جاتے اور یہ لوگ اسلام سے محروم ہو جاتے، اس لئے بارڈر کا بتانا بھی ضروری تھا۔

رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم یہ ارشاد فرما گئے کہ

علیکم بسنتی وسنۃ خلفاء راشدین۔ (حدیث نبوی)

تم لوگ میری سنت کو مضبوطی سے پکڑو اور میرے بعد خلفاء راشدین کے طریقے کو مضبوطی سے پکڑو۔

رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ اصل زمانہ ہے۔ سارے نبیوں کا زمانہ بطورِ تمہید کے ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ بطورِ اصل ہے اور خلفاء راشدین کا زمانہ

بطورِ تتمہ ہے۔ اب قیامت تک جو بھی ہمیں کرنا ہوگا، اس کے لئے تمہید تو نبیوں کا دور ہوگا کہ باپ کو کیسے دعوت دیں؟ جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دی۔ بیٹے کو کیسے دعوت دیں؟ جس طرح حضرت نوح علیہ السلام نے دی۔ قوموں کو کیسے دعوت دیں؟ سارے نبیوں نے بتایا۔ یہ بطور تمہید کے ہے۔

جو کوئی بڑا آتا ہے اور آنے والا ہوتا ہے تو چھوٹے پہلے آتے ہیں۔ کوئی روحانی یا جسمانی لائن کا بڑا جب اُس کا آنا ہوتا ہے تو کتنے مہینوں سے پہلے اس کا انتظام ہوتا ہے۔ اس کے بعد وہ بڑا تھوڑے وقت کے لئے آتا ہے اور پھر چلا جایا کرتا ہے اور پھر بعد والے اس کی ترتیب دیا کرتے ہیں۔ ایک بہت بڑے نبی آنے والے تھے اور اُن کی آمد سے پہلے سارے نبیوں کو بھیجا اور اطلاع دی۔ وَ اِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ.
یہ معاہدہ لیا گیا کہ نبی آنے والے ہیں کیا تم اُن کی بات مانو گے۔

۲۶۔ تمام انبیاء کرام علیہم السلام سے ایک معاہدہ لیا گیا تھا

کہ آخری زمانے میں ایک نبی آنے والے ہیں کیا تم اُن کی بات مانو گے؟ کیا تم ان کا اقرار کرو گے؟ تو سب نے اس کا اقرار کیا اور قیامت تک آنے والوں کو یہ بات بتادی کہ نبیوں کے مقابلے میں آنے والے بڑے طاقت اور مال والے تباہ و برباد ہوئے اور نبیوں کی بات ماننے والے کمزور قسم کے لوگ کامیاب ہو گئے۔ یہ بات قیامت تک کے لئے بتادی اور پھر

وہ بڑے نبی آگئے اور انہوں نے زمانے کے اندر قیامت تک کے لئے ترتیب قائم فرما دی اور ۶۳ سال کے بعد تشریف لے گئے۔ آگے خلفاء راشدین کا دور آیا اور اس کو تتمہ کے طور پر رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے بتا دیا۔

اس لئے چاروں خلفاء کا جو دور ہوگا، اس میں اصول الگ الگ ہوں گے اور سب کی ضرورت ہے۔ دور صدیقی، دورِ فاروقی یہ تو بتاتا ہے، مزاجِ شریعت اور تقوے کا بتاتا ہے اور دورِ عثمانی اور علی فتوے کو بتاتا ہے۔ یعنی حدودِ شریعت کو قیامت تک کے لئے بتا دیا کہ اگر پکا مکان بناتا ہے تو اس کے اندر ریا و نمود وغیرہ نہ ہو، اور کوئی شرعی اصول کے خلاف نہ ہو۔ تو پکا مکان بنانا جائز ہے، پکی مسجد بنانا جائز ہے، کئی قسم کے کھانے کھانا جائز ہے، بڑھیا کھانا اور بڑھیا کپڑا استعمال میں لانا جائز ہے۔

لوگوں کو حرام کی حد سے لاتا ہے۔ اُسے حلال کی حد بتاتا ہے۔ یکدم اگر کسی کو درمیانِ تقویٰ میں لائیں گے تو وہ تنگ ہو جائے گا، پریشان ہو جائے گا۔ ہم لوگوں کو تو مزاجِ شریعت پر رہنا، اور جو نئے قسم کے لوگ آئیں گے، پہلے اُن بیچاروں کو حدودِ شریعت پر لاؤ اور دھیمے دھیمے۔ پھر آگے بڑھتے رہیں گے۔ پھر وہ سادگی پر آتے رہیں گے۔ اور سادگی کے بارے میں ہم یکدم سے نہیں کہتے۔ اگر سادگی کے بارے میں یکدم سے کہیں تو پھر برداشت سے باہر ہوگی۔

جب مدینہ کے کھیتوں سے غلّہ آیا اور برکت والی کھیتیاں بن گئیں تو رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مدینے والو یہ زمین تم واپس لے لو۔ اللہ نے برکت دے دی۔ کہنے لگے کہ حضرت یہ زمینیں تو اُن ہمارے بھائیوں کو

دے دو جو گھر چھوڑ کر مکہ سے آئے ہیں۔ تو حضرت نے فرمایا کہ جو ہری بھری زمین تم ان کو دے رہے ہو تو جو زمین تم نے ان کو پہلے دی تھی وہ واپس لے لو۔ مدینے والوں نے کہا کہ حضرت جو معاہدہ منیٰ پر ہم نے تم سے کیا تھا، وہ زمینوں کے لئے نہیں کیا تھا بلکہ جنت کے لئے کیا تھا۔ آپ تو ہم کو جنت دلوا دیں۔ ہمیں ہری بھری زمینیں نہیں چاہئیں اور ہمیں ہماری دی ہوئی زمینیں بھی نہیں چاہئیں۔ اس طور سے جب یہ عوامل زندہ ہوں گے تو پورے عالم کے اندر امن و امان آئے گا۔

۲۷۔ دینی زندگی کے بغیر مسلمان کی حیثیت

اسلام اور دینی زندگی کے بغیر مسلمان ایسے ہیں جیسے دکان کے بغیر تاجر۔ آج کا مسلمان دنیا میں ہے لیکن بغیر اسلام اور دینی زندگی کے ہے۔ اسلام کا فائدہ مسلمانوں کو نہیں مل رہا۔ اسی بناء پر پوری دنیا اُلجھی ہوئی ہے۔ وہ اسلامی زندگی پہلے زندگیوں میں آجائے تو پھر دعوت کے قابل ہوں گے۔ آج دنیا پریشان ہے۔ کسی کی بھی خواہ وہ کتنا بڑا ہو، نہ جان محفوظ ہے، نہ مال محفوظ ہے، نہ آبرو محفوظ ہے، اور راستہ تلاش کر رہے ہیں۔ اسی پریشانی کو دور کرنے کے لئے پوری دنیا نجات کا راستہ تلاش کر رہی ہے۔ وہ راستہ مسلمانوں کے پاس موجود ہے، لیکن کتابوں کے اندر ہے۔ مسلمانوں کی عملی زندگی میں نہیں ہے۔ بجائے نفوس کے نقوش میں ہے۔ اس لئے پوری دنیا پریشان ہے۔ پوری دنیا کی پریشانیوں کا حل اور جہنم کی آگ سے بچنے کا حل رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا پاکیزہ طریقہ ہے، جسے صحابہ رضی اللہ عنہم نے اپنی زندگیوں کے

اندر چالو کر دیا اور امن و امان پوری دنیا کے اندر قائم کر دیا۔

آج بھی اگر پورے عالم کو یہ پاکیزہ طریقہ دکھا دیں تو کوئی لڑنے کو تیار نہیں ہوگا۔ اور ہمیں کسی سے لڑنا نہیں۔ ہمارا کوئی اصلی دشمن نہیں ہے۔ ہمارا اصلی دشمن تو شیطان ہے۔

۲۸۔ اصلی دشمن ہمارا نفس و شیطان ہے

یہ یہود و نصاریٰ، ہندو، عیسائی، سکھ، یہ ہمارے اصلی دشمن نہیں ہیں۔ ہمارا اصلی دشمن شیطان و نفس ہیں۔ یہ جتنے غیر مسلم ہیں یہ ہمارے اصلی دشمن نہیں ہیں بلکہ وقتی طور پر یہ شیطان کے نرغے میں آئے ہوئے ہیں تو اس لئے ہمارے دشمن بنے ہوئے ہیں۔ ورنہ اصلی دشمن کوئی نہیں۔ یہ آج بھی اگر اس پاکیزہ طریقہ کو قبول کریں تو ہمارے بھائی ہیں۔ وقتی طور پر ہماری اولاد بھی دشمن ہو سکتی ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَ اَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ.

(سورۃ تغابن آیت ۱۴ پارہ ۲۸)

ہمارے بچے بھی دشمن بن سکتے ہیں۔ ہماری اولاد بھی وقتی طور پر دشمن ہو سکتی ہے۔

لیکن اصل دشمن ہمارا شیطان و نفس ہے۔ اور اسی دشمن کی وجہ سے آج پوری دنیا پریشان ہے۔ اس پاکیزہ طریقہ کی طرف یہ دشمن انسان کو آنے نہیں دیتا اور انسان کو ذلیل و خوار اور بے قیمت بناتا ہے۔ اور سب سے بے قیمت آج انسان بن چکا ہے، کیونکہ اس سے انسانیت نکل چکی ہے اور وہ

پاکیزہ طریقہ نکل چکا ہے۔ اگر یہ پاکیزہ طریقہ دوبارہ انسان میں آجائے تو پبلک بھی چین سے رہے گی، غریب بھی چین سے رہے گا، مالدار بھی چین سے رہے گا اور پھر جوق در جوق لوگ اسی پاکیزہ طریقہ کے اندر داخل ہوتے چلے جائیں گے۔

إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ

پھر جوق در جوق لوگ اِس پاکیزہ دین میں داخل ہوں گے۔



توبہ کی ضرورت اور اہمیت

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

رجوع الی اللہ اور توبہ کی اہمیت اور فضیلت

''حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ جل شانہ کا ارشاد ہے کہ میں اپنے بندے کے گمان کے ساتھ ہوں (میرے بارے میں جو گمان کرتا ہے ویسا ہی کرونگا اور میں اپنے بندہ کے ساتھ ہوں جہاں بھی وہ مجھے یاد کرتا ہے) پھر حضور ﷺ نے فرمایا کہ اللہ کی قسم اسمیں شک نہیں کہ اپنے بندہ کی توبہ سے اللہ تعالیٰ اس سے بھی زیادہ خوش ہوتے ہیں جب تم میں سے کسی کا سامان سواری وغیرہ جنگل میں بیابان میں گم ہو جائے اور پھر اُسکو پالے، (نیز اللہ جل شانہ کا ارشاد ہے کہ) جو شخص میری طرف ایک بالشت قریب ہوتا ہے میں اسکی طرف ایک ہاتھ قریب ہو جاتا ہوں اور جو شخص میری طرف ایک ہاتھ قریب ہوتا ہے میں اس کی طرف چار ہاتھ قریب ہو جاتا ہوں اور جب وہ میری طرف متوجہ ہو کر پاؤں سے (معمولی چال سے) چلتا ہوا آتا ہے تو میں اسکی طرف دوڑتے ہوئے متوجہ ہو جاتا ہوں۔'' (بخاری و مسلم)

اہلِ ایمان کیلئے چند بشارتیں

اس حدیث میں اہلِ ایمان کیلئے چند بشارتیں ہیں ایک تو یہ کہ اللہ جلّہ شانہٗ نے فرمایا کہ میں بندہ کے گمان کے ساتھ ہوں لہٰذا جب وہ یہ گمان کرے گا اور امید رکھے گا کہ اللہ تعالیٰ مجھے ضرور معاف فرما دیں گے اور دنیاوی آفتوں اور مصیبتوں سے اور آخرت کے عذابوں سے محفوظ فرما دیں تو اللہ تعالیٰ اسکی امید اور گمان کے مطابق ضرور معاملہ فرمائیں گے، بندہ کی امید اور گمان کو ضائع نہ فرمائیں گے درحقیقت یہ بہت بشارت ہے، امید باندھنے اور اچھا گمان رکھنے

میں، تو کچھ بھی خرچ نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ بہت بڑے مہربان ہیں۔ امید اور گمان پر کتنی بڑی عنایت اور مہربانی کی خوش خبری دی ہے، کوئی ہو تو سہی جو اللہ کی طرف بڑھے البتہ یہ بات ضروری ہے کہ محض امید سے کام نہ چلائے، نیکیاں کرتا رہے اور گناہوں سے بچتا رہے کیونکہ دوسری حدیث میں وارد ہوتا ہے کہ:۔ ''بے وقوف وہ ہے جو اپنے نفس کو اس کی خواہشوں کے پیچھے لگائے رکھے اور اللہ تعالیٰ سے امیدیں رکھتا ہے''۔ (ترمذی شریف)

دوسری بشارت جو اس حدیث میں ہے وہ یہ ہے کہ اللہ جل شانہ نے فرمایا کہ میں بندہ کے ساتھ ہوں جہاں بھی وہ مجھے یاد کرے، اللہ کی معیت بہت بڑی دولت ہے اور اسکا کیف وہی بندے محسوس کرتے ہیں جو زبان سے اور دل سے اللہ کی یاد میں مشغول رہتے ہیں، اللہ کا ساتھ ہونا کتنی بڑی نعمت ہے ذرا اس کو غور کرو۔ دنیا میں اگر کسی کے ساتھ پولیس کا کوئی معمولی عہدیدار بھی ہو تو وہ اپنے دل میں کتنی قوت محسوس کرتا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ کسی آدمی کی طرف سے مجھے تکلیف پہنچے گی تو یہ میری مدد کریگا۔ اللہ کی معیت کا مزہ ان ہی لوگوں سے پوچھو جن کو ذکر کی حضوری حاصل ہے اور جو اپنے احوال واشغال میں اللہ پاک کی طرف متوجہ رہتے ہیں۔

تیسری بشارت دیتے ہوئے یہ ارشاد فرمایا کہ جو کوئی اللہ پاک کی طرف تھوڑا سا بھی بڑھتا ہے اللہ تعالیٰ اسکی طرف اس سے کئی گنا زیادہ بڑھ جاتے ہیں یعنی اپنی آغوش رحمت میں لے لیتے ہیں۔ سمجھانے کیلئے بالشت اور ہاتھ اور چار ہاتھ کی مثال ذکر فرمائی ہے۔

چوتھی بشارت یوں دی کہ اللہ جل شانہ کی طرف کوئی معمولی رفتار سے چلے تو اللہ جل شانہ اسکی طرف دوڑ کر پہنچ جاتے ہیں۔ یہ بھی بطور مثال ہے اللہ پاک کی مہربانی اور توجہ اور شان کریمی کو ان الفاظ میں بیان فرمایا۔ بلا مثال اس کو یوں سمجھ لو جیسے کوئی بچہ ہو اس نے نیا نیا چلنا شروع کیا ہو اور گرتا پڑتا چلتا ہو اسکو کوئی اپنی طرف بلائے اور وہ دو چار قدم چلے تو بلانے والا جلدی دوڑ کر اسے اپنی گود میں لے لیتا ہے اور شاباشی دیتا ہے۔

پس اے مومنو! اللہ کی طرف بڑھو اس کی رحمت سے کبھی ناامید نہ ہو، توبہ کرتے رہو

استغفار میں لگے رہو اور برابر ذکر اللہ میں لگے رہو۔ حدیث بالا میں یہ بھی ارشاد فرمایا کہ اللہ جل شانہ کو بندہ کو توبہ کرنے سے اس شخص کی خوشی سے بھی زیادہ خوشی ہوتی ہے جو لق ودق جنگل بیابان میں ہو اس کی سواری اور کھانے پینے کا سب سامان گم ہو جائے اور ہر طرف دیکھ بال کر نا امید ہو کر یہ سمجھ کر لیٹ جائے کہ اب تو مرنا ہی ہے، اور ایسے میں اچانک اس کی سواری سامان کے ساتھ اس کے پاس پہنچ جائے اس شخص کو جو خوشی ہوگی وہ بیان سے باہر ہے۔ جب کوئی بندہ توبہ کرتا ہے تو اللہ جل شانہ کو اس شخص کی خوشی سے بڑھکر خوشی ہوتی ہے، یہ بھی اللہ تعالیٰ کی خاص شان کریمی ہے۔

توبہ کی حقیقت اور اس کا طریقہ

حضرت عبداللہ بن معقلؒ فرماتے ہیں کہ میں اپنے والد کے ساتھ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے خدمت میں حاضر ہوا، ان سے میرے والد نے دریافت کیا کہ آپ نے حضور ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ نادم ہو جانا توبہ ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ ہاں میں نے یہ بات رسول اللہ ﷺ سے سنی ہے۔ (مستدرک حاکم)

تشریح:...... گناہ بندوں سے ہو جایا کرتے ہیں۔ اور گناہ ہو جانا مومن سے بعید نہیں ہے، لیکن گناہ ہو جائے تو ندامت سے پانی پانی ہو جائے اور سچے دل سے پشیمان اور شرمندہ ہو کہ ہائے یہ کیا ہوا؟ یہ اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے اور یہ توبہ جزو اعظم ہے، انسان اپنی حقیر ذات پر نظر کرے اور یہ سوچے کہ اللہ میرا خالق اور مالک ہے اس نے مجھے وجود بخشا، طرح طرح کی نعمتوں سے نوازا اعضاء وجوارح دیئے، مال عطا فرمایا، پھر میں نے اسکی نعمتوں کو فرمانبرداری کی بجائے گناہوں میں لگا دیا، یہ کتنی بڑی ناشکری، ناسپاسی اور احسان فراموشی ہے۔

بار بار اللہ کی عظمت وکبریائی کا مراقبہ کرے اور اپنی ذات کو بھی سوچے کہ میں کیا ہوں۔ اور کس چیز سے پیدا ہوا ہوں۔ اپنے خالق ومالک کی سرکشی اور نافرمانی مجھے کسی طرح زیبا نہیں۔ ہائے مجھ حقیر وذلیل سے اللہ کی نافرمانی ہوگئی، میں گناہ میں ملوث ہو گیا۔ بار بار سوچے

اور دل میں شرمندہ اور پشیمان ہو۔

ندامت اور پشیمانی توبہ کا جزو اعظم اس لئے ہے کہ جب سچی ندامت ہوگی تو اس کے اثرات بھی ظاہر ہونگے اور توبہ کے باقی جو دو جزو ہیں ان پر بھی بہ آسانی عمل ہو سکے گا۔ ندامت کے ساتھ نہایت پختہ ارادہ کے ساتھ یہ طے کرلے کہ آئندہ گناہ نہ کرونگا۔ اور جو کچھ ہو چکا ہے یعنی حقوق اللہ اور حقوق العباد ضائع کئے ہیں ان کی تلافی کروں گا اور زیادہ حق تلفی ہوئی ہو تو بقدر امکان تلافی شروع کردے اور ادائیگی ہونے تک تلافی میں لگا رہے تو یہ حقیقی توبہ ہے۔ صرف زبان سے توبہ توبہ کرنے سے توبہ نہیں ہو جاتی خوب سمجھ لیں۔

نماز پڑھ کر دعا مانگنے سے اللہ بخش دے گا

حضرت علیؓ نے فرمایا کہ مجھ سے حضرت ابوبکر صدیقؓ نے بیان کیا اور سچ بیان کیا کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو کوئی شخص کوئی گناہ کر بیٹھے پھر خوب اچھی طرح پاکی حاصل کرے (یعنی صحیح طریقے پر وضو کرے اور غسل فرض ہو تو غسل بھی کرلے) پھر نماز پڑھے، پھر اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرے تو اللہ تعالیٰ ضرور اس کو بخش دے گا اس کے بعد آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی...... "والذین اذا فعلوا فاحشۃ الآیہ"۔ (ترمذی وابن ماجہ)

تشریح:۔ توبہ کے اصلی جزو تو وہی تین ہیں جو گزشتہ حدیث کے ذیل میں گزر چکے یعنی

۱۔ جو گناہ ہو چکے ان پر سچے دل سے شرمندگی اور ندامت

۲۔ آئندہ کو گناہ نہ کرنے کا پختہ عہد۔

۳۔ جو حقوق اللہ و حقوق العباد تلف کئے ہیں ان کی تلافی کرنا۔

اس طرح توبہ کرلی جائے تو ضرور قبول ہوتی ہے لیکن اگر ان امور کے ساتھ بعض اور چیزیں بھی ملالی جائیں تو توبہ اور زیادہ اقرب الی القبول ہو جاتی ہے۔ مثلاً نیکیوں کی کثرت کرنے لگے یا کسی بڑی نیکی کا اہتمام زیادہ کرے۔

حدیث شریف میں ہے کہ ایک شخص حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا

کہ یارسول اللہ ﷺ! میں نے بہت بڑا گناہ کرلیا، کیا میری توبہ قبول ہوگی؟ آپ ﷺ نے فرمایا کیا تیری والدہ موجود ہے؟ عرض کیا نہیں! فرمایا تیری کوئی خالہ ہے؟ عرض کیا ہاں خالہ ہے! فرمایا بس تو اسکے ساتھ حسن سلوک کر۔ (ترمذی شریف)

اس سے معلوم ہوا کہ والدہ اور خالہ کے ساتھ حسن سلوک کرنے کو توبہ قبول کرانے میں بہت دخل ہے۔ نماز پڑھکر توبہ کرنے کی جو تعلیم فرمائی وہ بھی اسی لئے ہے کہ نماز بہت بڑی چیز ہے، دو چار رکعت پڑھکر توبہ کی جائے تو زیادہ لائق قبول ہوگی۔ (اگرچہ توبہ کے نفلوں کے بغیر بھی توبہ قبول ہوسکتی ہے۔)

حدیث بالا میں جو آیت کا کچھ حصہ ذکر کیا ہے وہ سورہ آل عمران کی آیت ہے پوری آیت اس طرح سے ہے:

"والذین اذا فعلوا فاحشة او ظلموا انفسهم ذکروا الله

فاستغفروا لذنوبهم ومن یغفر الذنوب الا الله

ولم یصروا علی ما فعلوا وهم یعلمون ☆

ترجمہ:...... اور ایسے لوگ کہ جب کوئی ایسا کام کرگزرتے ہیں جس میں زیادتی ہو یا اپنی ذات پر نقصان اُٹھاتے ہیں تو اللہ کو یاد کرلیتے ہیں پھر اپنے گناہوں کی معافی چاہنے لگتے ہیں اور اللہ تعالی کے سوا اور ہے کون جو گناہوں کو بخشتا ہو اور وہ لوگ اپنے فعل پر اصرار نہیں کرتے اور وہ جانتے ہیں۔

اسکے بعد ان حضرات کا اجر و ثواب بیان فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا:۔

اولئك جزاؤهم مغفرة من ربهم وجنت تجری من تحتها الانهر

خالدین فیها ونعم اجر العملین۔

ترجمہ:۔ ان لوگوں کی جزا بخشش ہے ان کے رب کی طرف

سے اور ایسے باغ ہیں کہ ان کے نیچے سے نہریں جاری ہوں گی
ان میں وہ ہمیشہ رہنے والے ہوں گے اور اچھا بدلہ ہے ان
کام کرنے والوں کا"۔

اس آیت کریمہ میں جو یہ ارشاد فرمایا کہ "ومن یغفر الذنوب الا اللّٰہ" (اور کون ہے اللہ تعالیٰ کے سوا جو گناہوں کو بخشتا ہو) اس میں نصاریٰ کی واضح تردید ہے جو یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ پادری کے معاف کردینے سے گناہ معاف ہوجاتے ہیں۔

آیت بالا میں یہ بھی فرمایا کہ "ولم یصروا علی ما فعلوا وھم یعلمون" (اور وہ لوگ اپنے فعل پر اصرار نہیں کرتے اور وہ جانتے ہیں) اس میں اس پر تنبیہہ فرمائی ہے کہ گناہ پر اصرار کرنا یعنی بار بار گناہ کرنا سخت مواخذہ کی بات ہے۔ استغفار اور توبہ کرنا لیکن گناہ کو نہ چھوڑنا اس بات کی دلیل ہے کہ توبہ سچی نہیں ہے۔ سچی توبہ میں یہ شامل ہے کہ پختہ ارادہ ہو کہ اب گناہ کبھی ہرگز نہ کروں گا توبہ کرنے کے بعد پوری ہمت کے ساتھ گناہوں سے پرہیز کرے۔

اور یہ بھی جان لینا چاہئے کہ جس طرح توبہ کے بھروسہ پر گناہ کرنا حرام ہے اسی طرح یہ سمجھ کر توبہ میں دیر لگانا کہ چونکہ مجھ سے پکی توبہ نہیں ہوتی اس لئے ابھی گناہ کرتا رہوں پھر بڑھاپے میں توبہ کرں گا یہ اپنے نفس پر بہت بڑا ظلم ہے۔ نفس اپنے مزہ کے لئے اور شیطان اپنی دشمنی کی وجہ سے توبہ کرنے سے روکتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آئندہ توبہ کرلینا۔ ان دونوں دشمنوں کی بات کبھی نہ مانے اور آئندہ کا کیا پتہ ہے کہ کتنی زندگی ہے موت کب آجائے۔ بے توبہ مرگیا تو عذاب میں مبتلا ہونا پڑے گا۔ یہاں کے معمولی مزہ کو نہ دیکھے، نفس کو آخرت کے عذاب کا مراقبہ کرائے اور وہاں کی آگ اور دوسرے عذابوں کا یقین دلائے

اور جلد سے جلد توبہ کرلے۔

توبہ تو پختہ ہی ہو' ہاں بالفرض اگر پھر گناہ ہوجائے تو پھر توبہ کرلے اور اس مرتبہ بھی پکی ہی توبہ ہو' اگر چند بار ایسا ہوا تو انشاء اللہ تعالیٰ گناہ بالکل ہی چھوٹ جائیں گے۔

گناہ پر ندامت اور سچے دل سے پشیمانی اور آئندہ کو گناہ نہ کرنے کا پختہ عزم اور ارادہ یہی توبہ ہے اور اس کے لوازم میں سے یہ بھی ہے کہ حقوق اللہ اور حقوق العباد کی تلافی کرے۔

حقوق اللہ اور حقوق العباد کی تلافی

جو چیزیں حقوق اللہ یا حقوق العباد میں سے اپنے ذمہ لازم ہوں ان کی تلافی کرنا بھی توبہ کا ایک اہم جزو ہے۔ بہت سے لوگ توبہ کرلیتے ہیں لیکن اس جزو کی طرف متوجہ نہیں ہوتے حالانکہ اس کے بغیر توبہ' حقیقی توبہ نہیں ہوتی۔ حقوق ادا نہ کرنا اور توبہ زبانی کرکے مطمئن ہوجانا اپنے نفس پر ظلم ہے اور آخرت کے عذاب سے نڈر ہونا ہے۔ حقوق کی تلافی کی تفصیل اور طریق کار ہم ذیل میں لکھتے ہیں :

حقوق اللہ کی ادائیگی

حقوق اللہ کی ادائیگی کا مطلب یہ ہے کہ بالغ ہونے کے بعد سے جن فرائض کو ترک کیا ہو اور جن واجبات کو چھوڑا ہو ان کی ادائیگی کی جائے۔ نماز روزہ' زکوۃ' حج وغیرہ سب کی تلافی کرنا لازم ہے۔

قضانمازیں

زندگی میں جو نمازیں قصداً یا سہواً چھوٹ گئی ہوں یا مرض اور سفر وغیرہ میں رہ گئی ہوں (حالانکہ نماز کسی بھی حال میں چھوڑنا سخت گناہ ہے) ان سب کو اہتمام سے ادا کرنا لازم ہے اور ان کی ادائیگی کا طریقہ یہ ہے کہ یوں حساب لگائے کہ جب سے میں بالغ ہوا ہوں میری کتنی نمازیں چھوٹی ہوں گی؟

ان نمازوں کا اس قدر اندازہ لگائے کہ دل گواہی دیدے کہ اس سے زیادہ نہیں ہوں گی' پھر ان سب نمازوں کی قضا پڑھے۔ عوام میں یہ جو مشہور ہے کہ جمعۃ الوداع یا کسی اور دن یا رات میں قضا عمری کے نام سے دو رکعت پڑھنے سے سب چھوٹی ہوئی نمازیں ادا ہوجاتی ہیں بالکل غلط ہے۔

قضا نماز کے لئے کوئی وقت مقرر نہیں ہے' بس یہ دیکھ لے کہ سورج نکلتا چھپتا نہ ہو اور زوال کا وقت نہ ہو' سورج نکل کر جب ایک نیزہ بلند ہوجائے تو قضا نمازیں اور نوافل سب پڑھنا جائز ہوجاتا ہے اور نماز فجر کے بعد اور نماز عصر کے بعد بھی قضا پڑھنا درست ہے۔ البتہ جب سورج غروب ہونے سے پہلے آفتاب میں زردی آجائے اس وقت قضا نہ پڑھے۔

ہر ایک دن کی پانچ فرض نمازیں اور تین رکعت نماز وتر یعنی کل بیس رکعت بطور قضا پڑھ لے اور یہ بھی معلوم ہونا چاہئے کہ لمبے سفر میں (جو کم از کم اڑتالیس میل کا ہو) جو چار رکعت والی نمازیں قضا ہوئی ہوں ان کی قضا دو ہی رکعت ہے جیسا کہ سفر میں دو ہی رکعت واجب تھیں اگرچہ گھر میں ادا کر رہا ہو۔

اور یہ بھی سمجھ لیں کہ ضروری نہیں کہ جو نمازیں قضا ہوئی ہوں تعداد میں سب برابر ہوں کیونکہ بعض لوگ نمازیں پڑھتے بھی رہتے ہیں چھوڑتے بھی

رہتے ہیں۔ بہت سے لوگ سفر میں نماز نہیں پڑھتے عام حالات میں پڑھ لیتے ہیں اور بہت سے لوگ مرض میں نماز چھوڑ بیٹھتے ہیں۔ کچھ لوگوں کی فجر کی نماز زیادہ قضا ہوجاتی ہے' کچھ لوگ عصر کی نمازیں زیادہ قضا کردیتے ہیں۔ پس جو نماز جس قدر قضا ہوئی ہو اس کا زیادہ سے زیادہ اندازہ لگاکر وہ نماز پڑھ لی جائے۔

عوام میں جو یہ مشہور ہے کہ ظہر کی قضا نماز ظہر ہی میں پڑھی جائے اور عصر کی نماز عصر ہی میں پڑھی جائے یہ درست نہیں ہے۔ جس وقت کی جس وقت چاہیں ادا کرسکتے ہیں اور ایک دن میں کئی کئی دن کی نمازیں بھی ادا ہوسکتی ہیں۔ اگر قضا نمازیں پانچ سے زیادہ ہوجائیں تو ترتیب واجب نہیں رہتی جو نسی نماز پہلے پڑھ لی درست ہوجائے گی' مثلاً اگر عصر کی نماز پہلے پڑھی لی اور ظہر کی بعد میں پڑھی تو اس طرح بھی ادائیگی ہوجائے گی۔

بہت سے لوگ نفلوں کا اہتمام کرتے ہیں اور برس ہا برس کی قضا نمازیں ان کے ذمہ ہیں ان کو ادا نہیں کرتے' یہ بہت بڑی بھول ہے۔ نفلوں اور غیر موکدہ سنتوں کی جگہ بھی قضا نمازیں ہی پڑھ لیا کریں اور ان کے علاوہ بھی قضا نمازوں کے لئے وقت نکالیں اگر پوری قضا نمازوں کے ادا کئے بغیر موت آگئی تو موآخذہ کا سخت خطرہ ہے۔

جب نمازوں کی تعداد کا بہت احتیاط کے ساتھ اندازہ لگالیا تو چونکہ ہر نماز کثیر تعداد میں ہے اور دن تاریخ یاد نہیں اس لئے حضرات فقہائے کرام نے آسانی کے لئے یہ طریقہ بتایا ہے کہ جب بھی کوئی نماز پڑھنے لگے تو یوں نیت کرلیا کرے کہ میرے ذمہ (مثلاً) ظہر کی جو سب سے پہلی فرض نماز ہے اس کو اللہ کے لئے ادا کرتا ہوں' جب بھی نماز ظہر ادا کرنے لگے اسی طرح نیت کرلیا کرے اور دیگر نمازوں میں بھی اسی طرح نیت کرے ایسا کرنے سے ترتیب قائم

رہے گی کیونکہ اگر کسی کے ذمہ ظہر کی ایک ہزار نمازیں قضا تھیں تو ہزارویں نماز (ابتدا کی جانب) سب سے پہلی نماز تھی اور اس کو پڑھنے کے بعد اس کے بعد والی سب سے پہلی ہوگی۔ اور جب تیسری بھی پڑھ لی جائے گی تو اس کے بعد والی سب سے پہلی ہوگی۔ اس کو خوب سمجھ لو۔

زکوٰۃ کی ادائیگی

اسی طرح زکوۃ کے بارے میں خوب غور کریں کہ مجھ پر کتنی زکوۃ فرض ہے یا نہیں؟ اور اگر فرض ہوئی ہے تو ہر سال پوری ادا ہوئی ہے یا نہیں؟ جتنے سال کی زکوۃ بالکل ہی نہ دی ہو یا کچھ دی ہو اور کچھ نہ دی ہو ان سب کا اس طرح اندازہ لگائے کہ دل گواہی دیدے کہ اس سے زیادہ مال زکوۃ کی ادائیگی مجھ پر واجب نہیں ہے پھر اسی قدر مال زکوۃ مستحقین زکوۃ کو دیدے۔ خواہ ایک ہی دن میں دیدے خواہ تھوڑا تھوڑا کر کے دیدے' اگر مقدور ہو تو جلد سے جلد سب کی ادائیگی کردے ورنہ جس قدر ممکن ہو ادا کرتا رہے اور پختہ نیت رکھے کہ پوری ادائیگی زندگی بھر کردوں گا اور جب بھی مال میسر آجائے ادائیگی میں کوتاہی نہ کرے اور دیر نہ لگائے۔

صدقہ فطر بھی واجب ہے اور جو کوئی نذر مان لے تو وہ بھی واجب ہوجاتی ہے۔ ان میں سے جس کی بھی ادائیگی نہ کی ہو اس کی ادائیگی کرے۔

واضح رہے کہ گناہ کی نذر ماننا گناہ ہے اور اس کا پورا کرنا بھی گناہ ہے۔ اگر ایسا کوئی واقعہ ہو تو علما سے اس کا حکم معلوم کرلیں۔

روزوں کی قضا

اسی طرح روزوں کا حساب کرے کہ بالغ ہونے کے بعد سے فرض روزے جو چھوڑے ہیں یا سفریا مرض کی وجہ سے چھوٹے ہیں ان سب روزوں کا حساب کر کے سب کی قضا رکھے (قضا رکھنے کے مسائل علما سے معلوم کرلیں) عورتوں کے ساتھ ہر مہینے والی مجبوری لگی ہوئی ہے۔ اس مجبوری کے زمانہ کو عام طور سے ماہواری کے دن کہتے ہیں۔ ان دنوں میں شرعاً نماز پڑھنا' روزہ رکھنا جائز نہیں ہے۔ شریعت نے ان دنوں کی نمازیں بالکل ہی معاف کردی ہیں لیکن ان دنوں میں جو فرض روزے چھوڑ دیئے جاتے ہیں بعد میں ان کی قضا رکھنا فرض ہے لیکن بہت سی عورتیں اس میں کمزوری دکھاتی ہیں اور بعد میں مذکورہ روزوں کی قضا نہیں رکھتیں جس کی وجہ سے بہت سی عورتوں پر کئی کئی سال کے روزوں کی قضا لازم ہوجاتی ہے۔ خوب صحیح اندازہ کر کے جس سے یقین ہوجائے کہ زیادہ سے زیادہ اتنے روزے ہوں گے ان سب کی قضا رکھ لیں۔ بالغ ہونے کے بعد سے اب تک جتنے بھی روزے فرض خواہ کسی بھی وجہ سے رہ گئے ہوں سب کی قضا رکھے۔ مرد ہو یا عورت سب کو ان کی ادائیگی لازم ہے۔

حج بیت اللہ کی ادائیگی

حج بھی بہت سے مردوں اور عورتوں پر فرض ہوجاتا ہے لیکن حج نہیں کرتے جن پر حج فرض ہو یا پہلے کبھی ہوچکا تھا اور مال کو دوسرے کاموں میں لگادیا وہ حج کرنے کی فکر کریں جس طرح ممکن ہو اس فریضے کا بوجھ اپنے ذمہ سے ساقط کردیں۔

اگر کسی پر حج فرض ہوا اور اس نے حج نہیں کیا اور اتنی زیادہ عمر ہوگئی کہ سخت مرض یا بہت زیادہ بڑھاپے کی وجہ سے حج کے سفر سے عاجز ہو اور موت

تک سفر کے قابل ہونے کی امید نہ ہو تو ایسا شخص کسی کو بھیج کر اپنی طرف سے حج بدل کرادے۔

اگر زندگی میں نہ کرا سکے تو وارثوں کو وصیت کردے کہ اس کے مال سے حج کرائیں' لیکن اصول شریعت کے مطابق وصیت صرف ۱/۳ (ایک بٹا تین) مال میں جاری ہو سکتی ہے۔ ہاں اگر بالغ ورثا اپنے حصہ میں سے بخوشی مزید دینا گوارا کریں تو ان کو اختیار ہے۔

حقوق العباد کی تفصیل اور ان کی ادائیگی کا اہتمام

توبہ کے لوازم میں سے یہ بھی ہے کہ حقوق العباد کی تلافی کرے اور حقوق العباد کی تلافی کا مطلب یہ ہے کہ بندوں کے جو حقوق واجب ہوں ان سب کی ادائیگی کرے اور یہ حقوق دو قسم کے ہیں :

اول مالی حقوق' دوسرے آبرو کے حقوق۔

مالی حقوق : ------مالی حقوق کا مطلب یہ ہے کہ جس کسی کا تھوڑا بہت مال ناحق قبضہ میں آگیا ہو اسے پتہ ہو یا نہ ہو وہ سب واپس کردیں۔ مثلاً کسی کا مال چرایا ہو' ڈاکہ ڈالا ہو یا قرض لے کر مار لیا ہو (قرض دینے والے کو یاد ہو یا نہ ہو) یا کسی سے رشوت لی ہو یا کسی کے مال میں خیانت کی ہو یا کسی کی کوئی چیز مذاق میں لے کر رکھ لی ہو۔ (جب کہ وہ اس کے دینے پر اپنے نفس کی خوشی سے راضی نہ ہو) یا کسی سے سود لیا ہو تو اس طرح کے سب اموال واپس کردے۔ واپس کرنے کے لئے یہ بتانا ضروری نہیں ہے کہ میں نے آپ کی خیانت کی تھی ہدیہ کے نام سے دینے سے ہی ادائیگی ہوجائے گی۔

آبرو کے حقوق : ------- آبرو کے حقوق کی تلافی کا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی کو ناحق مارا ہو یا کسی کی غیبت کی ہو یا غیبت سنی ہو، گالی دی ہو، تہمت لگائی ہو، یا کسی بھی طرح سے کوئی جسمانی یا روحانی یا قلبی تکلیف پہنچائی ہو تو اس سے معافی مانگ لے۔ اگر وہ دور ہو تو اس کو عذر نہ سمجھے بلکہ خود جاکر یا خط بھیج کر معافی طلب کرے اور جس طرح ممکن ہو اس سے معافی مانگ کر اس کو راضی کرے۔ اگر ناحق مار پیٹ کا بدلہ مار پیٹ کے ذریعے دینا پڑے تو اسے بھی گوارا کرلے۔ البتہ غیبت کے بارے میں اکابر نے یہ لکھا ہے کہ اگر اس کو غیبت کی اطلاع پہنچ چکی ہو تو اس سے معافی مانگے ورنہ اس کے لئے بہت زیادہ مغفرت کی دعا کرے۔ جس سے یقین ہوجائے کہ جتنی غیبت کی تھی یا غیبت سنی تھی اس کے بدلہ اس کے لئے اتنی دعا ہوچکی ہے کہ اس دعا کو دیکھتے ہوئے وہ ضرور خوش ہوجائے گا اور غیبت کو معاف کردے گا۔

یہ بات دل میں بٹھالینا چاہئے کہ حقوق العباد توبہ سے معاف نہیں ہوتے ہیں اور یہ بھی سمجھ لیں کہ نابالغی میں نماز روزہ تو فرض نہیں ہے لیکن حقوق العباد نابالغی میں بھی معاف نہیں۔ اگر کسی لڑکے یا لڑکی نے کسی کا مالی نقصان کردیا تو وارث پر لازم ہے کہ بحیثیت ولی خود لڑکے لڑکی کے مال سے اس کی تلافی کرے۔ اگرچہ صاحب حق کو معلوم بھی نہ ہو۔ اگر ولی نے ادائیگی نہیں کی تو بالغ ہوکر خود ادا کریں یا معافی مانگیں۔

بہت سے لوگ ظاہری دینداری بھی اختیار کرلیتے ہیں زبانی توبہ بھی کرتے رہتے ہیں لیکن گناہ نہیں چھوڑتے، حرام کمائی سے باز نہیں آتے اور لوگوں کی غیبت کو شیرمادر سمجھتے ہیں اور ذرا بھی دل میں احساس نہیں ہوتا کہ ہم غیبتیں کررہے ہیں۔ پس اب دینداری کرتہ، ٹوپی اور داڑھی اور نماز پڑھنے کی حد تک

رہ گئی ہے۔ صرف زبانی توبہ کرنا اور گناہ نہ چھوڑنا اور حقوق اللہ و حقوق العباد کی تلافی نہ کرنا یہ کوئی توبہ نہیں۔ جو لوگ رشوت لیتے ہیں یا سود لیتے ہیں یا کاروبار میں فریب دے کر ناجائز طور پر پیسہ کھینچ لیتے ہیں ایسے لوگوں کا معاملہ بہت کٹھن ہے۔ کس کس کے حق کی تلافی کرنا ہے اس کو یاد رکھنا اور تلافی کرنا اور حقوق والوں کو تلاش کر کے پہنچانا پہاڑ کھودنے سے بھی زیادہ سخت ہے لیکن جن کے دل میں آخرت کی فکر اچھی طرح جاگزیں ہوجائے وہ بہرحال حقوق والوں کے حقوق کسی نہ کسی طرح پہنچا کر ہی دم لیتے ہیں۔

ہمارے ایک استاد ایک تحصیلدار کا قصہ سناتے تھے کہ جب وہ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے مرید ہوئے۔ اور دینی حالت سدھرنے لگی اور آخرت کی فکر نے ادائیگی حقوق کی طرف متوجہ کیا تو انہوں نے اپنی زمانہ تعیناتی میں جو رشوتیں لی تھی ان کو یاد کیا اور حساب لگایا۔ عموماً متحدہ پنجاب کی تحصیلوں میں وہ تحصیلداری پر مامور رہے تھے اور جن لوگوں سے رشوتیں لی تھی ان میں زیادہ تر سکھ قوم کے لوگ تھے۔ انہوں نے تحصیلوں میں جاکر مقدمات کی فائلیں نکلوائیں اور ان کے ذریعے مقدمات لانے والوں کے پتے لئے۔ پھر گاؤں گاؤں ان کے گھر پہنچے اور بہت سوں سے معافی مانگی اور بہت سوں کو نقد رقم دے کر سبکدوشی حاصل کی۔

ان تحصیلدار صاحب سے ہمارے استاد موصوف کی خود ملاقات ہوئی تھی اور انہوں نے اپنا یہ واقعہ ان کو خود سنایا تھا۔

حضرت شیخ الحدیث صاحب قدس سرہ نے اپنی آپ بیتی میں لکھا ہے کہ حضرت حکیم الامت قدس سرہ کے والد کی دو بیویاں تھیں اپنے والد کی وفات کے بعد انہیں خیال آیا کہ ان بیویوں کے مہر ادا نہیں ہوئے تھے دونوں بیویاں بھی

وفات پاچکی تھی، حضرت حکیم الامت قدس سرہ نے ان کے رشتہ داروں کا پتہ چلایا اور ان میں سے جس جس کو میراث پہنچتی تھی سب کو ان کا حق پہنچایا ان میں جو وفات پاگئے تھے ان کی اولاد کو تلاش کیا اور حق دیا۔ ان میں سے ایک بیوی کاندھلہ کی تھیں، ان کے کسی عزیز کے حساب میں دو پیسے نکلتے تھے، حضرت والا نے مجھے (یعنی حضرت شیخ کو) وکیل بنایا تاکہ ان کا حق پہنچاؤں اور حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمتہ اللہ علیہ کا ایک واقعہ یاد آگیا۔ وہ سفر میں کہیں تشریف لے جارہے تھے ساتھ میں سامان بھی تھا۔ آپ نے ریل کا ٹکٹ تو خرید لیا لیکن اسٹیشن کے اسٹاف سے کہا یہ سامان بھی میرے ساتھ ہے اس کو تول دو۔ انہوں نے کہا لے جایئے فکر نہ کیجئے، فرمایا تم چھوڑ دو گے آگے کیا ہوگا؟ انہوں نے کہا آگے جہاں آپ کو اترنا ہوگا ہمارا یہ ٹکٹ چیکر آپ کو گیٹ سے نکال دے گا، فرمایا اس کے بعد کیا ہوگا؟ کہنے لگے اس کے بعد اور کیا ہے؟ فرمایا، اس کے بعد آخرت ہے، اس خیانت کی گرفت سے وہاں کون چھڑائے گا، وہاں کے گیٹ سے کون پار کرائے گا؟

حضرت حکیم الامت رحمتہ اللہ علیہ کا ایک قصہ اور یاد آیا ایک مرتبہ کسی اسٹیشن پر رات کو (غالباً گاڑی کے انتظار میں ٹھہرنا پڑگیا) اسٹیشن ماسٹر نے جس کمرہ میں ٹھہرنے کو کہا اس میں اندھیرا تھا، اندھیرے سے وحشت ہوئی جی چاہا کہ روشنی ہو لیکن یہ خطرہ ہوا کہ یہ شخص ناجائز طور پر ریلوے کا لال ٹین نہ لے آئے، خطرہ گزرا ہی تھا کہ اس نے ملازم سے کہا کہ بھئی ان کے لئے ہمارے گھر سے لال ٹین جلاؤ، بات یہ ہے کہ جب فکر ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ کی مدد بھی ہوتی ہے۔

ایک سوال اور اس کا جواب

ممکن ہے بعض حضرات یہ سوال کریں کہ کچھ لوگ ایسے ہیں کہ انہوں نے حقوق تو مار لئے اور جو ہونا تھا ہو چکا اب ان کے پاس پیسے نہیں لہٰذا حقوق کس طرح ادا کریں اور بہت سے لوگوں کے پاس پیسے تو ہیں لیکن اصحاب حقوق یاد نہیں اور تلاش کرنے سے بھی نہیں مل سکتے۔ ان کو پہنچانے کا کوئی راستہ نہیں، اب یہ لوگ کیا کریں؟

اس کے بارے میں عرض ہے کہ اللہ تعالیٰ کی شریعت میں اس کا حل بھی موجود ہے اور وہ یہ کہ جو اصحاب حقوق معلوم ہیں ان سے جا کر یا بذریعہ خطوط معافی مانگیں اور ان کو بالکل خوش کردیں کہ جس سے اندازہ ہو جائے کہ انہوں نے حقوق معاف کر دیئے ہیں۔ اگر وہ معاف نہ کریں تو ان سے مہلت لے لیں۔ اور تھوڑا تھوڑا کما کر اور آمدنی میں سے بچا کر ادا کریں اور اگر ادائیگی سے پہلے ان میں سے کوئی فوت ہو جائے تو اس کی اولاد کو ہی باقی ماندہ حق پہنچادیں۔

اہل حقوق میں سے جو لوگ زندہ ہوں لیکن ان کا پتہ معلوم نہ ہو تو ان کی طرف سے ان کے حقوق کے بقدر مسکینوں کو صدقہ دیدیں جب تک ادائیگی نہ ہو صدقہ کرتے رہیں اور تمام حقوق والوں کے لئے خواہ مالی حقوق ہوں اور خواہ آبرو کے حقوق ہوں بہرحال دعائے خیر اور استغفار ہمیشہ پابندی سے کریں۔

آخرت میں حقوق العباد کا حساب

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کیا تم جانتے ہو مفلس کون ہے؟ صحابہؓ نے عرض کیا کہ ہم تو اسے مفلس سمجھتے ہیں جس کے پاس درہم (درہم اس زمانہ میں ایک سکہ تھا جو چاندی کا ہوتا تھا اس کا وزن پاؤ تولہ (یعنی تقریباً تین گرام یا تین ماشہ) کے قریب

تھا) نہ ہو اور مال نہ ہو۔ یہ سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بلاشبہ میری امت کا (حقیقی) مفلس وہ ہوگا جو قیامت کے روز نماز اور روزے اور زکوۃ لے کر آئے گا (یعنی اس نے نمازیں پڑھی ہوں گی اور روزے بھی رکھے ہوں گے زکوۃ بھی ادا کی ہوگی) اور (ان سب کے باوجود) اس حال میں (میدان حشر میں) آئے گا کہ کسی کو گالی دی ہوگی اور کسی کو تہمت لگائی ہوگی اور کسی کا ناحق مال کھایا ہوگا اور کسی کا ناحق خون بہایا ہوگا اور کسی کو مارا ہوگا (اور چونکہ قیامت کا دن فیصلے کا دن ہوگا) اس لئے اس شخص کا فیصلہ اس طرح کیا جائے گا کہ جس جس کو اس نے ستایا تھا اور جس جس کی حق تلفی کی تھی سب کو اس کی نیکیاں بانٹ دی جائیں گی۔ کچھ اس کی نیکیاں اس حقدار کو دی جائیں گی اور کچھ اس حقدار کو دے دی جائیں گی۔ پھر اگر حقوق پورا ہونے سے پہلے اس کی نیکیاں ختم ہو جائیں گی تو حق داروں کے گناہ اس کے سر ڈال دیئے جائیں گے پھر اس کو دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔ (مسلم شریف)

دوسری حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے اپنے کسی بھائی پر ظلم کر رکھا ہو کہ اس کی بے آبروئی کی ہو یا اور کچھ حق تلفی کی ہو تو آج ہی (اس کا حق ادا کر کے یا معافی مانگ کر) اس دن سے پہلے حلال کرالے جس روز نہ دینار ہوگا نہ درہم ہوگا (پھر فرمایا کہ) اگر اس کے کچھ اچھے عمل ہوں گے تو بقدر ظلم اس سے لے لئے جائیں گے اور اگر اس کی نیکیاں نہ ہوئیں تو مظلوم کی برائیاں لے کر اس ظالم کے سر کر دی جائیں گی۔ (بخاری شریف)

ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوا کہ صرف پیسہ کوڑی دبالینا ہی ظلم نہیں ہے بلکہ گالی دینا، تہمت لگانا، بے جا مارنا، بے آبروئی کرنا بھی ظلم اور حق

تلفی ہے۔ بہت سے لوگ سمجھتے ہیں کہ ہم دیندار ہیں مگر ان باتوں سے ذرا نہیں بچتے۔ یہ یاد رکھو کہ خدا اپنے حقوق کو توبہ واستغفار سے معاف فرمادیتا ہے مگر بندوں کے حقوق جب ہی معاف ہوں گے جب کہ ان کو ادا کردے یا اس سے معافی مانگ لے۔

اور یہ بھی واضح رہے کہ معافی وہ معتبر ہے جو معاف کرنے والا بالکل رضا ورغبت کے ساتھ اپنے نفس کی خوشی سے معاف کردے۔ دل کے اوپر اوپر کی معافی جو مروت میں کردی جائے یا یہ سمجھتے ہوئے کوئی شخص معاف کردے کہ ان کو دینا تو ہے ہی نہیں چلو ظاہری طور پر معاف ہی کردیں تاکہ تعلقات خراب نہ ہوں تو ایسی معافی کا کچھ اعتبار نہیں۔

احقر سے دہلی میں ایک صاحب نے دریافت کیا کہ میرے ذمہ بعض عزیزوں کا قرضہ تھا وہ انہوں نے معاف کردیا۔ تو کیا معاف ہوگیا؟

میں نے کہا جب انہوں نے معاف کردیا تو آپکے دل میں تردد کیوں ہے؟ آپ کے دل میں تردد کا ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ انہوں نے خوشی سے معاف نہیں کیا۔

پھر میں نے ان سے پوچھا کہ معاف کرنے کے بعد انہوں نے کسی سے اس بات کی شکایت تو نہیں کی کہ ہمارے پیسے فلاں شخص نے دبالئے؟ کہنے لگے ہاں! ایسا تو ہوا ہے۔ میں نے کہا معاف کردینے کے بعد شکایت کیوں کی، معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے یوں ہی اوپر اوپر سے معافی کے الفاظ کہہ دیئے تھے۔ نفس کی خوشی سے معاف نہیں کیا اور اس طرح کی معافی معتبر نہیں ہے لہٰذا آپ ان کا قرضہ ادا کرنے کیلئے فکر کریں۔

حقوق العباد کے بارے میں چند تنبیہات

۱۔ جس کسی نے اپنا مال تھوڑا ہو یا بہت خواہ کسی بھی جنس سے ہو کسی کے پاس حفاظت کے لئے رکھ دیا یہ مال اس کے پاس امانت ہے۔ اسے خوب اچھی طرح حفاظت سے رکھے اور امانت رکھنے والا جب مانگے تو دیدے۔ اگر دینے سے انکار کردیا اور وہ ہلاک ہوگئی تو اس کا ضمان لازم ہوگا۔

۲۔ امانت کی چیز اگر خرچ کرلے یا ہلاک کردے تب بھی ضمان لازم ہوگا۔

۳۔ اگر کوئی چیز کسی سے "عاریتاً" (مانگنے کے طور پر) لی' پھر ہلاک کردی تو اس کا بھی ضمان لازم ہوگا۔

۴۔ اگر کوئی مہمان یا گاہک گھر یا دوکان پر اپنی کوئی چیز بھول جائے تو وہ امانت ہے' اس کا خرچ کرلینا جائز نہیں۔ صاحب مال کے آنے کا انتظار کرے اور آنے جانے والوں سے بھی تلاش کروائے اور پتہ چلوائے کہ یہ شخص کہاں ہے؟ جب نا امیدی ہوجائے تو اس کی طرف سے صدقہ کرے لیکن اگر وہ کبھی آگیا اور صدقہ پر راضی نہ ہوا تو اس کی قیمت ادا کرنا واجب ہوگا اور صدقہ اپنی طرف سے ہوجائے گا۔

۵۔ اگر کوئی شخص کوئی گری پڑی چیز کہیں پالے تو مالک کو پہنچانے کی نیت سے اٹھاسکتا ہے اور اگر ضائع ہونے کا اندیشہ ہو تو اٹھانا واجب ہے' اٹھالینے کے بعد اعلان کرے کہ کسی کی کوئی چیز گری پڑی ہو تو لے لے' جس جگہ چیز ملی ہے اس کے قریب جو آبادیاں ہوں ان میں اعلان کرے اور اتنا عرصہ اعلان کرے کہ یقین ہوجائے کہ اب مالک نہیں آئے گا۔ اس کے بعد مالک کی طرف سے مستحقین زکوۃ کو صدقہ کردے اگر خود صاحب نصاب نہیں تو اپنے اوپر بھی خرچ کرسکتا ہے' لیکن ہر صورت میں اگر صاحب مال آگیا تو مال کی قیمت ادا کرنا لازم ہوگا اور صدقہ کا ثواب صدقہ کرنے والے کو مل جائے گا۔ جب کوئی چیز اٹھائے تو گواہ

بنالے کہ حفاظت کرنے کے لئے اور مالک تک پہنچانے کے لئے اٹھارہا ہوں' اگر اس جگہ گواہ نہ ملیں تو آبادی میں پہنچ کر گواہ بنالے کہ یہ چیز میں مالک تک پہنچانے کے لئے اٹھالایا ہوں' اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ لوگ چوری کرنے یا غصب کرنے کی تہمت نہ رکھیں گے۔ اگر کوئی ایسی چیز پڑی ملی یا کوئی شخص دوکان یا گھر پر چھوڑ کر چلا گیا' جو زیادہ دیر باقی نہیں رہ سکتی۔ جب خراب ہونے لگے تو اس کو صدقہ کردے زیادہ انتظار کی ضرورت نہیں البتہ اس سے پہلے اعلان جاری رکھے۔

۶۔ اگر کوئی شخص قرض دے کر بھول جائے یا لحاظ کی وجہ سے طلب نہ کرے یا گواہ نہ ہونے کی وجہ سے دعویٰ نہ کرسکے' یا کسی بھی طرح کسی کی کوئی چیز اپنے قبضہ میں آجائے اور صاحب مال کو اس کا علم ہو تب بھی اس کا پہنچانا اور ادا کرنا واجب ہے۔

۷۔ حکومتوں کے قانون کی آڑ لے کر کسی کا حصہ میراث دبالینا حرام ہے۔ نیز جسے شرعاً حصہ نہ پہنچتا ہو اس کو کسی حکومت کے قانون کی وجہ سے حصہ لینا بھی حرام ہے (مثلاً پوتے کو چچا کی موجودگی میں دادا کی میراث شرعاً نہیں پہنچتی مگر جو حکومتیں شریعت کے خلاف چلتی ہیں وہ دلادیتی ہیں) ان کے دلادینے سے لے لینا حلال نہ ہوگا۔

۸۔ اور کوئی شخص وفات پاگیا اور اس کا کوئی قرض کسی کی طرف ہے یا مرنے والے کا اور کوئی مال کسی طرح قبضہ میں آیا ہوا ہے۔ مثلاً اس نے امانت رکھی تھی یا چوری کرکے اس کا مال لے لیا تھا یا غصب کرکے لیا تھا تو اس کے وارثوں تک اس کا پہنچانا فرض ہے (جیسا کہ اس کی زندگی میں خود اس کو دینا فرض تھا)۔

۹۔ اوقاف کے مال اور عمارات سب امانت ہوتے ہیں۔ وقف کرنے والوں کی

شرطوں کے خلاف تصرف کرنا خیانت ہے' بہت سے لوگ جن کا اوقاف پر قبضہ ہوتا ہے ایسے لوگوں پر بھی اوقاف کا مال خرچ کردیتے ہیں جن پر واقف کی شرائط کے اعتبار سے خرچ کرنا جائز نہیں ہوتا یا اپنے ملنے والوں کو شرائط کے خلاف' اوقاف کی عمارتوں میں ٹھہرادیتے ہیں یا ان کو مختصر سے کرایہ پر دیدیتے ہیں' یہ سب حرام ہے اور خیانت ہے۔

۱۰۔ بعض لوگوں کے پاس وقف کا مکان کرایہ پر ہوتا ہے اور وہ پرانا کرایہ ہی دیتے رہتے ہیں' حالانکہ ہر دور میں وہی کرایہ دینا لازم ہے جو مکان کے مناسب حال ہو۔ اگر وقف کا ذمہ دار اس میں رعایت دے یا چشم پوشی کرے تب بھی کم کرایہ پر اکتفا کرنا حلال نہیں ہے' یہ دیکھ لیں کہ اس طرح کا مکان اگر کسی کی ملکیت میں ہوتا تو وہ کتنے کرایہ پر ملتا؟ اس کے موافق کرایہ پر دیں اور یہ بھی واضح رہے کہ ایک سال سے زیادہ کے لئے وقف کی زمین کرایہ پر دینا جائز نہیں۔ (تلک عشرۃ کاملۃ)

یہ چند مثالیں لکھ دی ہیں' غور کرنے سے اور بھی بہت سی صورتیں ایسی نکل آئیں گی جن میں امانت داری کی خلاف ورزی ہوتی ہے' اور ان میں عامتہ الناس مبتلا ہیں۔

ایک بہت بڑی خیانت

ایک بہت بڑی خیانت ٹیلیفون کے محکمہ میں کام کرنے والوں کی طرف سے شروع ہوگئی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ جن لوگوں کے گھروں اور دکانوں میں ٹیلیفون ہیں' خاص کر وہ لوگ جو شہر سے باہر یا ملک سے باہر ٹیلیفون کرنا چاہتے ہیں' ان سے آپریٹر کہہ دیتا ہے کہ آپ ماہانہ اتنی رقم دیں' پھر جتنی جگہ فون

کریں یا جتنی بار کریں آپ کو آزادی رہے گی اور کلی اختیار رہے گا۔ اس میں سراپا خیانت ہے۔ بہت بڑی خیانت ہے۔ آپریٹر اور ٹیلیفون کرنے والے سب خیانت کا ارتکاب کرتے ہیں اور محکمہ کی بڑی بڑی رقوم ہضم کر جاتے ہیں۔ ان کو موت کے بعد کا کوئی خیال نہیں۔

اصل بات یہ ہے کہ عام طور پر آخرت کی فکر ہی نہیں رہی' دل کی لگی بری ہوتی ہے۔ اگر فکر ہو جائے جسے واقعی فکر کہتے ہیں اور دوزخ کی آگ کا یقین ہو جائے تو نیند ہی نہ آئے جب تک کہ حقوق العباد ادا نہ کر دے فکر تو بعد کی بات ہے یقین ہی کہاں ہے جو یقین کہنے کے لائق ہی نہیں اس لئے حقوق کی ادائیگی اور ادائیگی فرائض وواجبات اور اجتناب محرمات کی طرف توجہ نہیں۔

لوگ مال ودولت کو اور حکومت وسلطنت کو کامیابی سمجھتے ہیں۔ دنیا کے عہدے حاصل ہو جانے کو کامیابی جانتے ہیں اور بڑے بڑے گناہوں میں ملوث ہو کر یہ چیزیں حاصل کرتے ہیں۔ جو چیزیں گناہوں سے حاصل ہوں گی ان میں خیر کہاں؟ وہ تو مزید گناہوں کا ذریعہ بنیں گی۔ گناہوں کی گٹھڑی لے کر قیامت میں حاضر ہونا کوئی سمجھ داری نہیں ہے۔ گزشتہ گناہوں سے توبہ کرو۔ حقوق اللہ اور حقوق العباد کی تلافی کرو اور آئندہ کو گناہوں سے بچو۔

اللہ جل شانہ ہم سب کو گناہوں سے محفوظ فرمائے اور اعمال صالحہ کی زیادہ سے زیادہ توفیق دے۔

انہ علی کل شیء قدیر وبالاجابۃ جدیر وھذا
آخر السطور من ھذا المقالۃ والحمد للہ
الملیک الوھاب والصلوۃ والسلام علی من
اوتی الحکمۃ وفصل الخطاب وعلی آلہ وصحبہ
خیر آل واصحاب۔

دینی مدارس اسلام کے مستحکم قلعے ہیں

۶ مئی ۱۹۹۹ء کو پشاور میں تحفظ دینی مدارس کانفرنس سے

شیخ الحدیث

حضرت مولانا حسن جان دامت برکاتہم

کا خطاب

خطبہ مسنونہ کے بعد فرمایا......

معزز علماء کرام۔ طلباء عظام اور محترم سامعین کرام! شدت کی اس گرمی میں اتنا عظیم اجتماع اور صوبہ سرحد کے دور دراز علاقوں کے مدارس سے طلبہ کی آمد اور آپ کی محبت، شوق اور جذبہ آپ کی دین دوستی کی علامت ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کی اتنی کثیر تعداد میں شرکت اور اس عظیم اجتماع کو قبولیت عطا فرمائے۔

بھائیو! ہمارے آج کی اس مجلس کا عنوان ہے **تحفظ مدارس اسلامیہ** اسلامی مدارس کے خلاف بعض طاغوتی طاقتیں یا انکے ایجنٹ مدارس کو صفحہ ہستی سے مٹانے کیلئے سے جو منصوبہ بندیاں، سازشیں اور باہمی مشوروں میں معروف ہیں۔ یہ کانفرنس مکروہ عزائم کا مقابلہ اور انکی ناپاک سازشوں کے خلاف قوت کا ایک مظاہرہ ہے۔

مدارس کا کردار

معزز بھائیو! اسلامی مدارس کیا خدمات انجام دے رہے ہیں؟ ہمارے مدارس میں وہ علم سکھایا اور پڑھایا جاتا ہے جس کے لئے ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء مبعوث ہوئے اور ایک سو چار کتب بھیجی گئیں۔ انبیائے کرام کی تشریف آوری اور آسمانی کتب کا نزول تین باتوں کیلئے ہوا ہے انکے

تین بنیادی مقاصد تھے پہلی بات لوگوں کے عقیدوں کی اصلاح کہ انسان کو کس نے پیدا کیا اور اسکا انسان پر کیا حق بنتا ہے، دنیا میں کس مقصد کیلئے پیدا کیا گیا ہے، یہاں سے کدھر جانا ہوگا، کس کے سامنے پیش ہونا ہے؟

دوم اعمال کی اصلاح کہ انسان کو اس دنیا میں کون کونسے اعمال کرنے ہیں؟ نماز، روزہ، زکوۃ، حج عبادات وغیرہ یہ سب چیزیں اسمیں آجاتی ہیں۔

سوم اخلاق کی اصلاح۔ دروغ گوئی، دھوکہ وعدہ خلافی، نفاق اور دیگر تمام اخلاقِ رذیلہ چیزوں سے اجتناب اور پرہیز۔ ہم اپنے مدارس میں طلباء کو ان ہی تین باتوں عقیدہ، عمل، اور اخلاق کی تعلیم دیتے ہیں۔

مدارس میں دہشت گردی نہیں

الحمدللہ ثم الحمدللہ ہمارے مدارس میں دہشت گردی کی تعلیم نہیں صوبہ سرحد کے لنڈی کوتل سے لیکر کراچی تک اور چترال سے لیکر بلوچستان کی آخری حدود تک انشاءاللہ کسی مدرسہ میں بھی دہشت گردی نام کی کوئی چیز نہیں ہے۔ الحمدللہ آپ لوگوں نے آج تک نہیں سنا ہوگا کہ کسی دینی جامعہ میں کبھی بندوق سے لڑائی ہوئی ہے یا کسی طالب علم نے دوسرے طالب علم کو گولی مار کر قتل کیا ہو۔ یا خدانخواستہ کسی طالب علم نے اپنے استاد کو مارا ہو یا کسی استاد نے طالب علم کو قتل کیا ہو الحمدللہ یہ اسی تعلیم کی برکت ہے۔ جو تعلیم ہمارے مدارس میں سکھائی اور پڑھائی جاتی ہے اس تعلیم کا تعلق انسان کے ساتھ ہے، اس انسان کے ساتھ ہے جو اللہ تعالیٰ کا خلیفہ اور جو تمام مخلوقات کا سردار ہے اور اشرف المخلوقات ہیں۔ ہم اپنے مدارس میں انسان کو عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور انسان کو اللہ تعالیٰ کا خلیفہ اور اسکا نائب کہتے ہیں۔ جہاد الحمدللہ ہمارے دین کا حصہ ہے اور ہمارے پیغمبر اور قرآن پاک کی تعلیم ہے۔ جہاد ہمارا کفار کے ساتھ ہوتا ہے، دین کی باغیوں کے ساتھ ہوتا ہے۔ ہم جہاد مسلمان کے مسلمان بھائی کو قتل کرنے کو نہیں کہتے اور جو لوگ دینی مدارس پر اس قسم کے الزامات لگاتے ہیں وہ دروغ گو ہیں، وہ دینی مدارس کے اغراض

ومقاصد سے بے خبر ہیں۔

سکول، کالج کی اصلاح ہونی چاہیئے

ان لوگوں کو کالجوں اور یونیورسٹیوں میں بے کار باتیں کبھی نظر نہیں آتیں کالجوں اور یونیورسٹیوں میں پڑھنے والے بھی ہمارے بچے ہیں۔ قوم کا ورثہ ہیں لیکن معذرت کے ساتھ، ان کالجوں اور یونیورسٹیوں میں جو تعلیم دی جاتی ہے اس سے انسان کے پیٹ کا مسئلہ تو حل ہوسکتا ہے لیکن اس تعلیم کا عقیدہ، اعمال اور اخلاق کے ساتھ دور کا بھی واسطہ نہیں۔ مثال کے طور پر انجینئر کو لے لیجئے، ایک انجینئر معیاری نقشہ تو بنا سکتا ہے لیکن اسے عقیدہ کے متعلق کچھ معلوم نہیں۔ اسی طرح ایک زرعی ماہر کو لے لیجئے، فصلوں کی بہتری کیلئے اس سے اچھی اچھی دواوں کا پوچھا جا سکتا ہے لیکن اعمال اور اخلاق سے متعلق اسے کچھ معلوم نہیں۔ بے شک انسان کو زندہ رہنے کے لئے اور تعمیر و ترقی کے لئے ان علوم کو حاصل کرنا بھی انتہائی ضروری ہے لیکن ان علوم میں انسان کو خلیفۃ الارض کی نگاہ سے نہیں بلکہ جانور کی نگاہ سے دیکھا جا سکتا ہے۔ صرف کھانے سے تو بات نہیں بنتی خوراک تو گائے بیل اور گھوڑے بھی کر لیتے ہیں لیکن اس علم کی بدولت اگر انسان کچھ جان لیتا ہے تو وہ یہ ہوتا ہے کہ رہنے کیلئے گھر کا ہونا ضروری ہے، کھانے کیلئے گوشت پکا ہونا چاہیئے، سفر کیلئے گاڑی ضروری ہے۔ تمام کالجوں اور تمام یونیورسٹیوں کی تعلیم کا خلاصہ عقیدہ، عمل، اور اخلاق کی اصلاح نہیں بلکہ صرف اور صرف پیٹ کا مسئلہ ہے۔

ہمارے لئے سب سے مقدم چیز

میں ایک مرتبہ حرم میں بیٹھا ہوا تھا اور مطالعہ میں مصروف تھا میرے پاس بیٹھے ہوئے ایک بوڑھے نے مجھ سے پوچھا کہ آپ کیا چیز مطالعہ کر رہے ہیں۔ میں نے کہا میں ایک طالب علم ہوں اور کتاب مطالعہ کر رہا ہوں وہ بہت ہنسا اور مجھ سے کہا کہ لوگ چاند تک پہنچ گئے اور آپ ابھی وہی قدیم کتب میں اپنا مغز کھپا رہے ہیں میں نے انتہائی عجز کیساتھ اس بوڑھے بزرگ سے کہا کہ کاکا جی! یہ چاند تک رسائی ہم نے آپ پر چھوڑ دی ہے، کیا آپ صرف کھانا کھانے

کیلئے پیدا کئے گئے ہیں، ہمارے لئے اپنے علوم سے مقدم کوئی چیز نہیں۔

علماء کا کام

آج کل کے اپنے آپ کو ماڈرن کہنے والے وزیروں مشیروں اور سرکاری لوگوں کا خیال ہے کہ علماء لوگوں کی سائیکلوں کو پنکچر کیوں نہیں لگاتے، گاڑیوں کی مرمت کیوں نہیں کرتے، کیا ان لوگوں نے کسی ڈاکٹر کے متعلق یہ سوچا ہے؟ کہ ڈاکٹر صاحب کو سائیکل میں پنکچر اور گاڑیوں کی مرمت کرنی چاہیئے، ان لوگوں کے پاس اسلامی علوم کی قدر نہیں جبکہ علماء کرام وہی خدمت انجام دے رہے ہیں جو انبیاء کرامؑ انجام دیتے چلے آرہے تھے۔ الحمدللہ وہ خدمت سائیکل اور گاڑیوں کی مرمت نہیں بلکہ عقیدہ، اعمال اور اخلاق کی اصلاح ہے۔ ہمارے علم میں انسان حقیقی معنوں میں انسان بنتا ہے اور انسان مسلمان بنتا ہے۔ کالج اور یونیورسٹی کا علم تو ہندو اور انگریز بھی حاصل کر چکا ہے اور کر رہے ہیں ہندو بھی ڈاکٹر ہوتا ہے اور مسلمان بھی، ہندو بھی انجینئر ہوتا ہے اور مسلمان بھی لیکن صحیح معنوں میں مسلمانی صرف اور صرف دینی علوم سے آئے گی نہ کہ کالج اور یونیورسٹی میں پڑھائے جانے والے علوم سے۔ جو لوگ یہ چاہتے ہیں کہ اسلامی مدارس کو نیست و نابود کر دیا جائے تو ان لوگوں کا مقصد مدارس کو ختم کرنا نہیں بلکہ وہ اسلام کو مٹانا چاہتے ہیں لیکن انشاءاللہ نہ کبھی کوئی اسلام کو ختم کرنے میں کامیاب ہوگا اور نہ مدارس کو۔

مدارس سے ٹکر لینے کا انجام

میرے بھائیو! پہاڑ کے ساتھ جو سر ٹکراتا ہے تو پہاڑ ٹوٹے گا یا اسکا سر؟ ظاہر ہے کہ پہاڑ تو پہاڑ ہے اسے کیا نقصان ہو سکتا ہے اپنے سر ہی کو توڑ دے گا۔ دینی مدارس اسلام کے مضبوط پہاڑ اور مستحکم قلعے ہیں ماضی میں بھی موجودہ حکمرانوں سے بھی بڑے ظالموں نے دینی مدارس سے ٹکر لی تھی اور نیست و نابود ہو گئے۔ دینی مدارس الحمدللہ تا قیامت قائم و دائم رہیں گے اور اسلام کی خدمت میں معروف اور مشغول رہیں گے، انہیں نہ کبھی کسی سے کوئی نقصان پہنچا ہے اور نہ کوئی نقصان پہنچ سکے گا موجودہ حکمرانوں کو بھی ہم یہی مشورہ دیں گے کہ اغیار اور اسلام

دشمن قوتوں کی سازشوں سے اپنے آپکو بچایئے ورنہ اگر انہوں نے اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ کے علوم پڑھنے والوں سے ٹکر لی تو خدائی عذاب سے نہیں بچ سکیں گے اور تباہ و برباد ہو جائیں گے۔

مدارس کا تحفظ

دینی مدارس کا ہر طالب علم تحفظ مدارس کی خاطر جان دینے کیلئے تیار ہے اور آپ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ آج افغانستان جو فسق و فجور اور ظلم و ناانصافی کا مرکز بنا ہوا تھا اسے طالب علموں نے سنبھالا دیا ہے اور پوری دنیا بشمول امریکہ طالبان کی اس قدر عادلانہ، منصفانہ اور مستحکم نظام سے لرزہ براندام ہیں۔ افغانستان میں طالبان کی قائم کردہ امن و امان اور ان کی جنگی حکمت عملیوں نے مغرب کے خواب حرام کر دیئے ہیں۔ اسلام کے صرف ایک مجاہد اسامہ بن لادن کے نام کے خوف سے آج امریکہ کے بڑوں کا یہ حال ہے کہ وہ لیٹرین بھی جاتے ہیں تو باہر پہرہ دار کھڑے ہوتے ہیں۔ مجاہدین اسلام جن کے سامنے سپر پاور روس نہیں ٹھہر سکا تو امریکہ کیا خاک مقابلہ کریگا انشاء اللہ وہ وقت دور نہیں کہ جب ہمارے ہاں بھی طالبان کے ہاتھوں اسلامی نظام کا نفاذ عمل میں آجائے گا۔

تمام مسائل کا حل

یہ بات ذہن نشین کر لیجئے کہ اپنے ملک میں جو ڈاکوں، قتل اور فساد کا دور دورہ ہے یہ نواز شریف کے قانون سے ختم نہیں ہو گا ان تمام خرافات کا حل صرف اور صرف اسلامی نظام کے نفاذ میں مضمر ہے اور جو انشاء اللہ بہت جلد وطن عزیز میں علماء اور طلباء کے ہاتھوں نفاذ ہونے والا ہے۔

مدارس اسلام کے قلعے ہیں

حکمرانوں کیلئے بہتر یہ ہے کہ کہ وہ اپنے آقاؤں سے کہدیں کہ اسلام ہمارا دین ہے، علماء کرام اس دین کے وارث ہیں اور دینی مدارس ہمارے اسلامی قلعے ہیں۔ ہم ان کی طرف میلی آنکھ سے بھی نہیں دیکھ سکتے اور ہمیں ان مدارس کا تحفظ کرنا ہے۔ اور انکے وجود کو ہمیشہ قائم و دائم

رکھنا ہے۔ حکمرانوں کو اپنے آقاؤں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر یہ باتیں کرنی ہوگی اسی میں انکی لئے خیر ہے وگرنہ انھوں نے اسکے برعکس راہ اختیار کرلی اور اپنے آقاؤں کے اشاروں پر دینی مدارس کے خلاف یوں ہی سازشوں میں شریک رہے تو پھر انکے لئے خدائی عذاب سے بچنے کی کوئی جگہ نہیں ہے دینی مدارس اسلام کے قلعے ہیں اور یہاں اللہ تعالیٰ کی دین کو پڑھایا جا ہے۔ ان کو نقصان پہنچانے میں نہ کبھی کوئی کامیاب ہوا ہے اور نہ ہوگا اور کیسے ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی دین کی حفاظت کی ذمہ داری خود لی ہے۔ اور تا قیامت اللہ تعالیٰ دینی مدارس کا حافظ ونگہبان رہے گا۔ اللہ تعالیٰ شدت کی اس گرمی میں آپکو شرکت اور دینی جذبہ کو قبولیت نصیب فرمادے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

(از خطبات جمعہ)



دینی مدارس تعمیرِ انسانیت کے تربیت گاہیں ہیں

معہد الخلیل الاسلامی...... کراچی میں
حضرت مولانا محمد عزیز الرحمٰن ہزاروی صاحب
کا اصلاحی بیان

کلمات تمھید از حضرت مولانا محمد یحییٰ مدنی مدظلھم

قابل احترام مہمانِ گرامی، محترم اساتذہ ومعلمات اور عزیز طلبہ وطالبات! ہم سب کا تعلق ایک دینی مدرسہ سے ہے۔ یہاں رہتے ہوئے ہمارا جذبہ یہ ہونا چاہئے کہ ہمارے اندر بھی ایک دینی روح بیدار ہو۔ایک دینی تڑپ بیدار ہو۔ہم اپنے مقام کو سمجھیں اور ہم اس کوشش میں لگ جائیں کہ خدا کرے وہ قافلہ جس نے بندوں کو اللہ سے ملایا اس قافلے کے ہم بھی ادنیٰ خادم، ادنیٰ رفیق ہوں۔ ہمارا بھی شمار انہی میں ہو اور انہی کے زمرے میں کل قیامت کے دن ہمارا بھی حشر ہو۔

میرے حضرت شیخ نور اللہ مرقدہٗ کے محبوب خلیفہ، مجاہد اعظم، ماشاء اللہ خوب محنت کرنے والے، صاحب بصیرت مدرسے میں آج تشریف لائے ہیں۔ آتے رہتے ہیں۔ ''حضرت مولانا محمد عزیز الرحمٰن صاحب دامت برکاتہم'' خواہش یہ تھی کہ آج ہم کچھ دیر بیٹھ کر حضرت سے مستفید ہوں۔ حضرت کچھ ارشاد فرمائیں عمل کی نیت سے پورے متوجہ ہو کر سنیں۔ (اس کے بعد حضرت کا بیان شروع ہوا)

خلاصۂ بیان

(خطبۂ مسنونہ کے بعد حضرت نے فرمایا) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: انما یخشی اللّٰہ من عبادہ العلمآء (اللہ سے ڈرتے وہی ہیں اس کے بندوں میں جو علم والے ہیں) اور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا اَلعُلمآءُ وَرَثَۃُ الانبیاء (علماء انبیاء علیہم السلام کے وارث ہیں)

خوش نصیب لوگ

حضرت اقدس دامت برکاتہم، اساتذۂ کرام اور میرے عزیز طالب علم بھائیو! میں یہاں صرف اور صرف اپنے حضرت دامت برکاتہم (حضرت مدنی) کی زیارت اور کچھ لمحات ان کی صحبت میں بیٹھنے کے لئے حاضر ہوا تھا۔ بیان کرنے کی بات میرے وہم وگمان میں بھی نہ تھی اور نہ یہاں مناسب خیال کرتا ہوں۔ بس یہ ان کی شفقتیں ہیں، ان کی ذرہ نوازی ہے اور ان کی دعا وتوجہ سے آپ سے چند باتیں عرض کرنا چاہتا ہوں۔

آپ بہت بڑے خوش نصیب ہیں کئی لحاظ سے۔ آپ کی پہلی خوش بختی یہ ہے کہ اللہ نے آپ کو اپنے دین کے لئے چنا ہے۔ حدیث مبارک جو آپ میں سے بڑے طالب علم پڑھتے ہیں اور چھوٹے سنتے ہیں: مَنْ يُّرِدِاللّٰهُ بِهٖ خَيْرًا يُفَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ وَاِنَّمَا اَنَاقَاسِمٌ وَاللّٰهُ يُعْطِيْ ''اللہ پاک جس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرماتے ہیں تو'' (اس کے ساتھ کیا معاملہ کرتے ہیں آگے اس کی تفصیل ہے کہ) اسے دین کی سمجھ عطا فرماتے ہیں۔'' اور آگے جو بات فرمائی وہ اتنی بہترین اور اتنے مزے کی ہے۔ اِنَّمَا اَنَا قَاسِمٌ وَاللّٰهُ يُعْطِيْ ''یہ دین میں بانٹتا ہوں اور مجھے میرے اللہ نے دیا ہے۔'' آپ اندازہ لگائیں کہ کتنے بڑے سعید اور نیک بخت لوگ ہیں آپ کو چنا گیا ہے اس دین کے لئے جو حضور اکرم ﷺ سے صحابہ کرام ؓ کو منتقل ہوا اور پھر سینہ بہ سینہ اساتذہ سے ہوتا ہوا ہم تک پہنچا۔ کہو الحمد للہ! ہمیں اپنے منصب کا احساس نہیں، عظمت نہیں ورنہ ہم انتہائی شکر کرتے، تو آپ کو اللہ تعالیٰ نے دین کا طالب علم بنا کر آپ پر خصوصی عنایت کی ہے۔ اب اس (نعمت) کو بچانا اور بڑھانا آپ کا کام ہے کہ شکر ادا کریں۔ شکر سے یہ کام بڑھتا ہے۔ اللہ پاک کا کسی کے ساتھ کوئی رشتہ نہیں۔ حضرت کو اللہ پاک نے کالج سے اُٹھایا، پھر سارا دین پڑھا۔ پھر مدینہ منورہ کی مبارک فضاؤں میں رکھا۔ ''حضرت شیخ الحدیث قدس سرہٗ'' کا جو لاڈ اور پیار ان کے ساتھ تھا وہ ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ پھر اس عمر میں، اس صحت میں ان سے دین کا اتنا کام ہونا یہ اللہ کی خاص عنایت ہے۔ تو دوسرے آپ اس لحاظ سے بھی خوش نصیب ہیں کہ آپ کو حضرت کی سرپرستی حاصل ہے۔

ارباب مدارس کو ایک ضروری گزارش

میں کل یہاں کراچی میں جو وفاق المدارس کا اجلاس تھا اس میں شریک ہوا۔ اس میں یہ بات ہوئی کہ مدارس میں جو ایک تشویش ناک صورتحال ہے طلبہ کے حوالے سے کہ اساتذہ کا ادب نہیں، اپنی من مانیاں ہیں اس کا سبب کیا ہے؟ تو میں نے تمام علماء کرام کے سامنے یہی عرض کیا کہ یہ رونا تو ہمارے بزرگ کافی عرصہ پہلے رو چکے ہیں، کچھ عرصہ پہلے وفاق کے ماہانہ رسالے میں۔ صفر کے شمارے میں یہ مضمون چھپ چکا ہے کہ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب قدس سرہ نے حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا عبدالحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ، اکوڑہ خٹک دارالعلوم دیوبند کے مہتمم قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو اور دیگر ارباب مدارس کو خطوط لکھے تھے کہ مدارس پر جو حالات آرہے ہیں اس کا سبب یہ ہے کہ ''مدارس میں اللہ کا ذکر کرنے والے، راتوں کو اللہ کے سامنے رونے والے نہیں رہے۔'' اسی کی طرف حضرت (مولانا یحییٰ مدنی صاحب) آپ کو روزانہ متوجہ کر رہے ہیں لیکن جیسا کہ آپ کو یہاں سے فیض حاصل کرنا چاہئے آپ حاصل نہیں کر رہے، اسی کی طرف حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ متوجہ فرما گئے ہیں۔

حضرت اقدس مدنیؒ کا واقعہ

مدینہ شریف میں حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے نواسے ہیں ''مولانا اخلد صاحب'' ایک دفعہ ان کے گھر میں دعوت تھی۔ وہ سید بادشاہ ہیں۔ دعوتیں کرتے رہتے ہیں۔ تو ان کی دعوت میں میں شریک تھا اور ہمارے حضرت شیخ کے مخدوم زادے حضرت مولانا محمد طلحہ صاحب دامت برکاتہم (اللہ ان کی عمر میں برکت نصیب فرمائے) بھی تھے۔ حضرت مولانا ارشد مدنی صاحب مدظلہ استاد حدیث دارالعلوم دیوبند وصدر جمعیۃ علماء ہند، مولانا فضل الرحمان صاحب امیر جمعیت علماء اسلام، حضرت مولانا سعید احمد صاحب جلالپوری شہیدؒ اور بھی بہت سارے حضرات تھے۔ تو ناشتے کے بعد مولانا ارشد مدنی نے مولانا فضل الرحمان کو مخاطب کر کے فرمایا: مولانا! تنہا سیاست کوئی چیز نہیں۔ بلکہ اس کے ساتھ روحانیت بھی اشد ضروری ہے۔ لہٰذا آپ پر ذمہ داری ہے کہ اس کا احساس کریں۔ پھر فرمایا کہ، میرے والد صاحب

حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے، حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا (دونوں میں بڑی محبت و بے تکلفی تھی) کہ حضرت! یہ جو آپ ہر وقت سیاست سیاست کرتے رہتے ہیں تو بزرگوں نے جو آپ کو امانت دی تھی اس کا کیا بنے گا؟ تو حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی جیب سے کچھ خطوط نکال کر دیئے اور فرمایا یہ دیکھئے۔ان میں سے ایک خط میں کسی مرید نے لکھا تھا کہ حضرت کے ارشاد پر روزانہ سوالاکھ ذکر کرتا ہوں۔ حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا (اس امانت کا) یہ کرتا ہوں۔ یہ دیکھ کر حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ بہت خوش ہوئے۔

کتابیں پڑھنا کافی نہیں تقویٰ بھی ضروری ہے

تو یہی بات کل وفاق کے اجلاس میں میں نے عرض کی اور یہی بات حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب زید مجدہٗ اور مولانا مفتی زرولی خان صاحب زید مجدہٗ نے بھی کہی کہ یہ نعمت مدارس سے چلی گئی ہے اس کو واپس لانے کی کوشش کریں۔ صرف کتابیں پڑھنا کافی نہیں ہے۔ تقویٰ بھی ضروری ہے۔ اگر کوئی عالم بن گیا لیکن اللہ کا خوف دل میں پیدا نہ ہوا تو عمل میں کوتاہی ہوگی۔ ایسے علم سے تو پناہ مانگی گئی ہے۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنْ عِلْمٍ لَّایَنْفَعُ. اور علم نافع کا سوال کیا گیا، اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُکَ عِلْمًا نَافِعًا. علم نافع وہ ہے جو پہلے اپنے وجود کو سنوار دے، وَلِسَانًا ذَاکِرًا. یہ بیہودہ گو زبان نہ بنے آپ کو یاد کرنے والی بنے۔ وَقَلْبًا خَاشِعًا. اور دل میں خشوع ہو۔

میرے عزیز طالب علم بھائیو! آپ ایک مبارک جگہ ہیں اور ناراض نہ ہوں تو میں اساتذۂ کرام سے بھی عرض کروں گا کہ آپ بھی بڑے خوش نصیب ہیں کہ آپ حضرات کو حضرت جیسے بزرگ کی صحبت حاصل ہے۔ ان کی قدر کریں، ان سے نفع اُٹھائیں۔ ان کی منشا سے ذرا بھی ادھر اُدھر نہ ہوں۔ میں نے تو حضرت سے درخواست کی کہ آپ کی کمی کل (اجلاس میں) میں نے بہت محسوس کی۔ ان کا تو پانچ منٹ کے لئے بھی تشریف لے جانا مفید تھا۔ میری تو تمنا تھی کہ یہ تشریف لے جاتے۔ یہ اللہ والوں کے، اللہ کے پیاروں کے محبوب ہیں ان کا جانا بھی باعثِ برکت ہوتا۔ تو آپ لوگ اس (ذکر اللہ) کی کمی کو دور کریں۔ ہر طالب علم کسی اللہ والے سے بیعت ہو۔ جو طالب علم یہاں ہیں ان کے لئے تو حضرت شیخ کے محبوب موجود ہیں۔ وہ کس انتظار میں ہیں کہ بیعت نہیں ہوتے۔

ہر طالب علم کسی اللہ والے سے بیعت ہو

دوسری بات میرے عزیز طلبہ! آج دنیا علم کو نہیں دیکھ رہی۔ علم تو بہت پھیل گیا۔ ہم سے اچھے لکھنے والے موجود ہیں۔ ایسے ایسے مضامین لکھتے ہیں کہ آپ حیران رہ جائیں گے۔ بولنے والے ایک سے بڑھ کر ایک ہیں۔ ان کی کمی نہیں ہے۔ آج اس کی قیمت ہے جس کے دل کا اللہ سے تعلق ہوگا۔ افسوس کی بات ہے۔ آج کل مدارس پر چھاپے پڑتے ہیں۔ مدارس کوئی چھاپوں کی جگہ ہیں۔ یہ تو دین سکھانے کی جگہیں ہیں۔ حضرت فرما رہے تھے اور صحیح فرما رہے تھے کہ آج اگر رونے دھونے والے ہوتے تو اللہ پاک کو رحم آ جاتا۔ ایک دفعہ ہمارے مدرسے کے بارے میں اطلاع ملی کہ چھاپہ پڑنے والا ہے۔ میں نے بچے کو فون کیا۔ (بچہ کہہ کر خوشی ہوتی ہے کہ ہمارے سامنے ہمارے بچے دین کی خدمت میں لگے ہوئے ہیں۔ والدین کی طرف سے اولاد کے لئے سب سے بڑی نعمت یہ ہے کہ اس کی صحیح دینی تربیت کریں۔) کہ تم اپنے طور سے طلبہ کا جائزہ لے لو۔ انہوں نے سب کو جمع کر کے تلاشی لی تو پونے دوسو موبائل طلبہ کے پاس سے نکلے۔ آخر جب آپ کے اساتذہ آپ کو منع کرتے ہیں تو آپ موبائل کیوں رکھتے ہیں۔ انہی موبائلوں کی وجہ سے غلیظ اور خبیث باتیں ہوتی ہیں جو قرآن وحدیث پڑھنے والوں میں آتی ہیں۔ آخر ضرورت کیا ہے آپ کو اس موبائل پر کبھی کوئی پریشانی کی خبر آئے گی کبھی کوئی۔ آج کل تو طواف کرنے والوں کے ہاتھ میں بھی موبائل ہوتے ہیں۔ سامنے "بیت اللہ" ہے اور وہ اپنے رشتہ داروں سے باتوں میں مصروف ہے۔

ایک بزرگ کے بیٹے کا واقعہ

اس پر مجھے ایک بات یاد آ گئی۔ ایک بزرگ تھے۔ صاحب کشف۔ ان کے بیٹے ایک دفعہ روضۂ اقدس کے سامنے بیٹھے ہوئے تھے کہ وقت کا بادشاہ وہاں آیا۔ ان کو کشف کے ذریعے پتہ چل گیا یا کسی نے بتایا کہ مسجد نبوی میں بادشاہ آیا تھا۔ انہوں نے اپنے بیٹے سے پوچھا کہ آج کوئی آیا تھا؟ انہوں نے عرض کیا بادشاہ آیا تھا۔ لیکن میں نے صرف نظر اُٹھا کر دیکھا اور پھر اپنے معمول میں مشغول ہو گیا۔ تو انہوں نے غصے سے فرمایا کہ تمہاری نظر اُدھر گئی ہی کیوں؟ یہ حضور ﷺ کا روضۂ اقدس ہے۔ یہاں بادشاہ کی کیا حیثیت۔ تمہیں نگاہ اُٹھا کر دیکھنا بھی نہ چاہیے تھا۔

یہ بات وہی کر سکتا ہے۔جس کے پاس دل ہو۔اللہ کے بندو! سوچو، کہ آپ کیا کر رہے ہو۔ یہ ہر سال پندرہ سو علماء تیار ہو رہے ہیں تو کیا فائدہ ہو رہا ہے۔پہلے ایک عالم بنتا تھا تو ایک علاقے کو بدل دیتا تھا۔آج کل تو طلبہ اساتذہ کی بات مانتے نہیں، نافرمانی کرتے ہیں یہ نہیں ہونا چاہئے۔میں آپ کے نفع کی بات کر رہا ہوں کہ آج ہی سارے بلا تاخیر (حضرت سے) بیعت ہو جاؤ۔چھوٹے بھی ہوں، بڑے بھی ہوں، ان کی دعائیں لو۔میں آپ سے درخواست کر رہا ہوں۔میرے سفید بالوں کو دیکھو۔تمام طلبہ بیعت ہو جاؤ۔اساتذہ بھی ہوں۔پھر دیکھنا اللہ کی رحمتیں آپ کی طرف کس طرح متوجہ ہوں گی۔

حضرت مولانا محمد یوسف متالا صاحب اور طلبہ کی تربیت

دوسرا یہ کہ استاذ اگر فرمائیں کہ موبائل نہیں رکھنا تو مت رکھو۔برطانیہ میں ہمارے حضرت شیخ کے ایک خلیفہ ہیں اللہ ان کی حفاظت فرمائے ''مولانا محمد یوسف متالا صاحب'' انہوں نے اپنے مدرسے کے طلبہ کی ایسی تربیت کی ہے کہ ان کے چہروں پر نور نظر آتا ہے۔وہاں کا ایک واقعہ مجھے یاد آ گیا۔مولانا کا گھر مدرسے سے ذرا فاصلے پر ہے۔ایک دن نماز کے لئے میں مولانا کے ساتھ ان کے گھر سے نکلا۔ہلکی سی بارش ہو رہی تھی۔تو دیکھا کہ دورۂ حدیث کے طلبہ راستے کے دونوں طرف کھڑے ہیں۔ان کو مدرسے والوں نے نہیں کہا تھا اور نہ مولانا نے، لیکن خود اپنے طور سے وہاں کھڑے تھے۔میں نے پوچھا یہ کیا ہے؟ تو وہاں کے ایک ساتھی نے بتایا کہ چونکہ مولانا کا گھر مدرسے کے احاطے سے باہر ہے اور راستے میں خطرہ ہوتا ہے کہ کوئی گورا (انگریز) شرارت نہ کرے تو دورۂ حدیث کے طلبہ نے اپنے طور پر یہ طے کیا کہ یہ ہمارے استاذ، ہمارے مربی شیخ ہیں ان کو کوئی تکلیف نہ پہنچائے تو ان کی حفاظت کے لئے ان کو ساتھ مدرسے لے جاتے ہیں اور پھر واپس چھوڑ جاتے ہیں۔

وہاں طلبہ کی ایسی تربیت ہے کہ مسجد میں جب مولانا تشریف لاتے ہیں تب طلبہ اُٹھتے ہیں اور جب مولانا باہر چلے جاتے ہیں تب طلبہ نکلتے ہیں۔ایک دن مولانا مسجد میں تشریف لائے تو کچھ باتوں کی آواز آ رہی تھی۔وہیں کھڑے کھڑے فرمانے لگے کہ ''بھئی مسجد میں باتیں نہیں کیا کرتے۔اب تم دو دوفٹ کے فاصلے پر بیٹھنا'' اگلی نماز میں جب میں آیا تو بالکل خاموشی، سناٹا اور طلبہ دو دوفٹ کے فاصلے پر بیٹھے ہوئے تھے۔یہ برطانیہ کا حال ہے۔وہ طلبہ شام کو کھیلتے ہیں۔ایک دن کھیل کی وجہ سے ان کی

''تکبیر اولیٰ'' چلی گئی تو حضرت نے فرمایا آج سے کھیل بند۔ چنانچہ کھیل بند ہوگیا۔ کچھ عرصہ بعد حضرت صوفی محمد اقبال صاحب رحمۃ اللہ علیہ وہاں تشریف لے گئے تو کسی نے اُن سے عرض کیا کہ حضرت کو آپ سے بہت پیار ہے آپ سفارش کر کے کھیل کی اجازت دلا دیں۔ تو حضرت صوفی صاحبؒ نے حضرت سے کہا کہ مولانا! طلبہ کو کافی سزا مل گئی اب اجازت دیدیں، تو مولانا نے فرمایا ٹھیک ہے آپ کہتے ہیں تو میری طرف سے اجازت ہے۔ اب آگے بات سننے کی ہے۔ ان طالب علموں کو جب پتہ چلا تو انہوں نے کہا ''ہم یہ کھیل کھیلتے ہی نہیں جس سے ہمارے حضرت کا دل دکھا ہے'' ایسے ہوتے ہیں ماننے والے۔

عزت والا راستہ

تو میرے ساتھیو! آپ بھی اپنے بڑوں کی مانو یہ جو کہہ رہے ہیں آپ کے نفع کے لئے کہہ رہے ہیں۔ یہ ساری تکلیفیں برداشت کر رہے ہیں، حکومتوں کی پریشانیاں برداشت کر رہے ہیں صرف آپ کے لئے۔ دیکھو! ملازمتوں میں، کاروبار میں عہدوں میں کچھ نہیں رکھا۔ عزت اسی راستے میں ہے جس پر آپ چل رہے ہیں۔ میرے والد صاحب اپنے خاندان میں مالی اعتبار سے سب سے زیادہ فقیر تھے۔ لیکن اس راستے کی برکت سے سب سے زیادہ حج و عمرے ہمارے گھر والوں نے کئے اور اللہ پاک ہر سال کرا رہے ہیں۔ جبکہ ہمارے کوئی کارخانے کوئی کاروبار نہیں ہے۔ یہ سب برکت اس دین کی ہے۔ اس لئے آپ سے میری گزارش ہے کہ آپ کو کہیں دیکھنے کی ضرورت نہیں ہے آپ صرف حضرت کو دیکھو، ان کے ارشادات کو غور سے سنو۔ اس معذوری میں اس عمر میں بھی یہ روز آپ کی شفقت کے لئے بیٹھتے ہیں۔ اس پر ان کا شکر ادا کرو۔ جو بندوں کا شکر ادا نہیں کرتا وہ اللہ کا شکر بھی ادا نہیں کرتا۔ یہ آپ کے محسن ہیں۔ فوراً ان سے اللہ کا نام سیکھو اور موبائل ہرگز نہ رکھو۔ آپ کو کیا ضرورت پڑی ہے موبائل رکھنے کی اس سے آپ کا وقت ضائع ہوگا۔ آپ کا ذہن منتشر ہوگا۔ ہم نے مجبوراً رکھے ہوئے ہیں لیکن ہم پریشان رہتے ہیں۔ نماز میں فون آجاتے ہیں، اللہ سے توجہ ہٹا دیتے ہیں۔

حضرت شیخ الحدیث صاحب کا واقعہ

دین کو زوال نہیں ہے۔ ان (حضرت) کی عزت کم نہیں ہوگی (اگر آپ قدر نہ کرو گے بلکہ) ان کی عزت بڑھ رہی ہے۔ دنیا دار جتنا پرانا ہوتا ہے اس کی عزت گھٹتی ہے۔ آخر میں کوئی اس کو پوچھتا بھی نہیں

ہے۔ ہمارے حضرت شیخ کا واقعہ لکھا ہوا ہے کہ حضرت کے ایک رشتہ دار حضرت سے ناراض تھے۔ (حالانکہ غلطی بھی انہی کی تھی) حضرت اُن سے ملاقات کے لئے جانے لگےتو ساتھ میں جو صاحب تھے انہوں نے کہا کہ وہ تو آپ سے بات بھی نہیں کرتے پھر آپ کیوں جاتے ہیں؟ حضرت شیخ نے فرمایا: نہیں، میں جاؤں گا کیوں کہ حکم ہے" صِلْ مَنْ قَطَعَکَ " (جو ناتہ توڑے اس سے ناتہ جوڑو)۔ان کے پاس چلے گئے اور جا کر سلام کیا اور انہوں نے منہ موڑ لیا۔ حضرت نے دوسری طرف سے سلام کیا انہوں نے منہ موڑا غرض شیخ نے ہر طرف سے سلام کیا اور انہوں نے منہ موڑ لیا۔ شیخ کچھ دیر بیٹھ کر چلے آئے۔ حضرت شیخؒ فرماتے تھے۔ابتدا میں جس سے جتنی زیادہ لڑائی ہوتی تھی انتہاءً وہ اتنی ہی محبت کیا کرتا تھا (یہ اخلاص کی برکت تھی) چنانچہ یہ صاحب بھی بعد میں حضرت کے نہایت عقیدت مند ہو گئے حتیٰ کہ شیخ سے بیعت بھی ہوئے۔تو میرے پیارو! راحت، عزت اور سکون تو اسی دین میں ہے۔ اگر مسجد میں اذان بھی دو، جھاڑو لگاؤ تو اس میں سکون ہے۔ یہ جو دنیا دار امیر، وزیر ہوتے ہیں سب پریشان رہتے ہیں، ہم تو اسلام آباد میں ہیں۔ یہ تماشے تو صبح وشام ہوتے ہیں ہمارے سامنے۔ کبھی کسی امیر کا وزیر کا فون آجائے تو (حضرت کو تو مجھ سے زیادہ تجربہ ہے) میں دل میں سوچتا ہوں کہ اب یہ کوئی پریشانی بیان کرے گا۔

سکون اور عزت اللہ کے ہاتھ میں ہے

دیکھو! سکون اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ برکت، عزت اللہ کے ہاتھ میں ہے اس کو سنبھالو۔ جھولی بھر کے سنبھالو اور اللہ کا شکر ادا کرو کہ آپ کو" معہد الخلیل" میں پہنچادیا۔ حضرت کی خدمت میں پہنچادیا۔اس کی دل سے قدر کریں اور حضرت جو فرمادیں دل وجان سے اس پر عمل کریں۔ انشاء اللہ! اللہ تعالیٰ آپ کی دنیا بھی مبارک کردیں گے اور آخرت بھی۔ حضرت کی نافرمانی نہ کریں اور بیعت تو بھی ہوجائیں۔ چھوٹے بچے بھی ہوجائیں۔ میری درخواست حضرت سے ہے کہ حضرت رد نہ فرمائیں۔ ورنہ یہ کہاں جائیں گے۔ ہم ان کو کہاں بھیجیں۔ حضرت قبول فرمائیں۔ اساتذہ بھی ترغیب دیں۔ ماحول کا بڑا اثر ہوتا ہے۔ اب ہم نے پونے دو سو موبائل ضبط کئے لیکن کسی طالب علم کے تیور نہیں چڑھے۔ ایک طالب علم بھی مدرسہ چھوڑ کے نہیں گیا۔ ایک طالب علم نے بھی مجھ سے شکایت نہیں کی۔ بلکہ شرمندہ ہی رہے کہ غلطی ہم سے ہوئی۔ اب جب اختتام سال پر وہ گھر جائیں گے تب ہم ان کو واپس دیدیں گے۔ اسی کا اثر ہے کہ جب وہ چھاپہ

مارنے والے ہمارے مدرسے میں آئے تو دروازے سے دیکھا کہ سب طلبہ اللہ کا ذکر کر رہے ہیں تو اُن پر ایسا اثر پڑا کہ انہوں نے کہا ”بس ہم نے دیکھ لیا۔ یہاں کی تلاشی کی ضرورت ہی نہیں ہے۔“

طلباء کرام اپنی پاکیزہ ماحول کی قدر کریں

میرے بھائیو! اللہ نے آپ کو بڑا پاکیزہ ماحول دیا ہے۔ اس کی قدر کریں۔ حضرت کی دعائیں لیں۔ یہ سعادت کی بات ہے۔ اس میں آپ کا فائدہ ہے۔ اساتذہ کرام بھی ان (طلبہ) پر توجہ دیں۔ اکابرین کے واقعات ان کو سنائیں۔ یہ آپ کا کارخانہ ہیں، اگر ایک بھی ان میں سے بن گیا تو ہماری نجات کے لئے کافی ہے۔ کارخانوں والے مرجائیں گے۔ اُن کی جائیدادیں ختم ہو جائیں گی۔ لیکن یہ صدقۂ جاریہ ہے جو حضرت نے جاری فرمایا ہے یہ باقی رہے گا اور پتہ نہیں کتنا ترقی کرے گا، بڑھے گا۔ اللہ تعالیٰ، حضرت کا سایہ تادیر ہمارے سروں پر سلامت رکھے اور ہمیں ان کی قدر دانی کی توفیق عطا فرمائے۔ وآخر دعوانا أن الحمدللہ رب العالمین.

(از ماہنامہ ذکریا)

سانحہ لال مسجد اور حالات کے تقاضے

جامعہ فریدیہ اسلام آباد میں
مولانا فضل الرحمن صاحب کا مفصل خطاب

مدارس اسلام کے قلعے ہیں اور یہاں ہمیں سکون ہوتا ہے۔

اکابر علماء کرام اور طلبائے عزیز! میرے لئے انتہائی سعادت کی بات ہے کہ جامعہ فریدیہ اسلام آباد کی نئی زندگی کے آغاز میں آپ کے ساتھ شریک مجلس ہو رہا ہوں، یہ ادارے اسلام کے قلعے اور ہماری اور آپ کی وہ مانوس آماجگاہیں ہیں جن کے احاطے میں بیٹھ کر ہم سکون محسوس کرتے ہیں اور خود کو محفوظ تصور کرتے ہیں یہاں ہمیں سکون ہوتا ہے یہ بات بھی سمجھ لینی چاہیے کہ حق اور باطل دونوں اس دنیا کی حقیقتیں ہیں دونوں ہمیشہ ایک دوسرے کی مد مقابل رہے ہیں حق اور باطل کے درمیان التباس، مذموم چیز ہے، نہ تو حق کو چھپانے کی اجازت ہے، بلکہ اس کو ہمیشہ ممتاز رکھنا ہمیشہ نمایاں رکھنا اہل حق کی ذمہ داری ہوتی ہے اور نہ ہی حق اور باطل کے درمیان التباس (خلط ملط کرنے) کی اجازت ہے لیکن جس چیز کا نام حق ہو تو اس کا معنی یہ ہوتا ہے کہ وہ ہے، یعنی اس کا ہونا یقینی ہے، وہ ثابت ہے اور جس چیز کا نام باطل ہو اس کا نہ ہونا یقینی ہے مٹ جانا یقینی ہے،

انسان کی کامیابی کے چار وسیلے اور ذرائع:

حق اور باطل کے اس معنی کو سامنے رکھتے ہوئے اس بات کو بھی مدنظر رکھنا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کی کامیابی کے چار وسیلے اور ذریعے بتائے ہیں...... اور اللہ تعالیٰ زمانے کی قسم کھا کر فرماتے ہیں والعصر ان الانسان لفی خسر زمانے کی قسم! انسان خسارے میں

ہے مگر چار چیزیں ایسی ہیں ۔ جو انسان کو کامیابی کی ضمانت فراہم کرتی ہیں پہلی چیز ہے ایمان اور ایمان اندرونی رسوخ کا نام ہے، دل کی یقین کا نام ہے اللہ تعالیٰ اور جو کچھ اس نے ہمیں عطاء کیا ہے اس پر ہمارا دل مکمل طور پر مطمئن ہو کہ کسی قسم کے شک کا اس میں کوئی شائبہ نہ ہو تو یہ انسان کی کامیابی کی پہلی علامت ہے، کامیابی کا دوسرا ذریعہ **وعملوا الصالحات** کہ پھر اس کا عمل عقیدے کے مطابق ہو، یہ نہیں کہ ایمان تو آپ کا کچھ اور عمل کچھ ہو، لہٰذا عمل کا وہی طریقہ ہونا چاہئے جو قرآن کریم اور جناب رسول ﷺ نے اُمت کو عطاء کیا ہے ہم اس عمل کے مظہر ثابت ہوں تو پھر تقویت ہوگی ایمان اور عمل کے بیچ میں ۔ اگر نماز پر ایمان ہے کہ فرض ہے لیکن پڑھنا نہیں، روزے پر ایمان ہے لیکن رکھتا نہیں، زکوٰۃ پر ایمان ہے لیکن ادا نہیں کرتا تو بنیادی چیز عقیدے کی پختگی اور اس کے ساتھ عمل کی مطابقت ہے چنانچہ ارشاد فرمایا **الا الذین امنوا وعملوا الصلحت** اور تیسری چیز **وتواصوا بالحق** کہ حق کا پرچار بھی اس پر عمل بھی کر لیا اور بس ...... بلکہ حق کا پرچار کریں اور **وتواصوا بالحق** میں حق مطلق ہے اور جو چیز مطلق ذکر ہو خارج میں اس سے مراد فرد کامل ہوتا ہے اب حق کے لئے خارج میں فرد کامل کیا ہو اس کا تعین ہم اپنے حالات میں ماحول کے مطابق کرتے ہیں محلے میں ہم کسی کمزور آدمی کو دیکھیں کہ وہ کوئی غلط کام کرتا ہے تو ہم اس کو جھاڑ پلا دیتے ہیں ایک دو تھپڑ بھی لگا دیتے ہیں ۔ اور پھر کہتے ہیں کہ ہم حق سے عہدہ برآں ہو گئے ہم نے حق کا حق ادا کر دیا لیکن یہ حق کا فرد کامل نہیں ہے، بلکہ جب حق کو پہچانا ہے تو پھر باطل کو بھی ذرا پہچان لو، کیونکہ **تعرف الاشیاء باضدادھا** اور یہ بھی جان لو کہ باطل جتنا بڑا ہوگا جتنا طاقتور ہوگا اور جتنی بڑی قوت کے ساتھ وہ حق پر حملہ آور ہوگا تو سمجھو کہ اب یہ باطل کا فرد کامل ہے اور اس باطل کے مقابلے میں جب تم حق کی بات کرو گے تو پھر یہ حق کا فرد کامل تصور کیا جائے گا لہٰذا اگر کوئی شخص حکمران کی تو خاشامد کرے، چاہے وہ باطل ہوں یا حق پر اور ایک غریب کمزور آدمی کو تھپڑ مار دے ...... اس سے حق کے تقاضے پورے نہیں ہوں گے ......

پوری دنیا کا فرد کامل امریکہ ہمارے پیچھے پڑ گئی ہے:

اس لحاظ سے آج کے دور میں جب پوری دنیا کے باطل کا فرد کامل، امریکہ جیسی قوت اگر ہماری پیچھے پڑ گئی ہے۔ داڑھی اور پگڑی پر حملہ آور ہے دینی مدرسے اور اُس کے غریب طالب علم پر حملہ آور ہے قرآن وسنت کے طالب علم اور اس کے استاد پر حملہ آور ہے تو پھر اس سے اطمینان ہوتا ہے کہ الحمدللہ حق کے اس معیار پر آج کے دور میں ہم پورا اتر رہے ہیں ہمیں کوئی پشیمانی نہیں ہے اپنی پوزیشن پر۔ ہم حق کے اس معنی کو کیوں مراد لیتے ہیں؟ یہ بات ذہن میں رکھیں کہ حکمران سے ٹکراؤ حکمران کی سطح پر باطل کو چیلنج کرنا............ اس دنیا میں کافر حکمران بھی گزرے ہیں، بتوں کو پوجنے والے، خدا کا انکار کرنے والے لوگ.......... جبکہ معاشرے میں رعایا کے اندر عبادت کرنے والے لوگ بھی موجود آگ کو پوجنے والے، خدا کو سجدہ کرنے والے لوگ بھی موجود، وعظ ونصیحت کرنے والے لوگ بھی موجود........ لیکن ان کو کبھی بھی حکمرانوں نے اپنے لئے خطرہ تصور نہیں کیا بلکہ الٹا ان کو عزت دیتے تھے کہ یہ نیک لوگ ہیں اچھے لوگ ہیں، لیکن اگر کبھی باطل کے اقتدار کو اور اس کی حاکمیت کو چیلنج کیا کہ تم باطل ہو تم ظالم ہوں تمہیں انسانیت پر حکومت کرنے کا کوئی حق حاصل نہیں، تو پھر پوری تاریخ انسانی اس بات کی گواہ ہے کہ کسی ایک حکمران نے بھی اس چیلنج کو برداشت نہیں کیا، اور پھر حق کو ملیامیٹ کرنے کے لئے باطل کا فرد کامل اپنے تمام تر وسائل کو استعمال کرتا ہے اس کے اقتدار کو چیلنج کرنے والا اس کے لئے مباح الدم ہو جاتا ہے، کسی قیمت پر اس کو یہ برداشت نہیں کہ آپ اس کے اقتدار کو چیلنج کریں تو پھر اس باطل کی طرف سے اذیتیں آتی ہیں، تکلیفیں اور آزمائشیں آتی ہے۔

سب سے بڑی آزمائشیں کن لوگوں پر آئی ہیں۔

اور سب سے بڑی آزمائشیں تاریخ انسانی میں اگر آئی ہیں تو انبیائے کرام علی نبینا وعلیہم السلام کی جماعت پر آئی ہیں اور پھر ان کے رفقاء پر............ کہ اس وقت کے کفر کے اقتدار کو انہوں

نے چیلنج کیا اور پھر کیا کیا مظالم ان پر نہیں ڈھائے گئے اب جب آپ یہ فریضہ سرانجام دے رہے ہوں کہ آپ باطل کے اقتدار کو چیلنج کر رہے ہیں اس کی ظالمانہ حاکمیت کو آپ چیلنج کر رہے ہیں۔ تو فطری طور پر ان کی طرف سے اذیتیں آئیں گی، تکلیفیں آئیں گی اور اگر حق والے وسائل کے لحاظ سے کمزور ہوں اور پیچھے کی طرف آ گئے تو اللہ کریم نے ارشاد فرمایا وتواصوا بالصبر اللہ نے انسان کی کامیابی کا چھوتا ذریعہ جو بتایا وہ صبر ہے۔ استقلال اور استقامت ہو۔ آپ کے اندر ٹھہراؤ ہونا چاہیے تو یہ چار چیزیں کہ وہ انسان جو ہر لحاظ سے خسارے میں ہے۔ یہ چار چیزیں ہیں کہ اگر وہ ان کو اپناتا ہے تو اس خسارے سے بچ سکتا ہے۔ اب ایک مسلمان کو قرآن کریم کی بیان کردہ اس حقیقت کا مظہر ہونا چاہیے اور ہم مدرسے کے طالب علم ہیں، ہم یہ تمام فنون، اس لئے پڑھتے ہیں کہ ہمارے اندر استعداد پیدا ہو اور پھر ہم قرآن وحدیث کو سمجھیں، ہمارے مدارس میں جو موقوف علیہ کے طالب علم بھی ہوتے ہیں وہ جب مشکوٰۃ شریف کا آغاز کرتے ہیں، دورہ حدیث کے طالب علم جب صحیح بخاری کا آغاز کرتے ہیں تو پہلی حدیث جو پڑھائی جاتی ہے وہ ہے انما لاعمال بالنیات کہ اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے اور نیت عمل ہے قلب (دل) کا یہی نیت مدار ہے اجر وثواب کا، اس میں کوئی شک نہیں ہے۔ کہ ہم جو بھی کچھ کریں جب تک وہ خالصتاً اللہ کی رضاء کیلئے نہ ہو تو وہ وزن میں بہت ہی کمزور ہو جاتا ہے کیونکہ اللہ کے ہاں ہر عمل تولا جاتا ہے اس کی نیت کی بنیاد پر جس طرح کی نیت ہوگی اتنا اس کا وزن ہوگا الحمدللہ ہمارے اس دور کے نوجوان کو بھی اللہ نے اس نعمت سے نوازا ہے تو بنیادی چیز دل کی نیت ہے وہ اساسی کردار ہے انسان کی زندگی کا۔

ہمارے لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ اپنانا چاہئے۔

اور علماء کرام موجود ہیں کہ صحابہ کرامؓ جو بدوی لوگ تھے پہلے پہل اسلام میں داخل ہوئے اسلام کے آداب تک سے واقف نہیں ہوتے تھے۔ ایسی ایسی باتیں کر جاتے تھے کہ جو جناب

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کو ناگوار گزرتی تھیں، طبیعت کے اندر ایک تنگی سی پیدا ہو جاتی تھی لیکن اللہ تعالیٰ نے فرمایا **واصبر نفسک مع الذین یدعون ربھم بالغداۃ والعشی یریدون وجھہ** کہ یہ لوگ جو صبح و شام صرف اور صرف اللہ کی رضا مندی حاصل کرنے میں مصروف رہتے ہیں۔ یہ اگر کبھی ایسی ناگوار قسم کی حرکتیں کر جائیں تو اس پر صبر کیا کرو اور کبھی اپنی نگاہ رحمت ان سے پھیر نہ لینا ان فقیروں، بدوی، غریب اور مسکین لوگوں سے جن کا دن رات اللہ کی رضاء کے حصول کی جدوجہد میں گزرتا ہے یہ آپ کی نگاہ رحمت کے محتاج ہیں اور میں تو اپنے جماعتی احباب سے کہتا رہتا ہوں کہ جماعتی زندگی میں ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں کہ کبھی کبھار تو ہمارے گریبانوں تک ان کے ہاتھ پہنچ جاتے ہیں مگر ہم اس پر صبر کرتے ہیں۔ کیونکہ یہ مخلص لوگ ہوتے ہیں لیکن کچھ لوگ وہ بھی ہوتے ہیں جو ہمارے ہی ماحول میں ہوتے ہیں وہ لوگ جو دنیا پرست ہیں کہ جب جماعت ایک قوت بن جاتی ہے تو پھر اس کے قریب آتے ہیں اس کے حلقے میں شامل ہوتے ہیں جیسے آج کے زمانے کے نواب، سردار، خوانین ...... جن کا مقصد سوائے دنیا کے کچھ نہیں ایسے لوگ ہر زمانے میں ہوتے ہیں تو اس کے لئے بھی اللہ کریم نے اپنی تعلیمات سے نوازا اور فرمایا **ولا تطع من اغفلنا قلبہ عن ذکرنا واتبع ھواہ وکان امرہ فرطا** کہ جن کے دلوں کو ہم نے اپنے ذکر سے فارغ کر دیا ہے اور وہ صرف اپنی خواہشات کی تابعداری کرتے ہیں ایسے لوگوں کی پیروی نہ کرنا۔

دنیا تقدیر کی نہیں تدبیر کی دنیا ہے۔

لیکن یہ بات ہمیں ملحوظ رکھنی چاہئے کہ جو نظام اللہ چلاتا ہے جو فیصلے وہ کرتا ہے جس کو ہم عام طور پر تقدیر کہتے ہیں اس سے نہ ہمارا کوئی سروکار ہے نہ اللہ کی قدرت پر ہماری کوئی قدرت چلتی ہے اس نے جو کرنا ہے اپنی مرضی سے کرتا ہے لیکن ہماری دنیا ہے جیسے ہم اور آپ بیٹھے ہوئے ہیں یہ دنیا پھر بہر حال تقدیر کی نہیں تدبیر کی دنیا ہے اور اس زندگی میں سب سے بنیادی دخل شورائیت کو

حاصل ہے فرمایا و امرھم شوری بینھم حضور صلی اللہ علیہ وسلم جیسی شخصیت، جو اپنی تئیں خود ایک اتھارٹی تھی اور وہ خود جو فیصلہ کرتے، قیامت تک پوری امت اسکی پابند تھی اس سے انحراف کی گنجائش نہ تھی تاہم اگر کوئی بات وحی کے ذریعے نہیں پہنچتی تھی تو ایسے معاملات میں پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھیوں صحابہ کرامؓ کے ساتھ مشورہ کرتے تھے۔

تدبیر تبھی کامیاب ہو گی جب اس کے تقاضے پورے کریں۔

کتنی بڑی اہمیت ہے اس شورائیت کی اور پھر تدبیر بھی ہماری ذمہ داری بن جاتی ہے کہ ہر معاملے کے انجام کار پر آپ کی نظر ہو کہ اس معاملہ کو ہم نے اپنی تدبیر کے مطابق کس نتیجے پر پہنچاتا ہے تو سب سے اولین چیز یہ ہے کہ جب ہم مشورہ کرنے بیٹھیں تو ایک معاملے پر سوچ بچار کریں تدبیر کا مظاہرہ کریں تدبر کا مظاہرہ کریں اور یہ تدبیر اور تدبر تبھی کامیاب ہو گی جب اس کے تقاضے پورے کریں یہ ہماری ذمہ داری بن جاتی ہے اور ہم اسی کے مکلّف ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے جدوجہد کی ذمہ داری انسان پر ڈال دی ہے اور نتیجہ اپنے ہاتھ میں رکھا ہے۔

آگے پھر اللہ جانے اللہ تعالیٰ نے جدوجہد کی ذمہ داری انسان پر ڈال دی ہے اور نتیجہ اپنے ہاتھ میں رکھا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیا نہیں چاہتے تھے۔ کہ سارا عرب مسلمان ہو جائے۔ کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نہ چاہتے کہ آپ کے خاندان والے تو سارے مسلمان ہوتے؟ اور سب سے قریب ترین اپنے چچا ابوطالب...... کتنی دل میں تڑپ ہو گی کہ آخری لمحوں میں ایمان تو لے آئیں اور کتنی محنت کی ہو گی آپ نے لیکن اللہ فرماتے ہیں انک لاتھدی من احببت ولکن اللہ یھدی من یشآء .... نتیجہ میرے ہاتھ میں ہے۔ یایھا الرسول بلغ ماانزل الیک، ایک پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اتنا ہی کافی ہے لیکن جو ذمہ داری عائد کی گئی اس فرض کی فرضیت اور اہمیت کا احساس...... اب احساس بھی پیدا ہو گیا۔ کہ بہت بڑا فرض ہے اس کے وجوب و فرضیت

اور اس کی اہمیت کا، لیکن اب دشمن بھی پیدا ہو رہا ہے۔ اور جس درجے کا حق ہے اور جس قوت کو میں چیلنج کر رہا ہوں اس کے مقابلے میں جو اذیتیں آئیں گی جو آزمائشیں اور جو مصیبتیں آئیں گی کہ ساری زندگی محنت کی کوشش کی، لڑتا رہا، جھگڑتا رہا اور تمام محنتوں کے نتیجے میں کچھ بھی ہاتھ نہ آیا پھر دل ٹوٹ جاتا ہے خطرہ ہوتا ہے کہ دشمن مجھے مار نہ دے تو ایسے موقع پر فرمایا **واللہ یعصمک من الناس** ، جان کی پرواہ مت کرو جان کی حفاظت کرنے والا اللہ ہے چلو! جان کی بھی پراوہ نہیں، پہریداروں کو کہہ دیا: جاؤ اپنا کام کرو، اب اللہ نے یہ ذمہ داری لے لی کوئی دنیاوی طاقت میرا بال بیکار نہیں کرسکتی ختم ہوگئی بات لیکن اب یہ کہ میں محنت تو کروں، زندگی ساری اس میں گزاردوں اور نتیجہ یہ کہ کوئی آدمی مسلمان ہی نہیں ہو رہا، کتنے انبیاءؑ تھے جن کی دعوت صدیوں پر محیط تھی لیکن ان میں ایسے بھی ہیں کہ ایک اُمتی بھی نہیں ملا کسی کو صرف ایک، کسی کو دو کسی کو تین امتی ملے کسی کو اُمتیوں کی ایک چھوٹی سے جماعت ملی اور محنت صدیوں پر محیط تھی فرمایا **ان اللہ لایھدی القوم الکفرین** یہ میرا مسئلہ ہے۔ یہ آپ کا مسئلہ نہیں ہے میں کسی کو ہدایت نہیں دیتا تو وہ کیا کرے گا تب اطمینان ہو جاتا ہے کہ بس ٹھیک ہے نتیجہ آپ کے ہاتھ میں ہے تو پھر ہم کیوں کرب میں مبتلا رہے ہم کیوں اس غم میں پڑیں کہ لوگوں نے میری بات نہیں مانی، لوگ جماعت میں شامل نہیں ہوئے لوگوں نے ووٹ نہیں دیا؟ ہمیں اس کرب میں کیوں مبتلا ہونا چاہئے؟ یہ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے اس اُمت پر، کہ اتنی اتنی آسانیاں آپ کے کام، جدوجہد اور محنت پر آپ کے حوالے کیں، تو جب امور اجتماعیہ ہوں قومی معاملات ہوں جس کا اثر پوری اُمت پر پڑتا ہو پوری قوم پر پڑتا ہو ان کے اندر شورائیت، مشورہ، تجویز، تدبیر اور تدبر، یہ سب وہ تقاضے ہیں جو ہم نے پورے کرنے ہیں اور اگر ہم نے یہ پورے نہ کئے تو پھر ہم سے پوچھا جائے گا کہ اچھا...... نقصان تو تجھے ہوا لیکن تو نے مشورہ بھی کیا تھا؟..........

فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لاتعلمون، مشکلات تیرے اوپر آئیں لیکن تو نے یہ کام کیا؟

یہ کیا، یہ کیا، یہ شرعی تقاضا پورا کیا تھا؟

مسلمانوں پر آج کے دور کی تکالیف کسی دور سے کم نہیں۔

آپ جانتے ہیں کہ تاریخ میں مسلمانوں پر بڑی تکلیف کے ادوار گزرے ہیں لیکن آج کے دور کی تکلیف کسی دور سے کم نہیں ہے اور آپ یقین جانئے! جس وقت افغانستان پر امریکہ حملہ کر چکا تھا اس کا ایک مہینہ گزر چکا تھا اور میں نظر بند تھا، نظر بندی میں مجھے اطلاع ملی کہ طالبان سقوط کر گئے افراتفری مچ گئی ہے صفیں بکھر گئی ہیں بہت سے لوگ پاکستانی سرحدات کراس کر کے اس طرف آ گئے ہیں تو مجھے یہ احساس ہوا کہ جیسے ہمارے اوپر 1857ء کی جنگ آزادی کا دور آ گیا ہے برصغیر میں 1857ء ایک ایسا واقعہ ہے کہ جس نے پورے ہندوستان کی سیاست کا کایا پلٹ دی تھی۔

ہمارے اکابرین نے کن کن محاذوں پر معرکے لڑے تھیں۔

اور ہمارے وہ اکابرین جو اس سرزمین پر ان سے بڑا کوئی مجاہد نہیں تھا۔ جن کی تاریخ قربانیوں سے بھری پڑی ہیں کن کن محاذوں پر جا کر انہوں معرکے لڑے، کیسے حالات سے دوچار ہوئے کہ اب شاید وہ آزادی کی جنگ لڑنے کی بجائے اپنے دین اپنے علم، قرآن وحدیث کو بچانے کی فکر میں لگ گئے کہ اب اس کو بچانا کیسے ہے؟ اور یہ احساس انہیں دیوبند کی ایک مسجد چھتہ اور انار کے ایک درخت کے سایہ میں لے آیا ایک استاد اور ایک شاگرد کا ماحول...... کیا ان کے سامنے یہ احسان نہیں ہوگا۔ کہ اتنی بڑی قربانیوں کے بعد آج ہم جائیں اور گاؤں کی ایک چھوٹی سی مسجد کے درخت کے نیچے بیٹھیں؟ کسی نے ان کو نہیں کہا ہوگا کہ ہمیں مروادیا، پورے ہندوستان کے طول وعرض میں ہماری لاشیں بکھری ہوئی ہیں ہمارا خون بکھرا ہوا ہے اور تم لے آئے ہمیں گاؤں کی ایک مسجد میں؟ یہاں آ کر بیٹھ گئے ہو......؟ لیکن وہ دور اندیش لوگ تھے حالات کے نبض پر ان کے ہاتھ تھے سوچتے تھے کہ میں نے اپنی عزت کے لئے نہیں لڑنا ہے، میں

نے اپنے مفاد کیلئے نہیں لڑنا، میں نے اپنی عار کے لئے نہیں لڑنا، میں جو کچھ کر رہا ہوں اس دین کے لئے کر رہا ہوں تب تک دین کیلئے وہ مفید تھا، تو آج یہ دین کی ضرورت ہے اس چیز کو وہ لوگ سمجھ چکے تھے مطمع نظر صرف دین ...... کہ اسے بچانا کیسے ہے؟ کس طرح آگے جانا ہے، ہم نے......؟

آبپارہ چوک میں سب سے پہلے کس نے امریکہ مردہ باد نعرہ بلند کیا تھا!

ورنہ سب جانتے ہیں کہ اس خطے میں امریکہ مردہ باد کا نعرہ اس آبپارہ چوک میں سب سے پہلے میں نے بلند کیا تھا، آپ کی لال مسجد سے جلوس نکالا تھا، میں نے چیلنج دیا تھا امریکہ کو...... میری ایک تقریر پر دنیا کے 62 ممالک کے امریکی سفارتخانے بند ہو گئے تھے میری ایک تقریر پر پاکستان میں امریکی سفارتخانے بند ہو گئے تھے میری ایک تقریر پاکستان میں امریکی سفارتخانے کے تمام عملہ واپس بھیج دیا گیا تھا، سخت گفتگو کرنا، چیلنج کرنا، میدان میں کھڑے ہو کر ہم اس وقت اس پوزیشن میں تھے افغانستان میں اس داڑھی، پگڑی کی حکومت تھی، پاکستان میں اس حوالے سے تحریک اٹھی ہوئی تھی لوگ آپ کے ساتھ تھے، ایک سیاسی محاذ پر ہم نے آواز بلند کی اگر افغانستان میں حکومت تھی تو یہاں سے سیاسی سپورٹ مل رہی تھی، ان کو ہم نے اسلحہ نہیں دیا تھا ہم نے سیاسی روش اختیار کی، جلسے جلوس کی روش اختیار کی اور اس موقع پر جس دن میں گوادر گیا تو گوادر میں امریکی بحری بیڑے کھڑے تھے جو وہاں کی نئی بننے والی بندرگاہ پر کام کر رہے تھے انہوں نے کہا کہ یہ آ رہا ہے تو ہم جا رہے ہیں پھر ہم نکل رہے ہیں ان کو بڑی مشکل سے سمجھانا پڑا کہ بھئی! وہ ایک عالم دین اور مقرر آدمی ہے یہاں جلسہ میں تقریر کر کے چلا جائے گا کوئی آپ پر حملہ نہیں کر رہا لیکن جس دن میں گوادر میں تھا اس دن وہ اپنے بحری بیڑے سے کام کیلئے باہر نہیں نکلے، جب میں وہاں سے نکلا وہ باہر آئے یہ دن بھی ہم نے گزارے ہیں اور آج آپ جو ہمارے برخوردار ہیں، ہماری اولاد ہیں ہمارے بچے ہیں آپ سمجھتے ہیں کہ شاید ہم بھول گئے ہیں اب

آپ ہمیں پڑھا رہے ہیں اور احساس دلا رہے ہیں۔

کفر و اسلام کے درمیان نظریاتی تقسیم حتمی ہے۔

یاد رکھئے! کفر و اسلام کے درمیان نظریاتی تقسیم حتمی ہے اور یہ ہر قیمت پر موجود رہے گی یہ قیامت تک کے لئے ہے فرمایا لکم دینکم ولی دین تمہارا دین الگ، ہمارا دین الگ ہمارا اپنا نظریاتی مقام تمہارا اپنا نظریاتی مقام اس پر کوئی کمپرومائز نہیں ہوسکتا، کبھی لڑائی ہوگی، کبھی صلح ہوگی لیکن لڑائی ہوگی تو اسی بنیاد پر ہوگی صلح ہوگی تو اسی بنیاد پر اس لکیر کو درمیان سے محو نہیں کیا جاسکتا۔ ہم حکومت میں نہ ہوں اپوزیشن میں ہوں لڑ رہے ہوں تو اسی بنیاد پر کبھی صلح کی بات آتی ہے وان جنحو اللسلم فاجنح لها و توکل علی اللہ اور آگے ہے ان یخدعوک فان حسبک اللہ اتحاد کر کے اور مصالحت کی طرف بلا کر، معاہدے کی طرف بلا کر دھوکہ دینا چاہیں گے تو بھی اللہ تعالیٰ تسلی دیتے ہیں کہ فکر مت کرو، کچھ نہیں بگڑتا لیکن اپنا منصب آپ لوگوں کو بھولنا نہیں چاہئیں کہ میں ہوں کون؟ کس چیز کی میں نمائندگی کر رہا ہوں۔

ایک گھنٹے کی تقریر میں ہم نے پوری پارلیمنٹ کی سوچ تبدیل کردی۔

آج کل اپ میرا بیان اخبارات میں پڑھتے ہوں گے، میرے خیال میں حزب اختلاف والے حکومت کیخلاف اتنا بیان نہیں دیتے ہوں گے جس طرح میں ان پر تنقید کرتا ہوں اور صاف صاف کہتا ہوں کہ یہ چونکہ میرے معاہدے کی ان ترجیحات کے خلاف ہے اور ابھی جو پارلیمنٹ کا ان کیمرہ اجلاس ہوا میڈیا والے نہیں تھے اس کے اندر ایک ایسا مرحلہ ہمارے اوپر آیا کہ جہاں ایک بار پھر ہمیں بھرپور قوت کے ساتھ اپنا مؤقف بتانا پڑا اور میں آپ کو بتادوں کہ ایک بریفنگ فوج کی طرف سے دی گئی اور دوسری بریفنگ حکومت کیطرف سے پوری پارلیمنٹ کی سوچ بدل گئی ہمارے خلاف، اور جو تھوڑے بہت ہمارے ہمدرد تھے انہوں نے بھی کہا چھوڑو تم مولویوں نے بیڑہ غرق کردیا ہے تو یہ ہمارے لئے امتحان کا مرحلہ تھا اور میں نے ان دنوں یہ بیان دیا کہ

میں بھی تو حکومت کا حصہ ہوں لہٰذا جب تک میری طرف سے بریفنگ نہیں ہے اس وقت تک حکومتی بریفنگ مکمل نہیں ہوگی لہٰذا جو معلومات میں فراہم کروں گا اس کو جمع کرو اس کے ساتھ...... لیکن اس کی اجازت مجھے نہیں دی گئی اور کہا گیا کہ آپ اکیلے بریفنگ نہیں دیں گے بلکہ آپ نے اپنے نمبر پر تقریر کرنی ہے پھر میں نے کہا کہ مجھے پہلے مقرر کی حیثیت دی جائے لیکن بہر حال لیڈر آف دی اپوزیشن چونکہ روایات کیمطابق بحث کا آغاز کرتا ہے تو وہ موقع تو ہم نے دیدیا پھر اسکے بعد میری تقریر ہوئی اور آپ حضرات کی دعائیں تھیں اور دوستوں کی دعائیں تھی کہ ایک گھنٹے کی تقریر میں ہم نے پوری پارلیمنٹ کی سوچ بالکل تبدیل کردی، اور بڑی صراحت کے ساتھ تمام تر دلائل کے ساتھ، کوئی گالم گلوچ کے ساتھ نہیں اور نعرے بازیوں کے ساتھ نہیں............

ہمارا دعوی اور اس پر ہمارا اطمینان:

اور ہمارا ہمیشہ ایک دعویٰ رہا ہے اور ہم مطمئن ہیں اس بات پر کہ اس دنیا میں جو اس وقت جنگ چل رہی ہے اس میں ہم حق پر ہیں اب ایک ہے اسلحہ کی قوت تو ظاہر ہے اسلحہ کی قوت ان کے پاس زیادہ ہے مار رہے ہیں آگ لگی ہوئی ہے اور ایک ہے دلیل کی قوت سو وہ ہمارے پاس ہے ہم ہمیشہ کہتے ہیں کہ آؤ! بات کرو مسئلے کو میز پر حل کریں۔ بات چیت کرتے ہیں اس پر وہ نہیں آتے کئی سال پہلے یہاں برطانیہ کا وزیر خارجہ آیا تھا غلطی سے اس نے کھانے پر ہمیں بھی بلالیا، اور ہم پانچ پاکستانی جماعتوں کی قیادت وہاں بیٹھی ہوئی تھی جب ان سے میں نے اس موضوع پر بحث شروع کی تو آپ یقین جانئے! کہ آدھے گھنٹے میں اس نے ہاتھ اٹھالیئے اور کہا کہ میں آپ کے دلائل سے متفق ہوں میرے پاس اپ کا کوئی جواب نہیں ہے تو آج بھی ان کے پاس ظلم کا کوئی جواب نہیں ہے۔

اسرائیل کے مظالم :-

اسرائیل آج بمباریاں کر رہا ہے 500 فلسطینی اس وقت تک شہید ہو چکے ہیں غزہ کا پچیس فیصد علاقہ مکمل طور پر تباہ ہو چکا ہے اور امریکہ ہے کہ وہ اسرائیل کے خلاف قرارداد پاس نہیں ہونے دے رہا، لمبا کر رہا ہے معاملے کو اور لمبا کر رہا ہے تا کہ اس وقت تک وہ اپنی کارروائی مکمل کر دے جو اس نے کرنا ہے۔

یہ حالات سوچ کرنے کی ہے ٹکڑوں میں فیصلوں کرنے کی نہیں -

تو اب ایسے حالات نہیں ہیں میرے بھائیو! کہ ہم ٹکڑوں ٹکڑوں میں مشورے کریں اور فیصلے کریں، یہ وقت ہے۔ کہ ہم سوچیں اور میں آج بھی دعوے سے کہتا ہوں اور میں نے کبھی یہ بات چھپائی نہیں ہے اور ہر دوست سے یہی ہے کہ پاکستان کی حدود کے اندر جنگ امریکہ کو تقویت دیتی ہے آج قبائل اگر پاکستان میں لڑ رہے ہیں اور پاکستان میں مصروف ہیں تو اس سے افغانستان کے اندر مجاہدین کی دفاعی قوت کمزور ہو جاتی ہے حالانکہ اصل ہدف افغانستان میں استحکام ہے تو افغانستان کے سرحدات سے باہر جنگ جتنی پھیلتی ہے امریکہ اس کو اپنے لئے سہولت تصور کرتے ہیں اور یہ چیزیں ہمارے درمیان باعث مذاکرہ ہیں کہ ہم مذاکرہ کریں اس پر اور اس بات کو سمجھیں۔

اصل اساس دو چیزیں ہیں اور ہمارا دونوں پر اتفاق ہیں -

کیونکہ اصل اساس دو چیزیں ہیں اور دونوں پر ہمارا اتفاق ہے ایک ہے اسلام ......تو ہمارے درمیان اس پر کیا اختلاف ہے؟ ایک مقصد عقیدہ اور فکر میں کوئی اختلاف نہیں اس کی تفصیلات اور جزئیات میں بھی کوئی اختلاف نہیں ہے اور دوسرا...... امریکہ دشمنی کہ امریکہ اور مغربی قوتیں اسلام دشمن ہیں اور وہ اسلام اور مسلمانوں کا خاتمہ چاہتی ہیں اور وہ اس خطے کے وسائل پر قبضہ کرنا چاہتی ہیں قوموں کی آزادی چھیننا چاہتے ہیں یہ ایسی چیز ہے جس پر کوئی اختلاف نہیں تو

جب یہ دو بنیادی چیزیں ہمارے درمیان متفق علیہ ہیں تو پھر باقی چیزیں محتاج مشاورت ہیں، محتاج مذاکرہ ہیں اور ہماری مسلسل یہ کوشش رہتی ہے پوری جماعت کو ہماری طرف سے یہ ہدایات ہیں کہ ہمارے ساتھی ملک میں جہاں جہاں بھی ہیں وہاں پر اگر کوئی تنظیم موجود ہے ان کے ساتھ رابطے میں رہیں رابطے نہیں توڑے ان کے ساتھ ہاں! اپنی بات سمجھائیں کہ جو خون رائیگاں جارہا ہے وہ اسلام کا متاع اور اثاثہ ہے اور پھر اس دور میں سازشیں ہورہی ہیں ۔ آپ نے سازش دیکھی......؟ کچھ سمجھا اسے......؟ کچھ سوچا اس پر......؟ کہ آگ برسا کر بچیاں اور بچے زندہ جلادئے گئے اور ماضی کے حوالے سے ہم جو جلیانوالہ باغ کا ذکر کرتے ہیں ۔ کہ جس طرح جلیانوالہ باغ کا واقعہ ہوا، وہ تاریخ نہیں بھول سکتی ...... ہم نے کہا مت کروایسا لیکن ہوا کیا............؟

اور میں ایجنسیوں کی صلاحیتوں کو سلام پیش کرتا ہوں بخدا...... ! کہ جس نے معصوم طلباء وطالبات پر ظلم کیا جس نے تہہ تیغ کیا ایسا چکر چلایا انہوں نے ...... کہ اشتعال میں آکر انتقال میں آکر ہمارے نوجوان کا ہاتھ جہاں ان کے گریبان میں پڑنا چاہئے تھا۔ اس کا ہاتھ جمعیت علماء اسلام اور وفاق المدارس کے گریبان میں پڑگیا ساری لڑائی کا رخ پھیر دیا گیا یہ کیا تھا......؟ کسی نے نہیں سوچا اس کے اوپر............ اور پھر اس پر جو فطری اشتعال اور ناراضگی پیدا ہوتی ہے۔ اس کا رخ کس طرف پھیر دیا گیا......؟ اور وہ خود کیا...... کہ

"دامن پہ کوئی داغ نہ خنجر پہ کوئی چھینٹ   تم قتل کرو ہو کہ کرامات کرو ہو"

اور جیسے میں نے عرض کیا کہ پاکستان کے اندر جنگ ہمارے اپنے ملک کے ساتھ فوج کے ساتھ ان کے اداروں کے ساتھ مڈبھیڑ ہوجائے یہ شاید ان کے ریلیف دے، ہمیں ریلیف نہ دے ہمیں فائدہ نہ دے، یہ ہماری مشکلات میں اضافہ کرسکتا ہے، یہ مساجد و مدرسے ان کو امن کے گہوارے بنتے ہیں   میں بھی تو ایک مدرسے والا ہوں، میں بھی تو ایک مسجد والا ہوں، میں بھی تو ایک

مدرس ہوں ، اگر چہ اب مجھے پڑھنے پڑھانے کے مواقع نہیں مل رہے لیکن میں بھی ایک مدرس ہوں ایک مدرس کا بیٹا ہوں ایک مولوی ہوں ، ایک مولوی کا بیٹا ہوں ، ایک مولوی کا پوتا ہوں اسی ماحول کا بندہ ہوں ، انہی مدارس کا طالب علم ہوں ، انہی چٹائیوں پر بیٹھ کر میں نے پڑھا ہے اس سے پہلے میں وہاں بیٹھا ہوا تھا جہاں آپ بیٹھے ہوئے ہیں ، انہیں استادوں سے میں پڑھا ہوں تو کیا آج آپ اس مدرسے اور مسجد کی حرمت کو سمجھتے ہیں اور ہم اس کی حرمت کو نہیں سمجھتے......؟

اپنے بڑوں کے خلاف عدم اعتماد کی تباہ کاریاں:

اور یہ بات یاد رکھیں کہ ہمیشہ کے لئے تحریکوں کو تباہ و برباد کرنا جماعتوں کو تباہ و برباد کرنا ، اس کی بنیاد یہی ہوتی ہے کہ پہلے اپنے بڑوں کے خلاف عدم اعتماد اور ناراضگیاں اور بداعتمادیاں پھیلائی جاتی ہیں اور یہ کیفیت جب پیدا ہو جائے تو پھر صفیں ٹوٹ جاتی ہیں لہٰذا یہ چیزیں مدنظر ہونی چاہئیے اور میں نے کہا کہ جب میں بھی ایک مسجد اور مدرسے والا ہوں تو کیا میں اپنی مسجد میں بندوق اٹھا کر مورچہ بنانے کے لئے تیار ہوں......؟ نہیں اور اگر میں تیار نہیں ہوں اور اس کو مفید نہیں سمجھتا تو میں آپ کو کیسے مشورہ دے سکتا ہوں کہ تکڑے رہو ڈٹ جاؤ یہ کیسے ممکن ہے میرے لئے ؟ اور میں نے علماء کرام سے یہی کہا کہ اگر آپ میں سے کوئی بھی اپنے مدرسے کو مورچہ بنانے کے لئے تیار ہے تو پھر ان بھائیوں کو ضرور کہو کہ ڈٹ جاؤ اور اگر تم اپنے مدرسے میں عافیت چاہتے اور اس چیز کو مفید نہیں سمجھتے تو پھر ان بھائیوں کی کمر کیوں تھپکا رہے ہو؟ کہ تکڑے رہو ڈٹ جاؤ کوئی بھی آپ کا بال بیکا نہیں کر سکتا فوج میں اختلاف ہو گیا آپ پر حملہ ہوگا تو فوج آپس میں لڑے گی......یہ اطلاعات کس نے آپ تک پہنچائیں ؟

۱۹۸۸ء میں مولانا عبداللہ صاحب کا واقعہ :

میرے والد (مولانا مفتی محمودؒ) کا تعلق مولانا عبداللہ صاحبؒ کے ساتھ تھا مولانا عبداللہ صاحبؒ ان کے شاگرد تھے قاسم العلوم ملتان میں پڑھے تھے کچھ عرصے ، ساری زندگی ان کے ساتھ دوستی

اور تعلق رہا اور حضرت مفتی صاحبؒ کے انتقال کے بعد جب 1988 میں اسمبلی میں آیا تو ایک دن مولانا عبداللہ صاحب میرے کمرے میں پہنچے اور میرا انتظار کر رہے تھے، میں جب پہنچا تو مجھے کہنے لگے کہ میرا تبادلہ کر دیا گیا ہے لال مسجد سے تو میں نے کہا کہ اب ہم لڑیں گے ہمارے لئے کیا رہ گیا ہے۔ تب میں نے وہ جنگ لڑی اور پوری جمعیت کے جتنے بھی ایم این ایز اور سینیٹرز تھے ہم آ گئے لال مسجد، ان کی جمعہ کی نماز میں...... اور جمعہ کی تقریر میں نے کی، خطبہ میں نے پڑھا اور جب میں منبر سے اترا تو میں نے مولانا عبداللہ صاحبؒ سے کہا کہ مصلے پر آپ نے کھڑا ہونا ہے، کسی کا باپ بھی آپ کو اس مصلے سے نہیں ہٹا سکتا نماز انہوں نے پڑھائی اور پھر حکومت کو اپنے احکامات واپس لینے پڑے۔

سانحہ لال مسجد اور مخالفین کے پروپیگنڈے

یہی صورتحال مولانا عبدالعزیز اور مولانا عبدالرشید کے ساتھ پیش آئی تھی میں جہاں موجود نہیں تھا، مجھے اطلاع پہنچی مولانا عبدالغفور حیدری صاحب موجود ہیں پوری جماعت کے ساتھ ہم یہاں پہنچے اب افسوس یہ ہے کہ جن بھائیوں کا ایک ایک مشکل کے موقع پر ہم نے سب سے آگے بڑھ کر ان کا دفاع کیا ہے اب ہمیں پیش کیا جا رہا ہے۔ کہ ہم ان کے دشمن ہیں، ان کے مخالف ہیں شرم نہیں آتی ان لوگوں کو......؟ یہ وہی لوگ ہو سکتے ہیں جو ہمارے بھی دشمن ہوں گے اور ان کے بھی دشمن ہوں گے یہ مدرسے ہمارے ہیں اور ہم نے ان کی حفاظت کرنی ہے ہمیں احساس ہے کہ ایک مدرسہ گرتا ہے گویا کہ ہمارا گھر گرتا ہے اور ایک مدرسہ بنتا ہے تو ہمارا گھر بنتا ہے میں جب اس امت اور اہل حق کی تعبیر کرتا ہوں تو میں کہتا ہوں کہ ہماری حیثیت ایک تالاب کی ہے تالاب میں ایک کونے سے پانی داخل ہوتا ہے لیکن سطح پورے تالاب کے پانی کی بلند ہوتی ہے اور ایک کونے سے اگر پانی نکلنا شروع ہو جائے تو سطح

پورے تالاب کی گرتی ہے لہٰذا جہاں بھی اہل حق کا کوئی فرد طاقتور بنتا ہے تو ہم سب اس سے طاقتور بنتے ہیں اور اگر کہیں کسی کونے میں کمزوری آتی ہے تو ہم سب گرتے ہیں اس سے لہٰذا یہ ایک فرد اور شخصیت کا مسئلہ نہیں ہوتا۔

علماء، طلباء اور مدارس کی بقاء بھی اسلام کی خدمت ہے۔

یہ مدارس ہماری وہ آماجگاہیں ہیں جو ہم سمجھتے ہیں کہ یہ اسلام کے قلعے ہیں اور جب کوئی مدرسہ گرتا ہے تو جیسے اسلام کا قلعہ گر رہا ہے ہم نے ان کو بچانا ہے، ہر وقت ہمیں سوچنا ہے کہ ہم کیسے ان کو تحفظ دیں؟ کیسے اس سلسلے کو آگے لے جائیں؟ علماء طلباء صلحاء مدارس...... قرآن وحدیث کے خادم ان کی بقاء بھی اسلام کی خدمت ہے اور آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ امریکہ یہ کبھی نہیں کہے گا کہ اسلام ہم پر غالب ہے اسے یقین ہے کہ مسلمان ہم سے کمزور ہیں لیکن اس تمام تر یقین کے باجود وہ آپ کے پیچھے کیوں لگا ہوا ہے؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ کی کمزوری ان کے لئے کافی نہیں بلکہ آپ کا خاتمہ ان کے لئے ضروری ہے تو اگر ہم اپنی بقاء کی بھی جنگ لڑ رہے ہیں۔

ہم اپنی قوت کی حد تک مکلف ہیں۔

اور ہماری پالیسیاں اپنی بقاء کے لئے ہیں تو یہ بھی ان کے لئے بڑی تکلیف دہ بات ہیں اور ہم اپنی قوت کی حد تک مکلّف ہیں قوت سے بڑھ کر ہم مکلّف نہیں لا یکلف اللہ نفسا الا وسعها واعدوا لهم ما استطعتم من قوة اور قوت بھی نکرہ ہے اس میں عموم ہے یعنی جو قوت ہاتھ آئے حاصل کرو اس کی تیاری کرو، اب ہمارے اور آپ کے ہاتھ میں علمی قوت ہے جماعتی، سیاسی قوت ہے جس لحاظ سے ہمارے پاس جو قوت ہے اپنے دین کی بقاء اور سلامتی کے لئے ہم نے وہی کچھ کرنا ہے۔ اور جہاد وہی ہوگا جو اسلام کے فائدے کے لئے

ہوگا ورنہ یہ سمجھتے ہوئے کہ یہ چیز نقصان دہ ہے اور پھر بھی ہم لوگ وہی کچھ کریں اور نقصان اسلام کو پہنچے اور پھر اس کو ہم جہاد کہیں یہ کیسا ہوگا؟ اس حوالے سے ہم اللہ اور اس کے دین کی تعلیمات کو سامنے رکھتے ہوئے اس کے فائدے کے لئے سوچیں کمزوریاں ہمارے اندر ہیں کم از کم میں اپنے بارے میں یہ کہنے میں کوئی باک محسوس نہیں کرر ہا اور ہم سب کی یہی حالت ہے، پوری امت کی یہی حالت ہے آج کے دور میں ہم صحابہ کرامؓ کا معیار نہیں اپنا سکتے، اصل معیار وہی تھے تو جب ہماری شخصی زندگی کا معیار اتنا نیچے ہوگا تو ہمارے تجمع سے بنے ہوئے اسلام کی کیا حالت ہوگی؟ ہم اس آئیڈیل اسلام کی بات تو کرتے ہیں اس میں کوئی شک نہیں ہے لیکن کیا ہم وہ آئیڈیل اسلام اس دنیا میں حاصل کرسکیں گے؟ تو جتنا ہو سکے ہم نے کرنا ہے یہی مدرسے ہیں جوان کا علمی معیار ہے یہی طالب علم یہی مذہبی لوگ ہیں جوان کی استطاعت ہے ہم نے ان حالات واستعداد کے مطابق اس مشن کو زندہ رکھنا ہے......

ایک عجیب مثال :

اور میں ایک مثال پیش کیا کرتا ہوں کہ ہر عمر کی اپنی صحت ہوتی ہے، 80 سال کے بوڑھے سے بھی پوچھیں کہ کیا حال ہے؟ تو وہ کہے گا الحمد للہ ٹھیک ہوں، پوچھو صحت کیسی ہے؟ کہے گا بہت اچھی ہے تو کیا اس کا یہ معنی ہے کہ اس کی صحت 25 سالہ نوجوان جیسی صحت ہے؟ نہیں بلکہ اس کی عمر ہے اور اس عمر میں اللہ نے جو صحت اس کو دی ہے اس پر الحمد للہ کہہ رہا ہے اور 25,20 سال کے نوجوان سے پوچھیں کہ کیا حال ہے تو وہ دوڑتا پھرتا ہے کہتا ہے میں صحت مند ہوں ٹھیک ٹھاک ہوں 90 سال کی عمر والے سے آپ پوچھو تو وہ بھی کہتا ہے

کہ میں ٹھیک ٹھاک ہوں شکر ہے اللہ کا ، بھوک لگتی ہے کھانا کھاتا ہوں ، مسجد میں بھی چلا جاتا ہوں نماز پڑھتا ہوں ، اب کیا ان دو صحتوں کو آپ ایک درجے میں رکھیں گے؟ تو جو اللہ نے ہمیں نعمت سے نوازا ہے ہمیں اس پر شکر ادا کرنا چاہئے اور اگر آپ کبھی صوفیاء سے وابستہ ہوں تو وہ تو اپنی بنیادی تعلیمات میں یہ بتلاتے ہیں کہ بڑوں کی طرح نہیں کرنا ......گر جاؤ گے تو اللہ نے ہمیں جو یہ ماحول نصیب کیا ہے اس کو کیسے ہم باقی رکھ سکتے ہیں؟ کتنی اچھائیاں ہم اس میں لا سکتے ہیں ، جتنی ہمارے اندر استطاعت ہو اس کی اصلاح کی کوششیں ہونی چاہئے کیونکہ پانچ سال کا بچہ بیمار ہو جائے تو علاج کرواتا ہے اور 90 سال کا بوڑھا بیمار ہو جائے تو علاج تو وہ بھی کرواتا ہے علاج منع نہیں ہے تاہم آپ اصلاحات کی کوششیں کریں۔ بہتر سے بہتر بننے کی کوششیں کریں لیکن یہ نہیں کہ آپ بعینہ صحابہ کرامؓ کا ماحول بنانے کی کوششیں کریں یہ بڑا مشکل ہو جائے گا ، حضرت سندھیؒ نے ایک جگہ لکھا ہے کہ حکومت الٰہیہ کے لئے خلافت راشدہ کو معیار بنالینا ، یہ حکومت الٰہیہ کے ساتھ ظلم ہے کیونکہ جب آپ معیار اس کو بنالیں گے اور حکومت ہوگی آپ کے ہاتھوں میں تو وہ چیز تو ہوگی نہیں پھر لوگ کہیں گے کہ سرے سے حکومت الٰہیہ ہے ہی نہیں اس نے جھوٹ بولا تھا ہمارے ساتھ۔

مشکلات اہل حق کے سامنے آتی ہیں۔

تو یہ اکابر نے جو کچھ فرمایا ہے ہمارے لئے فرمایا ہے اور ہمیں ان راہوں پر چلنا ہے مشکلات کی راہیں ہیں اور یہ مشکلات اہل حق کے سامنے آتی ہیں ہم نے بڑے سے بڑے کفر کا مقابلہ کرنا ہے بڑے سے بڑے جابر کا مقابلہ کرنا ہے ہر ایک کے سامنے کلمہ حق کہنا

ہے لیکن کلمہ حق کا بھی کوئی طریقہ ہوتا ہے۔ تدبیر اور تدبر بھی سامنے ہونا چاہئے۔ ہمارے ایک استاد صاحب تھے تو انہیں ایک شاگرد نے کہا کہ: جی! مجھے فلانی مسجد میں امامت مل رہی ہے۔ آپ مجھے اجازت دیں تو استاد نے کہا: ٹھیک ہے آپ جائیں لیکن آج کل ربیع الاول کا مہینہ چل رہا ہے اور تم بھی اسی محلے میں ہو جہاں محفل میلاد منائی جاتی ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ پہلے جمعہ میں ایسی تقریر شروع کردو تو وہ گیا، اس نے تو توحید کی شراب پی ہوئی تھی۔ اس نے وہی تقریر کردی۔ جو اس کے اپنے دل میں تھی اس کا استاد ابھی مدرسے میں واپس نہیں آیا تھا کہ طالب علم کا بستر پہلے پہنچ گیا۔

قوتِ دلیل اور قوت کردار ہونی چاہیے۔

تو اس طرح بھی نہیں کرنا چاہئے کہ ہم حکمت سے بالکل ہٹ کر ادع الیٰ سبیل ربک بالحکمة و الموعظة الحسنة ، دعوت کا میدان ہے سمجھانے کا میدان ہے دلیل کا میدان ہے تو قوت دلیل اور قوت کردار ہونی چاہئے ان شاء اللہ، اللہ کی مدد حق کی ساتھ ہوا کرتی ہے مشکلات آجاتی ہیں لیکن استقامت کے ساتھ اس کو عبور کرنا ہوتا ہے۔ رہی مولانا عبدالعزیز صاحب کی رہائی کی بات...... تو ایک بات ذہن میں رکھیں کہ ہمارے ملک میں ویسے تو آپ کو بڑے سیاستدان حکومت کرتے ہوئے نظر آئیں گے الیکشن ہوگئے ، جمہوریت آگئی سیاسی پارٹیاں آگئیں۔ حکومت کررہی ہیں لیکن بدقسمتی سے ہمارے ملک کا جو سیاسی پس منظر ہوتا ہے اس میں ایجنسیاں ،فوج، ان کے ادارے اور ان کا عمل دخل کسی درجے میں ہر وقت رہتا ہے دوسری بات یہ کہ جس قضیے میں عسکریت ملوث ہوجائے وہاں ایجنسیاں ضرور پہنچتی ہیں اور براہ راست اس میں کردار ادا کرتی ہیں چھپ کر بھی نہیں تو اس پس منظر میں پھر یہ سمجھنا کہ اب تو تمہاری حکومت ہے اب کیوں مسئلہ حل نہیں ہورہا؟ ایسا نہیں ہوتا...... ہمہ جہت قوتیں ہیں

جہاں ایک فریق اکیلا فیصلہ نہیں کرسکتا تو میں آپ سے یہ کہوں گا کہ آپ مولانا عبدالعزیز صاحب کو نہ دیکھیں آپ اس پورے واقعہ کو سامنے رکھیں اور اس پورے واقعہ کی تہہ میں آپ اس شخصیت کو دیکھیں پھر سمجھ میں آجائے گا کہ کہاں کہاں کیا مشکلات ہوتی ہیں تو درجہ بدرجہ ہو رہا ہے کام، حالات کا فائدہ اٹھانا ہوتا ہے جامعہ فرید یہ کھلوانے کے بھی کوئی حالات نہیں تھے لیکن بس کسی طرح ایک ماحول بن گیا اور ہم نے اس کا فائدہ اٹھایا تو یہ ایک تو ہوگیا، جامعہ حفصہؓ کے حوالے سے بھی یہ ہوا کہ اس کا پلاٹ بھی مسجد کے حوالے اور متبادل جگہ بھی دیں گے اور اس پر اتفاق بھی ہوگیا ہے اب متبادل جگہ کہاں طے کرتے ہیں؟ تو یہ تو جامعہ کے لوگوں کی ہی ذمہ داری بن جاتی ہے۔ اور مولانا عبدالعزیز صاحب پہلے جیل میں تھے عین انتخابات کے دنوں میں ہم انہیں گیسٹ ہاؤس تک لے آئے، گیسٹ ہاؤس سے ایک بنگلے تک لے گئے ان کو اور ان شاء اللہ معاملہ بھی حل ہو جائے گا۔ یہ الگ بات ہے کہ: ہے جستجو تو خوب، مگر خوب تر کہاں......؟

ہم ایک اچھی رفتار کے ساتھ آگے بڑھ رہے ہیں۔

لیکن جیسے میں نے آپ سے عرض کیا کہ ایک قوت اکیلے فیصلہ نہیں کرسکتی، تاہم خوب سے خوتر کی طرف لانا اور ایک ایسے ماحول میں کہ وہ پھر سے اس طرح کے ماحول میں ہمارے اور آپ کے بیچ میں بیٹھیں تو اس میں جو مشکلات ہیں وہ شاید میں ہماری طرف سے نہیں، زرداری کی طرف سے بھی نہیں بلکہ یہ مشکلات مختلف اطراف سے ہیں جن کی براہ راست ذمہ داری لوگوں کی نظروں میں تو سامنے کرسی پر بیٹھے ہوئے پر آتی ہے لیکن ہمارے ملکی نظام میں ایسا ممکن نہیں ہوا کرتا تو یہ چیز مدنظر رہے اس حوالے سے اعتماد رہے آپ لوگوں کا رفتہ رفتہ جس طرح ہم آگے بڑھ رہے ہیں اس پورے پس منظر کو دیکھیں تو آپ محسوس کریں گے کہ ہم ایک اچھی رفتار کے ساتھ آگے بڑھ رہے ہیں اللہ تعالیٰ ہمارا اور آپ کا حامی و ناصر ہو۔

واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

(از ماہنامہ الوفاق)